تاریخ ملت

جلد سوم

خلافت بنی اُمیہ

قاضی زین العابدین میرٹھی

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

[illegible]

تاریخِ ملّت

حصّہ سوم

خلافتِ بنی اُمیّہ

س میں تمام خلفائے بنی اُمیّہ کے حالات و واقعات قدیم وجدید
تبر و مستند تاریخوں کی بنیاد پر نہایت کاوش اور تحقیق سے یکجا کیے
ے ہیں، اسی کے ساتھ ہر خلیفہ کے دورِ حکومت اور اس کی خصوصیات
پر بصیرت افروز تبصرہ بھی کیا گیا ہے

تالیف

قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی

ندوۃ المصنفین دہلی

طبع چہارم

شوال المکرم ۱۳۷۹ھ مطابق اپریل ۱۹۶۰ء

قیمت ... غیر مجلد تین روپے آٹھ آنے

قیمت ... مجلد چار روپے آٹھ آنے

مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی

امیر معاویہ بن ابی سُفیان رض

سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۵۹ھ

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رض بانی خلافتِ امویہ قبیلۂ قریش کی شاخ بنی اُمیہ میں سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

معاویہ بن ابی سفیان رض بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اس طرح عبد مناف پر پہنچ کر آپ کا نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ہجرت سے پندرہ سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، فتح مکہ کے موقع تیئیس ۲۳ سال کی عمر میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ساتھ جناب رسالتمآب صلعم کے دستِ مبارک پر مشرف با سلام ہوئے۔

امیر معاویہ پڑھے لکھے، عقلمند نوجوان تھے۔ رسول اللہ صلعم نے جوہر قابل دیکھ کر کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا۔ اطرافِ ملک سے جو وفود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے اُن کی مہمانداری بھی آپ ہی کے سپرد فرمائی۔

سنہ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رض کے عہد میں جب لشکر اسلام نے ملک شام پر

یلغار کی تو ان کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان کی ماتحتی میں بھی ایک فوج دمشق کی طرف بھیجی گئی۔ امیر معاویہ کو اپنے بھائی کی امداد کے لیے اس فوج کے ایک دستہ کا افسر بنایا گیا۔ شام کے ساحلی شہروں صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت کی فتوحات میں مقدمۃ الجیش کے افسر یہی تھے۔ قیساریہ کے معرکہ کا سہرا، جس میں اسّی ہزار رومی قتل ہوئے۔ آپ ہی کے سر رہا۔

حضرت عمرؓ نے ان کی کارگزاری سے خوش ہو کر انہیں ولایت اردن کا حاکم مقرر کر دیا۔ طاعونِ عمواس میں یزید بن ابی سفیان نے وفات پائی تو امیر معاویہ ان کی جگہ دمشق کے والی مقرر ہوئے۔ اردن کی ولایت بھی بدستور ان سے متعلق رہی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں امیر معاویہ پورے ملک شام کے والی قرار پائے۔ ماتحت عمال کا عزل و نصب انہی سے متعلق تھا۔

۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد، جب حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہ کو شام کی ولایت سے معزول کر دیا۔ مگر امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ اور ان پر حضرت عثمانؓ کی مدافعت سے پہلو تہی اور ان کے قاتلوں کی حمایت کا الزام لگایا۔ اہلِ شام نے قصاصِ عثمانؓ کے مطالبہ پر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

میدانِ صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی اور آخر کار اس فیصلہ پر لڑائی ملتوی ہوئی کہ دونوں طرف سے دو حکم مقرر کیے

جائیں اور وہ جو کچھ طے کردیں اس پر دونوں فریق کاربند ہوں۔

فریقین کے حکم اس بات پر متفق ہوئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کردیا جائے اور انتخاب خلافت کا مسئلہ اُمت کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

اس فیصلہ کے بعد اہل شام نے امیر معاویہ کو اور اہل عراق نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ دونوں بزرگوں کے درمیان مسلسل جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ سنہ۴۰ھ میں حضرت علی ایک خارجی کی تلوار سے شہید ہوئے اور سنہ۴۱ھ کے آغاز میں حضرت حسنؓ نے حق خلافت سے دست بردار ہو کر اپنے بے نظیر ایثار سے اس خانہ جنگی کا خاتمہ کرادیا۔ یہ سال "عام الجماعۃ" کہلاتا ہے، اور اسی سال امیر معاویہ کی متفق علیہ خلافت کا دور شروع ہوتا ہے۔

فرق سیاسیہ | جس وقت امیر معاویہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اس وقت میدان سیاست میں تین سیاسی جماعتیں مصروف ترکتاز تھیں

(۱) حامیانِ بنی اُمیہ۔ یہ وہ لوگ تھے جو ابتداءً قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ لے کر اُٹھے تھے، حضرتِ علیؓ کو شہادت عثمان میں متہم قرار دے کر ان کی خلافت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے حضرت معاویہ کو حضرت عثمانؓ کے جانشین کی حیثیت سے خلیفہ تسلیم کیا، یہ تمام اہل شام اور کچھ دوسرے شہروں کے رہنے والے تھے۔

(۲) شیعیان علی یہ امامت کا حق اہل بیت نبی ہونے کی حیثیت سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے لیے مخصوص سمجھتے تھے۔ حضرت معاویہ کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن حالات کی ناسازگاری سے مجبور ہو کر انھوں نے گردنِ اطاعت خم کر لی تھی۔ پھر حضرت معاویہ نے اپنی کریمانہ طبیعت اور حلیمانہ طرزِ عمل سے ان کے دلوں کو مسخر کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی۔ یہ لوگ زیادہ تر اہلِ عجم واہلِ عراق اور اہلِ مصر تھے

(۳) خوارج یہ فرقہ جنگ صفین کی پیداوار تھا۔ بنی اُمیہ اور شیعیان علیؓ کو دین سے خارج اور واجب القتل سمجھتا تھا۔

یہ گروہ اگرچہ تعداد میں تھوڑا تھا مگر اپنے عقیدہ کا سخت اور عمل پر نہایت ثابت قدم تھا۔ اس میں جب تک سکت رہی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور کسی مصلحت، خوف یا طمع کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ اُمت کے یہ بڑے سیاسی عنصر تھے جن سے امیر معاویہ کو واسطہ پڑا۔ ایک بات ان سب میں مشترک تھی، وہ یہ کہ سب بہادری اور ہمت کے اوصاف سے متصف تھے۔ ایسی اُمت پر حکومت کرنے اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے مدبرانہ سیاست درکار تھی۔ حضرت معاویہ میں یہ جوہر بدرجہ کمال موجود تھا۔ آپ ان مختلف عناصر کے سرگروہوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئے جہاں تک ہو سکا اُن کی برائیوں کو برداشت کیا اور ان کی زیادتیوں کو انگیز کیا، آپ کے حلم اور رواداری کی مثال بادشاہوں میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے

تاہم آپ کی مصالحانہ پالیسی خارجیوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی

یہ جماعت برابر ملک میں بدامنی پھیلاتی رہی اور اس کی تلوار بُرّاں ملت کے نظام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مصروف رہی۔ اس لیے سب سے پہلے آپ کو ان ہی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

خوارج ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ فروہ بن نوفل اشجعی پانچ سو خوارج کو ساتھ لے کر شہرزور چلا گیا تھا اور موقع کا منتظر تھا، جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسنؓ نے خلافت کو امیر معاویہ کے حوالہ کر دیا ہے تو اُس نے کہا اب تلوار کو بے نیام کرنے کا وقت آگیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کے ارادہ سے مقام نخیلہ میں آکر ٹھہرا۔

امیر معاویہ نے اس کے مقابلہ کے لیے شامیوں کی ایک جماعت بھیجی، لیکن فروہ نے اسے شکست فاش دی۔ امیر معاویہ نے اہل کوفہ سے کہا "اگر میری طرف سے تم نے ان کا مقابلہ نہ کیا تو میں تمہیں امن نہ دونگا۔" اہل کوفہ فروہ کے مقابلہ کو نکلے۔ خوارج نے اُن سے کہا "کیا معاویہ ہمارے اور تمہارے مشترک دشمن نہیں؟ تم انہیں تنہا ہمارا مقابلہ کرنے دو۔ اگر ہم نے انہیں شکست دیدی تو تم ان کے پنجہ سے چھٹکارا پالوگے اور اگر انہوں نے ہمیں شکست دی تو تم ہماری طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے۔"

مگر اہل کوفہ نہ مانے اُنہوں نے خوارج کا مقابلہ کیا اور فروہ کو زندہ گرفتار کر کے کوفہ میں لے آئے۔ اب خوارج نے عبداللہ بن ابی الحوسار کو جو بنی طے کے قبیلہ کا تھا اپنا سردار بنا لیا۔ اہل کوفہ نے پھر مقابلہ کیا۔ ابن ابی الحوساء بہادرانہ طریقہ پر مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول کا ہے۔

ابن ابی الحوسار کے قتل کے بعد خوارج پھر جمع ہوئے۔ انہوں نے موثرہ بن وداع اسدی کو اپنا سردار منتخب کیا۔ موثرہ ایک سو پچاس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر مقام نخیلہ پہنچا۔ ابن ابی الحوسار کے بچے کھچے ساتھی جو کچھ زیادہ نہ تھے، اس سے آملے۔

امیر معاویہ نے موثرہ کے باپ ابو موثرہ کو جو کوفہ میں رہتا تھا بلایا اور اس سے کہا کہ "اپنے بیٹے کو سمجھاؤ" ابو موثرہ بیٹے کے پاس گئے اور اُسے سمجھایا، مگر وہ نہ مانا ابو موثرہ نے کہا میں تیرے بچے کو تیرے سامنے لاتا ہوں شاید اس کی صورت دیکھ کر تجھے رحم آئے اور اپنے ارادے سے باز آئے موثرہ نے جواب دیا، مجھے کسی کافر (غیر خارجی) کے نیزہ کی انی پر کروٹیں بدلنا اپنے بچہ کو گود میں کھلانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ابو موثرہ لوٹ آئے اور امیر معاویہ سے اپنے بیٹے کی گفتگو نقل کی۔ امیر معاویہ بولے، تمہارے بیٹے نے تو بڑی سرکشی پر کمر باندھی ہے۔ اب امیر معاویہ نے عبداللہ بن عوف احمر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ موثرہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ خود ابو موثرہ بھی اس فوج میں شامل تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تو بیٹے کو مبارزت کے لیے بلایا۔ موثرہ نے کہا میرے علاوہ آپ کے مقابلہ کے لیے اور بہت ہیں۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ خوارج بڑی بہادری کے ساتھ لڑے موثرہ اور اس کی فوج کے اکثر آدمی مارے گئے۔ صرف پچاس آدمی زندہ بچے جنہوں نے اطاعت قبول کرلی۔ یہ واقعہ جمادی الاخری ۴۱ھ کا ہے۔

امیر معاویہ کوفہ میں ہی تھے کہ شبیب بن بجرہ اس کے پاس آیا اور کہا

"میں نے اور ابن ملجم نے مل کر حضرت علیؓ کو قتل کیا ہے"۔ اور ان سے انعام و اکرام کا خواستگار ہوا۔ امیر معاویہ فوراً گھر میں چلے گئے اور قبیلہ اشجع سے کہلا بھیجا کہ تم شبیب کو شہر سے نکال دو، ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔

شبیب نے یہ شورہ پشتی اختیار کی کہ رات ہوتے ہی نکل کھڑا ہوتا اور جو سامنے آتا اُسے قتل کر دیتا۔ آخر جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے، اُنہوں نے خالد بن عرفطہ کی ماتحتی میں سواروں کا ایک دستہ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا شبیب اور اس کے ساتھی مارے گئے۔

غرض خوارج کی جماعتیں اسی طرح یکے بعد دیگرے ہنگامہ آرائی کرتی رہیں اور بلادِ عراق میں اُنہوں نے دہشت پھیلا دی۔ حضرت معاویہ نے سوچا کہ عراق میں امن و امان اور نظم و نسق قائم کرنے کے لیے با اثر اور صاحبِ تدبر حکام کی ضرورت ہے اس مقصد کے لیے اُن کی نگاہِ انتخاب زیاد بن سمیہ اور مغیرہ بن شعبہ پر پڑی۔ یہ دونوں حسنِ تدبیر اور کمالِ سیاست میں مشہور تھے۔

زیاد بن ابیہ زیاد بن ابیہ شیعیانِ علیؓ میں سے تھا اور ان کی طرف سے فارس کا والی تھا۔ امیر معاویہ کو فارس میں اس کے استحکام اور اس کی قوت و اثر کا حال معلوم تھا۔ مغیرہ بن شعبہ جو اس وقت کوفہ کے والی تھے، جب ان سے ملنے گئے تو امیر معاویہ نے ان سے زیاد کی طرف سے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے زیاد کو ہموار کرنے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ مغیرہ زیاد کے پاس گئے اور اُسے سمجھایا کہ امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد خلافت تو معاویہ کے ہاتھ آ ہی گئی ہے، بہتر یہ ہے کہ تم اُن سے مصالحت کر لو۔ اس وقت

وہ اس کے خواہشمند بھی ہیں اس لیے تمہاری من مانی شرائط پر یہ معاملہ طے ہو جائیگا زیاد نے مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ امیر معاویہ نے مغیرہ کی واپسی کے بعد زیاد کو امن نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ زیاد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اس سے فارس کی آمد و خرچ کا حساب طلب کیا زیاد نے جو کچھ حساب کتاب پیش کیا امیر معاویہ نے اس کی تصدیق کر دی۔

زیاد نے امیر معاویہ سے کوفہ میں رہنے کی اجازت مانگی۔ امیر معاویہ نے اجازت دیدی، مگر مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ زیاد اور دوسرے شیعیان علیؓ حجر بن عدی، سلیمان بن مرد، شیث بن ربعی، ابن الکوا وغیرہ کی نگرانی رکھیں۔ یہ واقعہ سنہ ۴۲ھ کا ہے۔

سنہ ۴۴ھ میں امیر معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زیاد کی ماں سمیّہ، حرث بن کلدہ طبیب ثقفی کی باندی تھی، حرث کے صلب سے سمیّہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے ابوبکرہ اور نفیع۔ پھر ابوسفیان نے سمیّہ سے زمانہ جاہلیت کے طرز پر (جو اصل میں زنا کی ایک صورت تھی) نکاح کر لیا۔ اور ان کے صلب سے زیاد پیدا ہوا۔ مگر زیاد کا ابوسفیان سے یہ تعلق مشہور نہ تھا اور وہ ابن ابیہ (اپنے باپ کا بیٹا) ہی کہلاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں کوئی خدمت زیاد کے سپرد کی۔ زیاد نے اُسے بحسن و خوبی انجام دیا۔ جب واپس آیا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک فصیح و بلیغ تقریر کی۔ حضرت عمرؓ اور مہاجرین و انصار جو اس موقع پر موجود تھے اس کی خوش بیانی سے محظوظ ہوئے عمرو بن عاص نے کہا اگر اس غلام کا باپ قریش میں سے ہوتا تو یہ اپنی لاٹھی سے سارے

عرب کو ہنکا دیتا، ابوسفیان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اس کا باپ کون ہے؟ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے خود اپنی زندگی بھر کھل کر زیاد کو اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا۔

حضرت معاویہ نے زیاد کو خوش کرنے کے لیے بعض شہادتوں کی بنا پر جو ان کے سامنے گزریں زیادہ کو اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا تاہم امیر معاویہ کے اس فعل کو عامہ مسلمین کی تائید حاصل نہ ہوئی۔ دراصل حق استلحاق ابوسفیان کو تھا اور وہ بھی زمانہ جاہلیت میں۔ امیر معاویہ اس حق کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ زیاد نے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور اس کے آغاز میں لکھا "زیاد بن ابی سفیان کی جانب سے" اسے توقع تھی کہ حضرت عائشہ اسے اسی نام سے خطاب کریں گی اور اس کے لیے ثبوت ہو جائیگا۔ مگر حضرت عائشہ نے اس کا جواب بھیجا تو لکھا "سب مسلمانوں کی ماں عائشہ کی طرف سے زیاد بیٹے کے نام"[1]

۴۵ھ میں حضرت معاویہ نے زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ یہاں کی حالت سابق والی عبداللہ بن عامر کے زمانہ میں اور بھی بدتر ہو گئی تھی۔ وہ بہت نرم خو تھے اور کسی پر سختی کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اہل بصرہ فطرۃً شورش پسند تھے۔ بغیر سختی کے باز نہ آتے تھے۔

زیاد آخر ربیع الاول میں یہاں آیا تو فتنہ و فساد کی گرم بازاری دیکھی اس لیے آتے ہی جامع کوفہ میں ایک پر زور تقریر کی جو خطبہ "تبرا" کے نام سے

---

[1] تاریخ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۷

مشہور ہے، کیونکہ اس میں حمد و ثنا نہ تھی۔ اس تقریر کے بعض اجزا یہ ہیں
"سخت جہالت، اور تاریک گمراہی نے ہر چھوٹے بڑے کو گھیر رکھا ہے
گویا تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں دیکھی اور اس میں اہل طاعت
کے لیے ثواب عظیم، اور اہل معصیت کے لیے عذاب الیم کا ذکر
نہیں پڑھا۔ تم نے اسلام میں نئے دستور جاری کیے ہیں۔
کمزوروں پر ظلم ڈھایا جاتا ہے اور تم ان کی مدد کیوں نہیں کرتے
دن دہاڑے ضعیف عورتوں کا مال لوٹا جاتا ہے اور تم ان کے
کام کیوں نہیں آتے۔ کیا تم میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو رہزنی
اور غارت گری سے روکیں۔ تم قرابت کا خیال کرتے ہو، اور دین
کی پروا نہیں کرتے۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حالات درست نہ ہوئے
تو غلام کی بجائے آقا کو، مسافر کی جگہ مقیم کو، نافرمان کی جگہ
فرمانبردار کو اور بیمار کی جگہ تندرست کو پکڑونگا اور اُسے سزا
دونگا۔ جس شخص کے گھر میں نقب لگیگا، میں خود اس کا مال ادا
کرونگا، اور جو شخص رات کو باہر پھرتا پایا جائیگا موت کے گھاٹ
اُتار دیا جائیگا۔ صرف اتنی مدت کی مہلت دی جاتی ہے کہ جانے
والا کوفہ جائے اور لوٹ آئے، اس مدت کے بعد کوئی عذر نہ سنا
جائیگا۔

میں کسی کی زبان سے جاہلیت کی صدائے بے ہنگام نہ سنوں،

ورنہ اس کی زبان تراش دونگا۔ تم لوگوں نے نئے نئے جرائم ایجاد کیے ہیں، ہم نے بھی ان کی نئی نئی سزائیں تجویز کرلی ہیں۔

سنو! جس نے کسی کو غرق کیا اُسے غرق کر دیا جائیگا۔ جس نے کسی کو آگ میں جلایا اُسے بھی آگ میں جلا دیا جائیگا۔ جس نے کسی کے گھر میں نقب کیا، اس کے دل میں شگاف دیا جائیگا۔ جس نے کسی کی قبر کو کھودا، اُسے زندہ قبر میں دفن کر دیا جائیگا۔ تم اپنے ہاتھ اور زبان مجھ سے بچاؤ میں اپنے ہاتھ اور زبان تم سے الگ رکھونگا۔

میرے اور بعض قوموں کے درمیان کچھ عداوت تھی لیکن آج میں اُسے اپنے پیروں تلے روندتا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص میری دلی عداوت کی وجہ سے سِل کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے تب بھی میں اس کی پردہ دری نہ کرونگا، لیکن اگر وہ کھلم کھلا دشمنی کا اظہار کریگا تو پھر میں اُسے نہ چھوڑونگا۔ تم اپنے طریقۂ عمل کو درست کرو اور نیک روی اختیار کر کے خود اپنی مدد کرو۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو میرے آنے سے غمگین ہیں، لیکن آخر کار وہ خوش ہو جائینگے اور کچھ لوگ ہیں جو خوش ہو رہے ہیں لیکن آخر کار وہ رنجیدہ ہونگے۔

اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور تمہارے نگہبان ہیں، تمہیں ہماری اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے اور ہمیں تمہارے ساتھ عدل و انصاف لازم ہے۔ لہذا ہماری خیر خواہی اختیار کر کے ہمارے انصاف کے مستحق بن جاؤ۔ خدا کی قسم میں تم میں سے بہتوں کو اپنے ہاتھ سے پچھاڑ

دیکھ رہا ہوں۔ لہذا ہر شخص کو ڈرنا چاہیے کہ وہ میرے ہاتھ سے نہ پچھڑے [1]

زیاد نے عبداللہ بن حصن کو توال شہر مقرر کیا، عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی جاتی پھر زیاد کسی قاری کو حکم دیتا کہ وہ قرات کے ساتھ سورۂ بقر یا اس کی مثل کوئی طویل سورۃ پڑھے۔ اس کے بعد اتنا انتظام کیا جاتا کہ آدمی کوفہ کے انتہائی حصہ تک جاسکے۔ پھر زیاد عبداللہ بن حصن کو گشت کا حکم دیتا۔ عبداللہ بن حصن گشت کے دوران میں جس آدمی کو گھر سے باہر دیکھتا اُسے قتل کر دیتا۔ ایک دن کوتوال نے ایک دیہاتی کو پکڑا اور اسے زیاد کے سامنے حاضر کیا۔ زیاد نے اس سے پوچھا کیا تو نے منادی نہیں سُنی تھی؟ دیہاتی نے کہا نہیں، خدا کی قسم میں تو اپنی بکریاں لے کر شہر میں آیا تھا، راستہ میں رات ہوگئی ہیں بکریوں کو لے کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا کہ رات گزار دوں مجھے امیر کے حکم کی کچھ خبر نہیں۔ زیاد نے کہا تو مجھے سچا معلوم ہوتا ہے لیکن تیرے قتل میں اُمت کی اصلاح ہے۔ پھر اس بے گناہ کو قتل کرا دیا۔ زیاد کے اس ظالمانہ طرزِ عمل سے کوفہ میں خوف و ہراس طاری ہوگیا، مفسدہ جماعت نے فتنہ و فساد سے توبہ کرلی اور شہر میں امن و امان کا دور دورہ ہوگیا اب شہر کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز گر پڑتی تو دوسرا اُسے ہاتھ نہ لگاتا تھا، جس کی چیز ہوتی وہی اُسے اُٹھا کر لے جاتا دکاندار اپنی دکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیتے اور ان کا ذرہ برابر نقصان نہ ہوتا۔

---

[1] المختارات بحوالہ البیان والتبیین ص۲۷۸ تا ص۲۸۱ و تاریخ ابن اثیر ج ۳ ص۱۷۵

زیاد نے اس سختی کے ساتھ جہاں موقع دیکھا نرمی کے بھی کام لیا بجینہ بن کبیش کو ایک خارجی سردار کی گرفتاری کا حکم دیا جو بنی سعد کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بجینہ نے اُسے جا پکڑا خارجی نے بجینہ سے وضو کر لینے کی اجازت چاہی بجینہ نے کہا اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم وضو کر کے واپس آجاؤ گے۔ خارجی نے کہا میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بناتا ہوں۔ خارجی حسب وعدہ وضو کر کے حاضر ہو گیا اور زیاد کی مجلس میں پیش کیا گیا۔ زیاد نے حمد و نعت کے بعد خلفاء ثلاثہ کی تعریف کی، پھر خارجی سے کہا۔ تم ہم سے بے تعلق رہے، ہمیں تمہارا یہ طریقہ پسند نہ آیا۔ خارجی نے حمد و نعت اور شیخین کی تعریف کے بعد کہا۔ تمہیں اپنے قول و قرار پر پابند رہنا چاہیے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جو شخص ہم سے تعرض نہ کریگا ہم اس سے باز پرس نہ کرینگے۔ زیاد نے اپنی غلطی تسلیم کی، اور خارجی کو خلعت اور بہت کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔

اسی طرح زیاد کو ایک با اثر خارجی ابو الخیر کی طرف سے اندیشہ ہوا۔ زیاد نے اُسے بلا کر جُند نیسابور کا عامل مقرر کر دیا۔ چار ہزار درہم ماہوار اس کا وظیفہ اور ایک لاکھ درہم سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ وہ خارجی کہا کرتا تھا کہ جماعت میں شامل رہنا ہی بہتر طریقہ ہے۔

ابو العباس مبرد کا قول ہے: "زیاد اس خارجی کو قتل کرتا تھا جو میدان میں آکر مخالفت کرتا۔ جو در پردہ مخالف ہوتا اس سے تعرض نہ کرتا اور اس وقت تک تلوار کو بے نیام نہ کرتا جب تک جرم ثابت نہ ہو جاتا۔

ولایت کوفہ ۵۰ھ میں مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کا انتقال ہوا تو کوفہ کی

ولایت بھی زیاد کے سپرد کر دی گئی۔ زیاد چھ مہینے بصرہ میں رہتا اور چھ مہینے کوفہ میں۔

زیاد پہلی مرتبہ بحیثیت والی کے کوفہ پہنچا تو اس نے یہاں بھی جامع کوفہ میں ایک خطبہ دیا۔ کوفہ کے شورش پسندوں نے اپنی عادت کے مطابق اس پر کنکریاں پھینکیں۔ زیاد نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیے اور خود مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گیا اور حکم دیا کہ چار چار آدمی باہر نکلیں۔ جو شخص قسم کھا کر کنکریاں پھینکنے کا انکار کرتا اُسے چھوڑ دیا جاتا اور جو اس میں تامل کرتا اسے روک لیا جاتا۔ اس طرح تیس آدمی روک لیے گئے اور اُن کے ہاتھ اسی وقت کاٹ دیے گئے۔ اس واقعہ کے بعد زیاد نے مسجد میں اپنے لیے ایک مقصورہ بنوالیا۔

قتل حُجر بن عدی

حُجر بن عدی کوفہ کے با اثر حامیانِ علیؓ میں سے تھے۔ جب امام حسنؓ نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو سب سے پہلے یہی حضرت امام کے پاس پہنچے اور اُن کے اس طریق عمل سے سخت اختلاف کا اظہار کیا۔ اُنہوں نے کہا "اے ابن رسول اللہؐ! میں آج کے دن سے پہلے مر جاتا تو بہتر تھا۔ آپ نے ہمیں انصاف کے ہاتھوں سے نکال کر ظلم کے پنجہ میں دے دیا ہے۔ ہمیں حق کو چھوڑنا پڑا ہے اور باطل کو قبول کرنے پر جس سے ہم بھاگتے تھے، مجبور ہو گئے ہیں"۔ حضرت امامؓ نے جواب دیا "اے حُجر! میں نے اپنے اکثر ساتھیوں کو صلح کا خواہشمند اور لڑائی سے متنفر پایا۔ میں نے پسند نہ کیا کہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کروں۔ میرے حامیوں کا فائدہ اسی

۱۰۱۲۸

میں تھا کہ صلح کر کے ان کا خون نہ بکھرنے دوں"

یہاں سے مایوس ہو کر حجر حضرت امام حسینؓ کے پاس گئے اور انہیں حضرت معاویہ کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت امام حسینؓ نے بھی یہ فرمادیا "ہم بیعت کرنے کے بعد اسے نہیں توڑ سکتے۔ حجر مایوس ہو کر لوٹ آئے۔

مغیرہ بن شعبہ والیِ کوفہ ایک نیک سیرت بزرگ تھے تاہم حضرت معاویہ کے احکام کے مطابق وہ بھی حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں سے یہ برداشت نہ ہوتا اور وہ بھی مجمع عام میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت عثمان کی مذمت کرتے۔ مغیرہ بن شعبہ ان سے تعرض نہ کرتے بلکہ انعام و اکرام سے ان کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے۔

ایک دن مغیرہ بن شعبہ اپنے آخری زمانہ میں خطبہ دے رہے تھے کہ حجر دوران خطبہ میں کھڑے ہوئے اور بآواز بلند کہا "اے شخص! تو نے ہمارے وظیفے بند کر دیے ہیں، تجھے اس کا حق نہ تھا تو ہمارے وظیفے جاری کر اور امیرالمومنین کی بدگوئی کے شوق سے باز آ۔ اس پر دو تہائی نمازی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے حجر نے ٹھیک کہا۔ ہمارے وظیفے جاری کر۔ مغیرہ بن شعبہ منبر سے اتر آئے۔

مغیرہ بن شعبہ کا یہ طرز عمل ان کے ساتھیوں کو پسند نہ آیا۔ انہوں نے ان سے کہا آپ نے حجر بن عدی کو بڑا جری کر دیا ہے، اس طرح حکومت کا دبدبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ امیرالمومنین تک خبر پہنچیگی تو وہ بھی اسے ناپسند کرینگے۔ مغیرہ بن

بن شعبہ نے جواب دیا: "تم سمجھتے نہیں، میں نے تو حجر کو قتل کردیا ہے۔ میری نرمی سے وہ حکومت کی مخالفت کے عادی ہوگئے ہیں۔ میرے بعد جو والی آئیگا اس کے زمانہ میں بھی وہ یہی طرزِ عمل اختیار کرینگے وہ انہیں قتل کیے بغیر نہ چھوڑیگا یہ میری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ میں اپنے ہاتھ اس شہر کے بزرگوں کے خون سے رنگین کرکے انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی بنانا نہیں چاہتا۔"

مغیرہ بن شعبہ کا یہ خیال درست تھا، ان کے بعد زیاد کوفہ کا والی مقرر ہوا۔ وہ صرف چھ مہینے کوفہ میں رہتا تھا اور اس کی غیر حاضری کے زمانہ میں عمرو بن حریث اس کی قائم مقامی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایک جمعہ کو عمرو بن حریث خطبہ پڑھنے کھڑا ہوا تو حجر بن عدی نے اپنی عادت کے مطابق اس پر بھی کنکریاں پھینکیں۔ عمرو بن حریث منبر سے اُتر آیا اور قصر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا اور واقعہ کی اطلاع بصرہ میں زیاد کو پہنچائی۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ حُجر کے مکان پر شیعیان علیؓ جمع ہوتے ہیں، اور حضرت معاویہؓ پر لعن وطعن کیا جاتا ہے۔

زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اس نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور اہلِ کوفہ کو حکومت کی مخالفت کے انجام سے ڈرایا، پھر اس نے حُجر بن عدی کو طلب کیا۔ حُجر نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ زیاد نے پولیس کے ذریعہ انہیں طلب کیا۔ حجر کے ساتھیوں نے پولیس والوں کو گالیاں دیں۔ زیاد نے اہلِ کوفہ کو جمع کرکے پھر ایک تقریر کی اور کہا:-

"تم لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے، ایک ہاتھ سے سر پھوڑتے

ہو اور دوسرے ہاتھ سے اس کی مرہم پٹی کرتے ہو، تمہارے جسم میرے ساتھ ہیں اور دل حجر کے ساتھ، یا تو تم سیدھے ہو جاؤ ورنہ تمہارے کس بل نکال دونگا۔"

اہل کوفہ اس تقریر سے مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے: "معاذاللہ! ہم آپ کی اطاعت سے کس طرح گردن موڑ سکتے ہیں"

زیاد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کو جو حجر کے ساتھ ہیں اس کا ساتھ دینے سے روکے۔ اس طرح حجر بن عدی کے اکثر ساتھی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اب زیاد نے حجر بن عدی اور اُن کے گنے چنے ساتھیوں کو جو تعداد میں تیرہ تھے گرفتار کرا کر قید کر دیا۔

پھر زیاد نے حجر کے خلاف کوفہ کے معززین کی شہادتیں جمع کیں۔ ان لوگوں نے شہادت دی کہ حجر اور اُن کے ساتھی خلیفہ کو گالیاں دیتے ہیں، حکومت کے مخالف ہیں اور اس مقصد کے لیے اپنے پاس ایک گروہ بھی جمع رکھتے ہیں پھر ان شہادتوں کو حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ دربار خلافت میں دمشق بھیج دیا گیا۔ زیاد نے حضرت معاویہ کو یہ بھی لکھا کہ یہ لوگ عراق میں فتنہ کی جڑ ہیں۔ اگر انہیں قتل کر دیا گیا تو فتنہ کا قلع قمع ہو جائیگا۔

امیر معاویہ نے حجر اور اُن کے سات ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور چھ کو جنہوں نے اپنے طرز عمل کو بدلنے کا وعدہ کیا چھوڑ دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب حجر بن عدی کی گرفتاری اور دمشق کی طرف ان کی روانگی کی اطلاع ملی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کے ذریعہ اُن

کے لیے سفارش نامہ بھیجا۔ مگر عبدالرحمٰن اس وقت دمشق پہنچے کہ حجر قتل ہو چکے تھے۔

حجر بن عدی کا قتل ایک افسوسناک واقعہ تھا حضرت معاویہ کرنے کو تو کر گزرے مگر بعد میں ان کو بھی پشیمانی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کے سفیر عبدالرحمٰن نے ان سے پوچھا۔ اے معاویہ حجر کو قتل کرتے وقت تمہاری خاندانی بُردباری کہاں چلی گئی تھی؟ حضرت معاویہ نے جواب دیا، جب تم جیسے بُردبار لوگ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں تو ابن سمیہ کی ہر بات مجھے ماننی ہی پڑیگی"۔ حضرت معاویہ جب حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ان سے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا" مجھے کوئی سمجھ دار مشیر میسر نہ آیا"۔[1]

مرگ زیاد ۵۳ھ میں زیاد کی موت واقع ہوئی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ زیاد نے حضرت معاویہ کو لکھا "میں نے عراق کو اپنے بائیں ہاتھ سے قابو میں کر لیا ہے۔ میرا دایاں ہاتھ خالی ہے، اسے حجاز دے کر مشغول کر دیجیے"۔ حضرت معاویہ نے اس کے نام حکومت حجاز کا بھی پروانہ لکھ دیا۔ اہل حجاز کو یہ خبر معلوم ہوئی تو بہت پریشان ہوئے، ان کا ایک وفد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی "اے اللہ ہمیں زیاد کے شر سے محفوظ رکھ" یہ دعا قبول ہوئی۔ زیاد کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں طاعون کی گلٹی نکلی اور وہ مرگیا جب اس کی موت کی خبر

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۷ تا ۱۹۴ و اخبار الطوال ص ۲۲۳ تا ص ۲۲۶۔

حضرت عبداللہ بن عمر کو پہنچی تو آپ نے فرمایا "جلئے ابن سمیہ نہ تو نے آخرت ہی پائی اور نہ دنیا ہی تیرے لیے باقی رہی"۔ [1]

مغیرہ بن شعبہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی سیاست نرم تھی، وہ صلح واشتی کو پسند کرتے تھے۔ مخالفین کے پیچھے نہیں پڑتے تھے۔ لوگ ان سے آکر کہتے تھے، فلاں شخص خارجی عقیدہ رکھتا ہے۔ فلاں شخص شیعی خیال کا ہے۔ آپ یہ فرما کر ٹال دیتے تھے "خدا کی حکمت ہی اس کی مقتضی ہے کہ اس کے بندوں کے خیالات میں اختلاف ہے، قیامت کے دن وہ ان کے اختلافات کا خود فیصلہ فرمائیگا"۔ لیکن خوارج کب چین سے بیٹھنے والے تھے، وہ امن و اطاعت کو گناہ سمجھتے تھے اور فساد و بغاوت کو ثواب۔ انہوں نے مستورد بن علقمہ کو اپنا سردار بنا کر مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں کوفہ میں حیان بن ظبیان کے مکان پر خفیہ مشورہ ہوا اور قرار پایا کہ خاص عید الفطر (۴۳ھ) کے دن میدان میں نکلا جائے۔

مغیرہ بن شعبہ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی۔ پولیس نے حیان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مستورد اور اس کے کچھ ساتھی نکل بھاگے اور باقی گرفتار ہو گئے مستورد نے کوفہ سے نکل کر پھر اپنے ساتھیوں کو مجتمع کیا" اور مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مغیرہ بن شعبہ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور خارجیوں کے فتنہ کی سرکوبی کے لیے ان سے مدد چاہی۔ معقل بن قیس ریاحی نے کہا۔ اے امیر ہر قبیلہ کا سردار اپنے اپنے قبیلے کی ذمہ داری لے۔

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۵۔

میں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ مغیرہ بن شعبہ نے اس رائے کو پسند کیا اور ہر قبیلہ کے سردار کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلہ کو اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے بچائے۔ تمام سرداران قبائل نے اس حکم کی اطاعت کی، اور اللہ کا واسطہ دے کر اپنے اپنے قبیلہ کو اس شورش سے باز رکھا۔

مستورد اس وقت قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص سلیم بن محدوج کے مکان میں پناہ گزین تھا صعصعہ بن صوحان عبدی جو اس قبیلہ کا سردار تھا اپنے قبیلہ میں آیا۔ ایک پر زور تقریر میں انہیں اس فتنہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ تمام قوم نے صعصعہ کی رائے کو قبول کیا۔ اور خارجیوں سے الگ تھلگ رہنے کا اقرار کیا۔ مستورد کو جب صعصعہ کی کوششوں کا علم ہوا تو وہاں سے چلا گیا۔

مستورد نے پھر اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور تین سو کی جمعیت کو ساتھ لے کر سوراسے صراۃ کی طرف مقابلہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔

مغیرہ بن شعبہ کو جب ان کے خروج کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے سرداران کوفہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ عدی بن حاتم نے کہا اے امیر ہم سب ان سے بیزار ہیں اور آپ کے فرمانبردار آپ جسے حکم دینگے ان کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیگا۔ معقل بن قیس نے کہا یوں تو سب اشراف کوفہ ہی آپ کے مطیع اور ان ظالموں کے دشمن ہیں لیکن میں سب سے پیش پیش ہوں، ان کے مقابلہ کے لیے مجھے بھیجیے

مغیرہ بن شعبہ نے تین ہزار شیعہ جماعت کے منتخب افراد معقل بن قیس کی کمان میں مستورد کے مقابلہ کے لیے بھیجے۔ ابو رداغ لشکری تین سو ساتھیوں

کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے گیا۔ ان دونوں جماعتوں میں مختلف مقامات پر متعدد معرکے ہوئے جن میں خارجی ہی غالب رہے۔ آخری معرکہ مقام دیلمیا پر نہایت سخت تھا۔ فریقین انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑے مستورد اور معقل دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئے مستورد کا نیزہ معقل کے سینہ کے پار ہو گیا اور معقل کی تلوار نے مستورد کے سر کے پرخچے اُڑا دیے۔ اس لڑائی میں پانچ آدمیوں کے سوا خارجیوں میں سے کوئی زندہ نہ بچا۔ اس طرح خوارج کی شورش کچھ عرصہ کے لیے دب گئی۔

مغیرہ بن شعبہ سات سال اور کچھ مہینے کوفہ کے والی رہے ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا، اور کوفہ بھی بصرہ کے ساتھ زیاد کی ولایت میں شامل کر دیا گیا۔

مغیرہ بن شعبہ، نرم خو، صلح جو اور باتدبیر والی تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں اہل کوفہ کا خون بہا کر انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی نہیں بنانا چاہتا۔ میں نکوکار کو جزائے نیک دونگا، غلط کار سے درگزر کرونگا۔ سنجیدہ سخن کی تعریف کرونگا اور بیوقوف کو سمجھاؤنگا۔ حتیٰ کہ قضا کا ہاتھ میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے۔ اہل کوفہ کو میرے بعد دوسرے سے سابقہ پڑیگا۔ تب مجھے یاد کیا کرینگے۔ کوفہ کے ایک شیخ نے ان کے انتقال کے بعد کہا: خدا کی قسم ہم نے انہیں آزمایا تو انہیں بہترین والی پایا۔ نیک کردار کے ثناخواں اور گنہگار کو معاف کرنے والے تھے اور عذر خواہ کے عذر کو قبول کر لیتے تھے۔ امام شعبی نے فرمایا ہے: مغیرہ بن شعبہ کے بعد ان جیسا کوئی والی نہ آیا۔ وہ سلف

صالح کا لقب دیتے تھے۔" البتہ حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لیے دعائے رحمت ان کا بھی معمول تھا۔ مگر اس زمانہ میں حامیانِ بنی اُمیہ اور شیعیانِ علی دونوں اس مرض میں مبتلا تھے، دونوں اپنے فریقِ مخالف کے اکابر کی عیب جوئی کو بُرا نہ سمجھتے۔

عُبید اللہ بن زیاد زیاد کی موت کے بعد حضرت معاویہؓ نے عبید اللہ بن زیاد کی درخواست پر اُسے خراسان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ۵۵ھ میں عبید اللہ بن عمر بن غیلان کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کی ولایت بھی دیدی گئی۔ زیاد کی موت کے بعد خوارج میں پھر حرکت پیدا ہوئی تھی۔ عبید اللہ بن زیاد نے اپنے باپ سے بھی زیادہ سخت طرزِ عمل اختیار کیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ وہ گھڑ دوڑ میں شریک تھا اور گھوڑے کا انتظار کر رہا تھا کہ عُروہ بن ادیہ نے اُسے نصیحت کرنا شروع کی، اور قرآن کی یہ آیت بھی تلاوت کی:

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ	کیا تم ہر اونچی جگہ پر بے ضرورت یادگار
وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ	بناتے اور محل تعمیر کرتے ہو، گویا تم دنیا
تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ	میں ہمیشہ رہو گے اور جب ہاتھ ڈالتے ہو
بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝	تو اس کو بڑی سختی سے پکڑتے ہو۔

عروہ خارجی عقیدہ کا تھا، عبید اللہ بن زیاد نے خیال کیا کہ اس کے پسِ پشت بڑی طاقت معلوم ہوتی ہے، تب ہی تو اس نے مجھ سے اس قدر جرأت

کے ساتھ کلام کیا ہے۔ عبیداللہ گھڑ دوڑ کے میدان سے فوراً واپس ہوگیا، اور عروہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عروہ گرفتار ہو کر آیا تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گیے۔ ابن زیاد نے پوچھا، اب تمہارا کیا خیال ہے؟ عروہ نے جواب دیا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے میری دنیا اور اپنی عاقبت خراب کرلی ہے۔ ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دیا اور اس کی بیٹی کو بھی قتل کرادیا۔

اسی طرح بنی یربوع کے قبیلہ کی ایک عورت ابن زیاد کی بُرائی کیا کرتی تھی۔ ابن زیاد نے اُسے طلب کیا۔ لوگوں نے اُسے روپوش ہوجانے کا مشورہ دیا۔ اُس عورت نے کہا میں اپنی جان بچا کر دوسروں کو مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتی۔ ابن زیاد کے سامنے حاضر ہوئی تو اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرادیا۔

پھر ابن زیاد نے خوارج کی عام گرفتاری کا حکم دیا، یہاں تک کہ قید خانہ بھر گیا۔ عروہ بن ادیہ کا بھائی ابوبلال مرداس بھی گرفتار ہوا۔ مرداس بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ داروغہ قید خانہ نے اُسے اجازت دیدی تھی کہ رات کو اپنے گھر چلا جایا کرے اور صبح کو آجایا کرے۔ ابن زیاد کی مجلس میں ایک رات خوارج کے قتل کا مشورہ ہوا، وہاں مرداس کا ایک دوست بھی موجود تھا۔ مرداس کے دوست نے اُسے خبر دیدی کہ تمہارے قتل کے احکام جاری ہوچکے ہیں۔ مگر مرداس حسب معمول قید خانہ چلا گیا۔ داروغہ نے مرداس سے پوچھا۔ کیا تمہیں امیر کے ارادہ کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ مرداس نے کہا خبر تو ہوگئی تھی، مگر میں نے اپنے محسن کو مصیبت میں پھنسانا پسند نہ کیا۔ داروغہ

اس جواب سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ابن زیاد سے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرادی۔ مرداس اہواز کی طرف چلا گیا۔

اہواز میں مرداس نے یہ طریقہ اختیار کیا جب حاصلِ حکومت کا روپیہ بیت المال روانہ ہوتا تو اس میں سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے وظائف کی رقم چھین لیتا، باقی چھوڑ دیتا، ابن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لیے دو ہزار کا لشکر دے کر اسلم بن زرعہ کو بھیجا، مرداس نے اپنے چالیس آدمیوں سے دو ہزار کے لشکر کو شکست فاش دی[1]

الغرض ابن زیاد خوارج کی آتش فساد کو آب شمشیر سے بھی سرد نہ کر سکا۔

ولایت مصر مصر کے والی فاتح مصر، اور مصر کے حالات کے نبض شناس عمرو بن عاص تھے، ۴۳ھ میں ان کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرو والی مقرر ہوئے۔ پھر ان کو معزول کر دیا گیا اور دوسرے لوگ والی مقرر ہوئے اس کا ذکر آگے آئیگا۔

ولایت حجاز حجاز کی ولایت بنی اُمیہ کے لیے مخصوص تھی۔ مدینہ کا والی کبھی مروان بن حکم ہوتا، اور کبھی سعید بن عاص۔ امیر معاویہ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی نئے اموی کو والی بناتے تو پہلے اُسے طائف کی حکومت سپرد کرتے۔ اگر وہ کامیاب ثابت ہوتا تو وہ اُسے مکہ کی حکومت بھی دیتے۔ پھر اگر وہ ان دونوں مقامات کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتا تو مدینہ کی حکومت بھی اس کو عطا کر دیتے۔

---

[1] ابن اثیر ص ۳۰۳ ج ۳۔

مدینہ کے والی ہی امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں صرف دو مرتبہ حج کیا ہے سنہ ۴۴ھ میں پھر سنہ ۵۰ھ میں۔

فتوحات

امیر معاویہ کے عہد میں مشرقی سرحدوں پر بہت کم فتوحات ہوئیں۔ زیادہ تر بغاوتوں کو فرو کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ عبداللہ بن سوار عبدی نے جو سرحد سندھ پر متعین تھے، دو مرتبہ قیقان پر حملہ کیا۔ دوسری مرتبہ اہل قیقان نے ترکوں کی مدد سے ان کو قتل کردیا۔

سنہ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے سرحد سندھ پر حملہ کیا اور بنہ اور لاہور کو جو کابل اور ملتان کو درمیان واقع ہے، فتح کیا۔ یہاں ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا۔ ایک مرتبہ انہیں بارہ ترک سواروں نے گھیر لیا، مہلب نے ان سب کو قتل کردیا۔

اسی زمانہ میں مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر شمال و مغرب کی طرف رہی جہاں عظیم الشان رومی حکومت مسلمانوں کو دعوت مقابلہ دیتی رہتی تھی۔ رومی بادشاہوں میں سے امیر معاویہ کے معاصر دو بادشاہ ہوئے۔ قسطنطین ثانی بن ہرقل ثانی (از سنہ ۶۴۱ء تا سنہ ۶۶۸ء) اور قسطنطین رابع پوغاناقس (از سنہ ۶۶۸ء تا سنہ ۶۸۵ء) ان دونوں بادشاہوں کے عہد میں مصر و شام کی سرحدوں پر رومیوں اور مسلمانوں کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ امیر معاویہ نے سمندر اور خشکی میں ان کے مقابلہ کے بہترین انتظامات کیے۔

سمندری مقابلہ کے لیے اُنھوں نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کیا
سترہ سو جہاز سامانِ جنگ سے مسلح جانبازہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان جہازوں
کی تیاری کے لیے شام میں جہاز سازی کے کارخانے کھولے گئے اور لبنان
کے پہاڑوں سے لکڑی حاصل کی جاتی تھی۔

امیر معاویہ کے اس جنگی بیڑے نے بحرِ روم کے سینہ کو چیر کر بار بار رو
طاقت کے مقابلہ میں اسلامی سطوت کا سر بلند کیا۔ جزیرۂ قبرس، بعض جز
یونان اور جزیرہ روڈس مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئے۔ یہ جزیرے
سمندری چھاونیوں کا کام دیتے تھے۔ رومی جہازوں کو اسلامی علاقوں
طرف نہ بڑھنے دیتے تھے۔ امیر معاویہ نے بحری فوج کی تنخواہ بھی بیش قرار مقرر
تھی۔

خشکی میں مقابلہ کے لیے امیر معاویہ نے شواتی اور صوائف کے نام
دو مستقل فوجیں تیار کی تھیں۔ شواتی وہ فوجیں تھیں جو موسم سرما میں دشمن
مقابلہ کرنے کے لیے نکلتی تھیں اور صوائف وہ جو موسم گرما میں۔ اس طرح لڑائی
کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور دشمن کو اسلامی سرحدوں کے پاس پھٹکنے
ہمت نہ ہوتی تھی۔

قسطنطنیہ پر حملہ

۴۹ھ میں امیر معاویہ نے مشرقی رومی سلطنت کے
الحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے زبردست فو
بھیجی۔ سفیان بن عوف اس فوج کے سالار تھے۔ مقام فرقدونہ میں یہ فو
بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئی۔ امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی ساتھ جانے

حکم دیا تھا مگر وہ بیماری کا بہانہ کر کے بیٹھ رہا تھا جب اُسے مجاہدین کی مصیبت کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنی بزم عشرت میں یہ شعر پڑھے :-

ماان ابالی بما لاقت جموعھم	مجھے کیا پروا اگر فرقدونہ میں لڑنے والوں کے
بالفرقدونۃ من حمی و من موم	جتھوں کو بخار اور چیچک کی مصیبت سے پالا
اذا اتکات علی الانماط مرتفعا	پڑا ہے جب کہ میں دیر مران میں قالینوں پر
بدیر مران عندی ام کلثوم	تکیہ لگائے ہوئے ام کلثوم (بیوی) کے
	ساتھ داد عشرت دے رہا ہوں۔

امیر معاویہ کو بیٹے کی اس عشرت کوشی کی خبر پہنچی تو قسم کھا کر کہا کہ یزید کو بھی ارض روم میں جانا پڑیگا، اور لشکر اسلام جن مصیبتوں میں مبتلا ہے ان میں حصہ بٹانا پڑیگا۔

چنانچہ امیر معاویہ کے حکم سے ایک دوسرا لشکر پہلے لشکر کی امداد کے لیے روانہ کیا گیا۔ جس میں یزید کے علاوہ صحابہ کرام حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر بھی شامل تھے، یہ دونوں لشکر خشکی کے راستہ سے ساحل باسفورس پر پہنچے۔ ان کے علاوہ ایک بحری بیڑہ جس کی کمان بسر بن ارطاۃ کے ہاتھ میں تھی، رودبار دانیال کو عبور کرتا ہوا قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔

شہنشاہ روم نے قسطنطنیہ کی مدافعت کے لیے بڑے انتظامات کیے تھے۔ "آتش یونانی" کے ذریعہ مسلمانوں پر آگ برسائی جارہی تھی۔ مسلمان متعدد

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۔

معرکوں میں بڑی جانبازی کے ساتھ آگ اور خون کا کھیل کھیلے۔ عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کا تو یہ حال تھا کہ شوق شہادت میں بار بار آگے بڑھتے تھے اور دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ آخرکار رومیوں نے گھیر لیا اور نیزوں سے اُن کا بدن چھلنی کر کے شہید کر دیا، تاہم مسلمان قسطنطینہ کے بہتر محل وقوع، اس کی فصیل کی بلندی و مضبوطی اور دشمن کے اعلیٰ انتظامات مدافعت کی وجہ سے اُسے فتح نہ کر سکے اور ناکام واپس آ گئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو آدمیوں اور جہازوں کا بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

رسول اکرم صلعم کے مدینہ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ دوران محاصرہ میں وفات پا گئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دیوار قسطنطینہ کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ رومی اپنے عہد سلطنت میں آپ کی قبر پر حاضر ہو کر بارش کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب ترکان عثمانی نے قسطنطینہ کو فتح کیا تو آپ کی قبر پر ایک مقبرہ اور اس سے متعلق ایک شاندار مسجد بنوا دی۔ خلفاء کی تاج پوشی کی رسم اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔[1]

فتوحاتِ افریقیہ ۴۷ھ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص والی مصر اپنی دو سال کی ولایت کے بعد معزول ہوئے ان کی جگہ معاویہ بن خدیج کا تقرر ہوا۔ پھر ۵۰ھ میں معاویہ بن خدیج کے ہاتھ سے افریقہ کی حکومت نکال لی گئی اور عقبہ بن نافع فہری کے سپرد کی گئی۔

عقبہ نے عمرو بن عاص کے زمانہ میں افریقیہ میں کارہائے نمایاں کیے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۳ و محاضرات خضری ج ۲ ص ۱۰۶۔

ور برقہ اور زدیکہ میں مقیم تھے۔ افریقہ کے بربری بڑے بدعہد اور سرکش تھے، جب کوئی امیر اُن پر فوج کشی کرتا تو اظہار اطاعت کرتے بلکہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے اور جب وہ لوٹ جاتا تو عَلَم مخالفت بلند کرتے اور مرتد ہو جاتے۔ امیر معاویہ کے حکم سے عقبہ بن نافع فہری نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ افریقہ کے اندرونی علاقوں میں فوج کشی کی۔ باغیوں کو مطیع کیا۔ اور ملک میں امن و امان قائم کیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر انہوں نے سوچا کہ اس علاقہ میں ایک اسلامی شہر بسانا چاہیے جو اسلامی قوت کا مرکز ہو، اور خطرہ کے وقت مسلمانوں کے لیے جائے پناہ بن سکے، چنانچہ اُنہوں نے گھنے جنگل کو صاف کرا کے شہر قیروان کی بنیاد ڈالی، یہاں ایک شاندار جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ یہ شہر پانچ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا۔ قیروان کی آبادی سے مسلمانوں کو جمعیت خاطر نصیب ہوئی۔ انہوں نے اطمینان کے ساتھ بربریوں کا مقابلہ کیا اور بہادری کے ساتھ ان علاقوں میں بڑھتے چلے گئے۔ اس طرح اسلام کی طاقت مضبوط ہو گئی اور بربریوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

۵۵ھ میں مصر اور افریقہ کی ولایت پر مسلمہ بن مخلد انصاری کا تقرر عمل میں آیا۔ انہوں نے اپنے غلام ابوالمہاجر کو افریقہ کا والی مقرر کیا۔ ابوالمہاجر نے افریقہ پہنچ کر عقبہ بن نافع کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا۔ عقبہ شام چلے آئے اور امیر معاویہ سے ابوالمہاجر کی بدسلوکی کی شکایت کی۔ امیر معاویہ نے ان کو دوبارہ افریقہ کی ولایت پر بھیجنے کا وعدہ کیا، مگر اپنی زندگی میں یہ وعدہ پورا نہ کر سکے۔

یزید کی ولیعہدی

مغیرہ بن شعبہ ایک مرتبہ دمشق گئے تو انہوں نے یزید کی بیعت کی تجویز پیش کی۔ صورت یہ ہوئی کہ دوران ملاقات میں انہوں نے یزید سے کہا" اکابر صحابہ اور بزرگان اہل بیت دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں، اب ان کی اولاد رہ گئی ہے، تم نسبی بزرگی، حسن رائے، علم سنت اور مہارت سیاست میں کسی سے کم نہیں ہو، میں نہیں سمجھتا کہ امیر المومنین کو تمہیں ولیعہد قرار دینے میں کیا تامل ہوسکتا ہے؟ یزید نے کہا کیا یہ مہم آسانی سے سر ہوسکتی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا۔ بیشک"

یزید نے اس گفتگو کا ذکر امیر معاویہ سے کیا، انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو طلب کیا اور کہا۔ یزید کیا کہتا ہے؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا: "حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں جو اختلاف و خونریزی ہوئی، اس سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ لہذا یزید کی جو آپ کی جانشینی کی صلاحیت رکھتا ہے، بیعت لے کر اسے اپنا جانشین بنادیجیے، تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ مسلمانوں کے لیے پشت و پناہ ثابت ہو اور خلافت میں فساد و خونریزی کا امکان نہ رہے" امیر معاویہ نے کہا اس کام کی تکمیل کی ذمہ داری کون لیگا؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا، کوفہ کی ذمہ داری تو میں لیتا ہوں۔ بصرہ کا معاملہ زیاد کے سپرد کیجیے۔ ان دو شہروں کے ہموار ہوجانے کے بعد کہیں اور مخالفت کی آواز بلند نہیں ہوسکتی۔ امیر معاویہ نے کہا۔ اچھا تو تم اپنا کام شروع کرو، آئندہ جو مناسب ہوگا کیا جائیگا۔

مغیرہ بن شعبہ کوفہ آئے تو انہوں نے حامیان بنی امیہ میں یزید کی

ہدی کی تحریک شروع کر دی۔ان لوگوں نے اس تحریک سے اتفاق کا
ارکیا۔اور کوفہ کے معززین کا ایک وفد موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں
ق روانہ ہوا اس وفد نے امیر معاویہ کے سامنے اپنی طرف سے یزید کی
ہدی کی تجویز پیش کی، اور اس کی صفتیں بیان کیں۔امیر معاویہ نے کہا
ں تمہارے مشورہ پر غور کرونگا۔اس معاملہ میں جلد بازی مناسب نہیں جو
کی مرضی ہوگی ہو رہیگا۔اس وفد کے آنے سے امیر معاویہ کے ارادے
ی قوت پیدا ہوگئی۔انہوں نے زیاد کو لکھا کہ وہ بھی اس معاملہ میں اپنی رائے
ہر کرے۔

زیاد نے اپنے مشیر عبید بن کعب نمیری کو بلایا اور کہا کہ امیر المومنین کی
اہش ہے کہ وہ یزید کو اپنا ولیعہد بنائیں لیکن یہ اسلامی حکومت کا
املہ اور دین کی ذمہ داری کا کام ہے اور یزید بے فکر اور غیر ذمہ دار نوجوان
۔بجز سیر و شکار کے اُسے کسی اور کام سے دلچسپی نہیں لہذا میں چاہتا ہوں
م امیر المومنین سے مل کر اس کے یہ عیوب ان پر ظاہر کرو، اور میری طرف
ے ان سے کہہ دو کہ اس اہم کام میں ابھی جلدی نہ کریں۔

عبید بن کعب نے کہا، امیر المومنین کی رائے کی مخالفت، اور اُن سے
ن کے بیٹے کی بُرائی مناسب نہیں۔بہتر یہ ہے کہ میں دمشق جا کر خود یزید سے
ملوں اور اس سے کہوں کہ تمہارے والد بزرگوار نے زیاد سے تمہاری ولیعہدی
ے متعلق مشورہ طلب کیا ہے۔زیاد کی رائے یہ ہے کہ جب تک تم اپنے عادات
اطوار کو درست نہ کرو یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔موجودہ حالت میں مسلمان

تمہاری مخالفت کرینگے، لیکن اگر تم نے اپنی اصلاح کرلی تو پھر کسی کو اختلاف کی گنجائش نہ رہیگی، یوں امیر المومنین کی خیر خواہی اور امت کی سلامتی دونوں حاصل ہو جائینگی۔

زیاد نے عبید بن کعب کی رائے کو بہت پسند کیا، اور اسے اس کام کو انجام دینے کے لیے دمشق روانہ کردیا۔ عبید نے دمشق پہنچ کر یزید کو بہت کچھ نصیحتیں کیں، اور اس نے عبید کے کہنے سے بہت سی برائیاں چھوڑدیں۔ عبید نے زیاد کی طرف سے امیر معاویہ کو یہ پیغام بھی پہنچایا کہ ابھی وہ اس کام میں جلدی نہ کریں۔

زیاد کے انتقال کے بعد امیر معاویہ نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کا فیصلہ کرلیا۔ شام تو خود ان کا دار الحکومت تھا۔ بصرہ اور کوفہ کا معاملہ بھی کچھ مشکل نہ تھا۔ اصل مرحلہ حجاز کو ہموار کرنا تھا کہ اکابر ملت یہیں مقیم تھے، اور عہد خلافتِ راشدہ میں اہل حجاز ہی کی رائے سے خلافت کا انتخاب ہوتا رہا تھا۔

اکابرِ حجاز میں حضرت عبداللہ بن عمر علم و فضل اور دیانت و تقوی میں ممتاز تھے، علاوہ ازیں اس منصب کے اہل ہوتے ہوئے اُنہوں نے کبھی اس کی خواہش نہ کی تھی۔ اس لیے امیر معاویہ نے ان کے ذریعہ کام نکالنا چاہا۔ امیر معاویہ نے اس مقصد کے لیے ایک قاصد ان کے پاس بھیجا۔ قاصد نے ایک لاکھ درہم ان کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے عطیہ شاہی سمجھ کر قبول کرلیا۔ اس کے بعد جب قاصد حرف مقصد زبان پر لایا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میرا دین اس قدر سستا نہیں

کہ ایک لاکھ درم میں بک سکے" اور امیر معاویہ کی یہ رقم واپس کر دی۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے امیر مدینہ مروان بن حکم کو لکھا:

"اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد اُمت میں پھر جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوں گے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو اپنا جانشین بنا دوں لیکن یہ کام میں بغیر اہل مدینہ کے مشورہ کے نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرے اس خیال کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کرو اور جو کچھ وہ جواب دیں اس کی مجھے اطلاع دو"۔

مروان نے اکابر اہل مدینہ کو بلا کر اُنہیں امیر معاویہ کے ارادے کی اطلاع دی۔ چونکہ کسی خاص نام کی تعیین نہیں کی گئی اس لیے سب نے امیر معاویہ کے اس ارادے سے اتفاق ظاہر کیا اور کہا "ہمیں منظور ہے کہ امیر المومنین پوری سعی اور کوشش سے ہمارے لیے اپنا جانشین منتخب کر دیں" مروان نے اس جواب سے امیر معاویہ کو مطلع کر دیا۔

اس کے بعد مروان کے نام امیر معاویہ کا دوسرا خط آیا جس میں یزید کی ولیعہدی کی اطلاع دی گئی تھی۔ مروان نے پھر اہل مدینہ کو جمع کیا اور کہا "امیر المومنین نے پوری جد و جہد سے تمہارے لیے اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے۔ وہ جانشین یزید ہے۔

یزید کا نام سنتے ہی مجمع میں برہمی پیدا ہو گئی۔ پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کھڑے ہوئے اور کہا اے مروان نہ تو سچا ہے اور نہ معاویہ۔ تم دونوں کا

ارادہ یہ ہے کہ اُمت محمدیہ سے خلیفہ کے انتخاب کا حق سلب کر لیا جائے۔ اور خلافت کو بھی قیصریت بنا دیا جائے کہ جب ایک قیصر مر جائے تو دوسرا قیصر اس کا جانشین بن جائے۔ پھر حضرت حسینؓ بن علی، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اختلاف کا اظہار کیا مروان بن حکم نے تمام واقعات کی امیر معاویہ کو اطلاع دیدی۔

اب امیر معاویہ نے مختلف صوبوں کے والیوں کے نام احکام بھیجے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں یزید کے حق میں پروپیگنڈا کریں۔ اور وہاں کے معززین کو وفد کی صورت میں دربارِ خلافت میں بھیجیں، تاکہ ولیعہدی کے مسئلہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ چنانچہ مختلف صوبہ جات کے وفود دمشق پہنچے۔ مدینہ منورہ کے وفد میں محمد بن عمرو بن حزم اور بصرہ کے وفد میں احنف بن قیس شامل تھے۔ مسئلہ ولیعہدی پر جب دربارِ خلافت میں گفتگو چھڑی تو محمد بن عمر نے کہا:۔

"اے امیر المومنین! ہر بادشاہ اپنی رعیت کی بہتری کا ذمہ دار ہے، آپ غور کر لیجیے کہ اُمت محمدیہ کی عنانِ حکومت آپ کس کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں"۔ احنف بن قیس نے کہا "اے امیر المومنین! معاملہ پر پیچ ہے اگر ہم سچ بولتے ہیں تو آپ کا ڈر ہے اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو خدا کا خوف ہے، آپ خود یزید کے دن اور رات کے مشاغل، اور اس کے خفیہ اور علانیہ افعال سے زیادہ واقف ہیں، اگر آپ اس معاملہ میں خدا اور اُمتِ محمدیہ کی رضامندی پاتے ہیں تو کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ سفرِ آخرت کے وقت اُسے دنیا کا توشہ نہ دیجیے۔ بہرحال جو کچھ بھی آپ کریں ہم تو

سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ یہ جواب سن کر امیر معاویہ تو خاموش ہو گئے۔ مگر ایک شامی سردار کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ یہ عراقی کیا کہہ رہے ہیں ہم شامی تو معاویہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے بھی تیار ہیں اور ان کے اشارے پر میدانِ جنگ میں تلوار علم کرنے کے لیے بھی حاضر ہیں۔

امیر معاویہ یزید کی بیعت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اُن کا طرزِ سیاست یہ تھا کہ انعام و اکرام کی بارش سے اپنوں اور غیروں کے دلوں کو ہموار کر لیا کرتے تھے۔ اس طریقہ سے پہلے انھوں نے اہلِ شام اور اہلِ عراق کی بیعت لی۔ پھر ایک ہزار سوار لے کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

مدینہ منورہ کے اکابرِ ملت کے مُنہ زر و سیم کے ٹکڑوں سے بند نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہ کی آمد کی خبر سُن کر حضرت عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر اور امام حسین رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ان حضرات کی روانگی کے بعد امیر معاویہ نے اہلِ مدینہ کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں پہلے یزید کی تعریف کی، پھر کہا "کچھ لوگ ہیں جو یزید کی مخالفت سے باز نہیں آتے، میں آگاہ کیے دیتا ہوں کہ اگر ان کا طرزِ عمل یہی رہا تو ان کی جڑیں اُکھاڑ کر پھینک دی جائیں گی"۔

مدینہ منورہ سے امیر معاویہ مکہ روانہ ہوئے۔ ان چاروں بزرگوں کو جب ان کی آمد کی خبر ملی تو اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ امیر سے ملاقات کرنی چاہیے ممکن ہے مدینہ منورہ کی فضا دیکھ کر اُن کی رائے بدل گئی ہو، چنانچہ "بطن مر" میں اُنھوں نے امیر کا استقبال کیا۔ امیر معاویہ ان کے ساتھ عزت و اکرام سے

پیش آئے اور انہیں شاہی سواریوں پر سوار کرا کر ان کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

امیر معاویہ جب تک مکہ میں رہے، ان بزرگوں کے ساتھ ملاطفت کا برتاؤ کرتے رہے، جب روانگی کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بیعت کا ذکر چھیڑا اور عبداللہ بن زبیر سے جنہیں ان بزرگوں نے اپنا نمائندہ قرار دیا تھا حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

امیر معاویہ: آپ صاحبان میرے طرزِ عمل سے واقف ہیں میں آپ کے ساتھ ہمیشہ حُسنِ سلوک سے پیش آتا رہا ہوں اور آپ کی زیادتیوں کو بھی برداشت کرتا رہا ہوں، یزید آپ کا بھائی ہے، آپ کا ابن عم ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ نام کے لیے اسے خلیفہ بنا دیں۔ اور سلطنت کے تمام کام اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔ وہ آپ کے احکام کا تابع ہو کر رہیگا۔ کیا اتنی بات بھی آپ کو منظور نہیں ہے؟

عبداللہ بن زبیر:۔ ہم آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ آپ ان میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجیے۔

امیر معاویہ:۔ فرمائیے وہ تجویزیں کیا ہیں؟

عبداللہ بن زبیر:۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ سُنّتِ رسول اللہ صلعم پر عمل کیجیے۔ آپ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔ وفات کے بعد اُمت نے اپنی صوابدید سے حضرت ابوبکر صدیق کو آپ کا جانشین منتخب کر لیا۔

امیر معاویہ: لیکن اب ابوبکر صدیق جیسی ہستی کہاں ہے؟

عبداللہ بن زبیر :- اگر یہ ممکن نہیں تو سنتِ ابوبکر پر عمل کیجیے کہ انھوں نے اپنا جانشین اس شخص کو انتخاب کیا جو ان کا رشتہ دار نہ تھا۔

(امیر معاویہ خاموش رہے)

عبداللہ بن زبیر : اگر یہ بھی ممکن نہیں تو سنت عمر پر عمل کیجیے کہ انھوں نے حق انتخاب چھ اہل شوریٰ کے سپرد کر دیا، جو ان کے عزیز نہ تھے۔

امیر معاویہ : ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی اور بھی صورت ہو سکتی ہے؟

عبداللہ بن زبیر :- جی نہیں کوئی چوتھی صورت ممکن نہیں ہے۔

امیر معاویہ : اچھا تو اب میری بات سن لیجیے۔ اب تک تو ایسا ہوتا رہا کہ میں مجمع میں تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوتا تھا اور آپ میں سے کوئی کھڑا ہو کر مجھے جھٹلایا کرتا تھا۔ میں نے آپ کی اس زیادتی کو برداشت کر لیا تھا، مگر اب ایسا نہ ہو سکیگا۔ میں مجمع عام میں تقریر کرونگا۔ اگر آپ صاحبان نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میری تلوار درمیان میں حائل ہو جائیگی۔ اور دوسرا لفظ ادا نہ ہونے دیگی۔ لہذا آپ صاحبان اپنی جانوں پر رحم کیجیے

اس کے بعد امیر معاویہ چاروں بزرگوں کو ساتھ لے کر مجمع عام میں آئے اور کہا :- یہ لوگ روسا امت ہیں کوئی اہم معاملہ ان کے مشورہ کے خلاف طے نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، آپ لوگ بھی اللہ کا نام لے کر بیعت کر لیجیے

عام لوگ ان اکابر ہی کی رائے کے منتظر تھے، جب انہیں بتایا گیا کہ یہ حضرات بیعت کر چکے ہیں تو اہل مکہ نے بیعت کر لی۔ امیر معاویہ مکہ معظمہ سے

مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں اہل مدینہ کی بیعت لی۔ پھر مدینہ سے شام روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد امیر معاویہ نے بنی ہاشم کے ساتھ مدارات کا برتاؤ ترک کر دیا۔ عبداللہ بن عباس شام گئے اور انہوں نے اس کی شکایت کی۔ امیر معاویہ نے کہا۔ آپ کے ساتھیوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ اور آپ نے بھی انہیں نہیں سمجھایا۔ حضرت ابن عباس نے کہا۔ اے امیر آپ کو معلوم ہو اگر میں ساحلی علاقہ کی طرف نکل جاؤں اور آپ کی مخالفت میں لب کشائی کروں تو خود آپ کے رشتہائے بیعت کا ایک تار بھی باقی نہ رہے۔
امیر معاویہ اس دھمکی سے مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے "اے ابن عباسؓ ناراض نہ ہو، تمہارے عطیات جاری کر دیے جائینگے اور تمہیں شکایت کا موقعہ نہ دیا جائیگا۔[1]

وفاتِ معاویہ

جمادی الاخریٰ ۶۰ھ میں امیر معاویہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے بیماری سے قبل آپ نے ایک تقریر میں فرمایا

"میں ایک ایسی کھیتی ہوں جس کے کٹنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں نے اتنی مدت تم پر حکومت کی کہ میں تم سے اُکتا گیا اور تم مجھ سے لیکن جو شخص میرا جانشین ہو گا وہ مجھ سے بہتر نہ ہو گا جس طرح میں اپنے پیش رو خلفاء سے بہتر نہ تھا۔ کہا گیا ہے جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اے اللہ میں تیری ملاقات کو محبوب

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۰

رکھتا ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما اور اس ملاقات
میں میرے لیے برکت ودیعت فرما"

اس تقریر کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ بیمار ہو گئے۔ یزید اس زمانہ میں دمشق میں موجود نہ تھا۔ جب آپ زندگی سے مایوس ہوئے تو ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا کہ یزید کو حسب ذیل وصیت پہنچا دیں۔

"بیٹا میں نے تمہارے راستہ کے تمام کانٹے دور کر دیے ہیں، تمہارے دشمنوں کو زیر کر دیا ہے، اور عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی ہیں اور ایسا خزانہ جمع کر دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرے ان احسانات کا شکریہ ہے کہ اہل حجاز پر نظر کرم رکھنا کہ وہ تمہاری اصل ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آئے، اس کی خبر گیری کرتے رہنا، اہل عراق کا بھی خیال رکھنا، اگر وہ چاہیں کہ ہر روز اُن کے لیے نیا عامل مقرر کیا جائے تو ایسا کر دینا۔ کیونکہ عاملوں کی ادل بدل اس سے سہل ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے مقابلہ میں میان سے باہر نکل آئیں۔ اہل شام سے بھی حسن سلوک سے پیش آنا، انہیں اپنا رازدار بنانا، اگر کسی دشمن کا خطرہ ہو تو اُن سے مدد لینا، لیکن جب دشمن کی مدافعت کر چکو تو انہیں اُن کے شہروں کو واپس بھیج دینا کیونکہ دوسرے مقامات میں رہنے سہنے سے ان کے عادات و اخلاق بدل جانے کا اندیشہ ہے۔

خلافت کے معاملہ میں چار قریشی ہی تمہارے حریف ہوسکتے ہیں۔ حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ابن عمر کو عبادت نے تھکا دیا ہے، جب دوسرے لوگ تمہاری بیعت کرلینگے تو وہ بھی انکار نہ کرینگے۔ حسین بن علی سادہ مزاج ہیں۔ اہل عراق انہیں تم سے بھڑا کر رہینگے۔ اگر وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کامیاب ہو تو تم درگزر سے کام لینا کہ وہ قریبی عزیز ہیں، اُن کا ہم پر بڑا حق ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی توجہ عیش و آرام کی طرف ہے، جیسا وہ دوسروں کو کرتا دیکھینگے خود بھی کرینگے۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی چالیں کھیلیگا وہ عبداللہ بن زبیر ہے اگر وہ مقابلہ کرے اور تم کامیاب ہو تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردینا۔ لیکن قوم کو جہاں تک ممکن ہو، عام خونریزی سے بچانا۔[1]

جب نزع کا وقت آیا تو کہا:۔

"جناب رسول اللہ صلعم نے مجھے ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا، میں نے اُسے حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے، حضورؐ نے ایک دن ناخن ترشوائے تھے میں نے اُنہیں بھی ایک شیشی میں محفوظ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۰۲

کرلیا تھا، جب مجھے کفناؤ تو حضور کا عطا کردہ کرتا مجھے پہنا دینا اور ناخن مبارک کو پیس کر میری آنکھوں اور منہ میں بھر دینا، کیا عجب ہے کہ خدا ان کی برکت سے مجھ پر رحم کرے"۔[1]

آخر یکم رجب سنہ ۶۰ھ (مطابق ۷۔ اپریل سنہ ۶۸۰ء) کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر پچھتر سال تھی۔ آپ کی مستقل حکومت کی مدت انیس ۱۹ سال تین مہینے ستائیس روز ہوئی۔ آپ کے جنازہ کی نماز ضحاک بن قیس نے پڑھائی۔ یزید کو مرض میں زیادتی کی اطلاع بھیج دی گئی تھی، لیکن وہ دفن کے بعد پہنچا اور نماز جنازہ قبر پر ادا کی۔

خاندان معاویہ

امیر معاویہ نے چار شادیاں کیں۔ (۱) میسون بنت بجدل۔ اس کے بطن سے یزید پیدا ہوا۔ (۲) فاختہ بنت قرظہ نوفلی۔ اس کے بطن سے عبدالرحمن اور عبداللہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ عبدالرحمن بچپن ہی میں فوت ہوا۔ (۳) فاطمہ بنت عمارہ کلابیہ اسے آپ نے طلاق دے دی تھی۔ (۴) کتوہ بنت قرظہ غزوہ قبرص میں امیر معاویہ کے ساتھ تھیں، وہیں انتقال ہوا۔

سیرت معاویہ

حضرت معاویہ قریش کے اس نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو نسبی حیثیت سے بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ پھر ذاتی حیثیت سے آپ نے سرکار دو عالم صلعم کا فیض صحبت بھی حاصل کیا تھا۔ اس لیے اگرچہ آپ خلیفہ راشد نہ تھے تاہم ایک

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳ و ۴۔

بہترین بادشاہ میں جو اوصاف ہو سکتے ہیں وہ آپ کی ذات میں موجود تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے تم قیصر و کسریٰ اور ان کے علم و دانش کی تعریف کرتے ہو، حالانکہ خود تم میں معاویہ موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آپ کے یہ کمالات منصۂ شہود پر نہ آئے تھے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت عمر کی یہ رائے بالکل صحیح تھی مسلمانوں کی خانہ جنگیوں میں خلافتِ راشدہ کی دلنواز و نظر افروز تصویر کا چوکھٹا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا، تاہم آپ نے اپنے حسنِ تدبر سے اصل تصویر کو باقی رکھنے کی جو کوشش کی وہ ہر طرح قابلِ داد ہے۔

طرزِ سیاست آپ کی حکومت رائے عامہ کی بنیادوں پر قائم نہ تھی اس لیے آپ کو اس کے قیام کے وقت بھی تلوار کو استعمال کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے حتی الوسع عفو و درگزر کے پہلو کو ہاتھ سے نہ دیا۔

خاندانِ بنی ہاشم کے ارکان آپ کے دربار میں آتے اور آپ کو کوری کوری سناتے، مگر آپ ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتے۔ اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص امیر معاویہ سے بہت سختی کے ساتھ پیش آیا۔ مصاحبین نے پوچھا "کیا آپ اس کے ساتھ بھی نرمی کریں گے"۔ آپ نے جواب دیا۔ "میں کسی کی زبان کو نہ پکڑوں گا، جب تک وہ میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہو"۔[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵

حضرت معاویہ نے اصولِ سیاست خود یہ بتایا ہے تو جہاں

"جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے، وہاں تلوار کو کام میں نہیں لاتا، جہاں زبان کام دیتی ہو وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر تعلق بھی قائم ہو تو اُسے قطع نہیں ہونے دیتا۔ جب لوگ اُسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں"۔ [1]

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہ نے بعض ایسے عمال مقرر کیے جنہوں نے سفاکی و خونریزی میں تامل نہ کیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جن علاقوں میں ایسے عمال مقرر کیے گئے۔ وہاں نظامِ حکومت کی بقا اور ملک کے امن وامان کی بحالی اس اقدام کے بغیر مشکل تھی۔

طرزِ معیشت حضرت معاویہ نے دولت کے گہواروں میں آنکھ کھولی تھی ۱۸ھ سے ۵۹ھ تک امارت و حکومت کی مسند کے صدر نشین رہے، شام کا سرسبز و شاداب اور متمدن ملک آپ کی قیام گاہ رہا۔ اس لیے آپ کی خوراک و پوشاک امیرانہ تھی اور آپ کا دربار شاہانہ، شان و شوکت کا آئینہ خانہ، تاہم آپ غریبوں کی جھونپڑیوں کے حالات سے بے خبر نہ رہتے تھے۔ اور ہر گدا و بینوا کی آواز آپ تک بے روک ٹوک پہنچتی تھی۔

مسعودی نے آپ کے اوقات کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"حضرت معاویہ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر ممالکِ محروسہ کی رپورٹیں

---

[1] یعقوبی، ج ۲ ص ۲۸۳۔

سُنتے، پھر قرآن حکیم کی تلاوت کرتے پھر محل میں جاتے۔ اور ضروری احکام دیتے، پھر چار رکعت نماز ادا کر کے دربار خاص منعقد کرتے تھے، جہاں معتمدین اور وزراء موجود ہوتے، یہاں دن بھر کے ضروری امور کے متعلق مشورہ ہوتا۔ پھر آپ محل میں تشریف لے جاتے، وہاں سے واپس آکر مسجد میں تشریف لاتے اور مقصورہ سے کمر لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے۔ یہ دربار عام ہوتا جس میں ضعیف، دیہاتی، بچے اور عورتیں بے روک ٹوک آتے، اور اپنی ضرورتیں اور تکلیفیں بیان کرتے، آپ سب کی دلدہی کرتے، ضرورتیں اور تکلیفیں دور کرتے۔

جب ان لوگوں سے فارغ ہو جاتے تو دربار خاص منعقد ہوتا جس میں معززین اور اشرافِ قوم شریک ہوتے۔ آپ فرماتے "صاحبان! آپ کو اشرافِ قوم اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس مجلس خصوصی میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے، لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ جو لوگ یہاں حاضر نہیں ہیں، ان کی ضرورتیں بیان کریں۔

اس کے بعد صبح کا کھانا کھاتے۔ اسی وقت سکریٹری آپ کے سرہانے کھڑا ہو جاتا باریاب ہونے والوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتا اور وہ جو کچھ تحریر لے کر آتے سکریٹری اُسے پڑھ کر سناتا امیر کھانا کھاتے جاتے اور احکام لکھواتے جاتے ہر باریاب

ہونے والا جب تک حاضر رہتا کھانے میں شریک رہتا۔

اس کے بعد آپ محل میں داخل ہو جاتے اور ظہر کی نماز کے لیے برآمد ہوتے، نماز سے فارغ ہو کر دربار خاص منعقد کرتے یہ دربار عصر تک جاری رہتا، امراء و وزراء مسائل ضروریہ پر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد عصر کی نماز ادا کر کے محل میں تشریف لے جاتے، مغرب سے کچھ پہلے باہر آ کر تخت پر جلوہ افروز ہوتے درباری اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھ جاتے، رات کا کھانا لایا جاتا، اس سے فارغ ہو کر مغرب کی نماز ادا کرتے، نماز کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے، پھر محل میں داخل ہو جاتے، عشاء کی نماز کے وقت باہر آتے نماز ادا کرنے کے بعد دربار خاص منعقد ہوتا جس میں امراء وزراء اور مصاحبین شریک ہوتے اور سلطنت کے بقیہ اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ یہ گفتگو ختم ہوتی تو علمی مباحث چھڑتے، عرب، عجم اور دوسری قوموں کے بادشاہوں کے حالات، ان کی صلح و جنگ کے واقعات اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ اور ملکی سیاست کے تذکرے جاری رہتے یہ علمی صحبت ایک تہائی رات گزرے ختم ہوتی، پھر زنان خانہ میں آرام کرنے تشریف لے جاتے دو تہائی رات گزری ہوتی کہ بیدار ہو جاتے، یہ مطالعہ کا وقت تھا۔ آپ کے سامنے دفاتر پیش ہوتے جن میں پرانے بادشاہوں کے حالات زندگی، ان کی

لڑائیوں کے واقعات، اور ان کی سیاسی تدابیر کے تذکرے درج ہوتے، یہ دفاتر آپ کو پڑھ پڑھ کر سنائے جاتے۔

یہ سلسلہ فجر تک جاری رہتا، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوتی اور دوگانۂ سحر ادا کرنے کے لیے آپ مسجد میں تشریف لیجاتے[1]

مسئلہ بیعت یزید حضرت معاویہ پر جو سب سے بڑا الزام عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے جمہوری نظام حکومت کو توڑ کر شخصی حکومت کا طریقہ جاری کر دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے خلیفہ کے نصب و عزل کی ذمہ داری قوم کے اہل الرائے اصحاب کے سپرد کی تھی۔ خلافت راشدہ کے دور میں خلفائے ثلاثہ کا انتخاب اسی اصول پر ہوا۔ مگر ۳۵ھ کے نامسعود زمانہ میں آفاقیوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جو طوفان اٹھایا اس نے اس اصول کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں، قوم کے ذمہ دار اور اہل الرائے افراد کی رایوں کے برخلاف، شورش پسندوں کی ایک غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش جماعت نے خودساختہ الزامات کی بنیاد پر خلیفۂ وقت سے دست برداری کا مطالبہ کیا اور جب اس نے اس قمیص کو اتارنے سے انکار کیا جو خدا نے اسے پہنائی تھی تو انھوں نے اس کی گردن اتار دی۔

لہٰذا جہاں تک، اسلام کے نظام اجتماعی کی برہمی کا تعلق ہے، اس کی ذمہ داری حضرت معاویہ پر عائد نہیں ہوتی، بلکہ قاتلین عثمان پر عائد ہوتی

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔

ہے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی کوششوں سے ممکن تھا کہ شکستہ نظام پھر بندھ جاتا مگر جمل و صفین میں منافقین کی ریشہ دوانیوں سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

بہرحال اسلام کا پسندیدہ جمہوری نظام تو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، اب دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو حضرت معاویہ اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے تلوار کو آزاد چھوڑ دیتے، یا اپنے منصب کے اثر و اقتدار سے کام لے کر کسی جانشین کو نامزد کر جاتے حضرتِ معاویہ نے دوسری صورت پسند کی کہ دو مصیبتوں میں آسان مصیبت تھی۔

لیکن آپ نے اپنی جانشینی کے لیے جس شخصیت کو انتخاب کیا وہ واقعی اس کے لیے موزوں نہ تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ خود امیر بھی اسے موزوں نہ سمجھتے تھے۔ اور امیر تو علیحدہ رہے خود یزید بھی اپنے حالات دیکھتے ہوئے اسے ناممکن سمجھتا تھا، چنانچہ جب سب سے پہلے یہ تجویز یزید کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے تعجب سے پوچھا! "کیا یہ ممکن العمل ہے؟" [1]

زیاد بن ابیہ سے زیادہ بنی امیہ کا فدائی کون ہو سکتا ہے، تاہم جب اس کے سامنے یہ تجویز آئی تو اس نے اول تو اس سے اختلاف کا اظہار کیا، پھر عبید بن کعب کے سمجھانے سے یزید کو کہلا بھیجا کہ جب تک تم ان حرکات کو نہ چھوڑ دو گے جن پر لوگ معترض ہوتے ہیں، خلافت کا حصول ممکن نہیں۔

لیکن اصحاب غرض ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔ جن کا مقصد بادشاہ کی جائز

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۸

ناجائز خوشنودی حاصل کر کے اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ تجویز کے بعد اس کی تائید کا سلسلہ جاری ہوا، اطرافِ سلطنت سے معززین کے وفود آنے شروع ہوئے جنہوں نے یزید کی ولیعہدی کی درخواست کی۔ حضرت معاویہ میں حضرت عمر کی سی خشیت نہ تھی جنہوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ "آلِ خطاب میں سے ایک شخص ہی خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے بہت کافی ہے" کچھ غرض مندوں کا اصرار پیہم، کچھ بیٹے کی محبت، کچھ یزید کی مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے اپنے حالات کی درستی کہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:-

فکف عن کثیر مما کان یصنع[1] - اس نے اپنی بہت سی حرکات چھوڑ دی تھیں۔

آخر یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا گیا۔ تاہم امیر معاویہ نے انتقال کے وقت اپنی ذمہ داری کو فراموش نہیں کیا۔ آپ نے بیٹے کو مشفقانہ انداز میں جو گرانقدر وصیتیں کیں اگر وہ ان پر عمل کرتا تو اُمت محمدیہ تباہی کے غار میں نہ گرتی اور یزید کی پیشانی ابن رسول اللہ کے خون سے داغدار نہ ہوتی۔ واللہ یفعل ما یشاء۔

انتظامات ملکی

امیر معاویہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا۔ حضرت عثمان کے زمانہ سے باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا امیر معاویہ کے عہد حکومت میں یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری ہو گیا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

امیر معاویہ نے حضرت عثمان کے زمانہ ہی میں بحری فوج قائم کر دی تھی اور عبداللہ بن قیس حارثی کو اس کا افسر مقرر کیا تھا۔ اپنے عہد حکومت میں انہوں نے بحری فوج کو بہت ترقی دی۔ مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں بہت سے

---

[1] ابن اثیر۔ ج ۳ ص ۱۹۹۔

جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ چنانچہ ایک ہزار سات سو جنگی جہاز رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ امیر البحر جنادہ بن ابی اُمیّہ تھے۔ اس عظیم الشان بحری طاقت سے انھوں نے قبرص، روڈس اور بعض یونانی جزیرے فتح کیے اور قسطنطینیہ کے حملہ میں بھی کام لیا۔

ڈاک کا محکمہ حضرت عمر کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا، امیر معاویہ نے اس کی تنظیم و توسیع کی اور تمام حدود سلطنت میں اس کا جال پھیلا دیا۔

حضرت علی کے ساتھ ساتھ جب امیر معاویہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو آپ نے اپنی حفاظت کے لیے باڈی گارڈ مقرر کیے اور مسجد میں علیحدہ مقصورہ تعمیر کرا لیا۔

دیوانِ خاتم کے نام سے آپ نے ایک محکمہ قائم کیا جو سرکاری فرمان جاری کیا جاتا تھا اس کی ایک نقل اس محکمہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی اور فرمان کو لفافہ میں بند کر کے اس پر سرکاری مہر لگا دی جاتی تھی۔ اس طرح سرکاری فرمانوں میں ردّوبدل کا امکان نہ رہا۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں ملک شام کا دفتر حکومت رومی زبان میں تھا سرجون رومی جو ایک نصرانی تھا اس دفتر کا چیف سکریٹری تھا۔ اس عہدہ کے علاوہ سرجون کو امیر معاویہ کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کا فخر بھی حاصل تھا۔

امیر معاویہ کے عہد میں فضالہ بن عبید انصاری، پھر ابو ادریس خولانی قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔ پولیس کے افسر اعلیٰ قیس بن حمزہ ہمدانی پھر زمل بن عمرو عذری رہے۔ دیوان خاتم کا افسر اعلیٰ عبداللہ بن محصن حمیری تھا۔ اور حرس (باڈی گارڈ) کا افسر اعلیٰ مختار تھا۔

یزید اوّل بن معاویہ

۶۰ھ تا ۶۴ھ

یزید نام، معاویہ بن ابی سفیان والد کا نام ابیسون بنت بجدل ماں کا نام ۲۶ھ میں حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں پیدا ہوا، حضرت معاویہ اس وقت پورے ملک شام کے امیر تھے۔ اس لیے ناز و نعمت کے آغوش میں آنکھ کھولی، اور دولت وحکومت کے گہواروں میں پرورش پائی۔ جوان ہوا تو حسن سیمیں و بادۂ رنگین سے رشتہ جوڑا، شعروشاعری کا ذوق پیدا ہوا اس میں کمال حاصل کیا، سیروشکار کا بھی بہت شوق تھا، مگر میدان جہاد کی آبلہ پائی پسند نہ تھی۔

باپ نے اصلاح کی کوشش کی، قسطنطینہ کی مہم میں زبردستی بھیجا، دو مرتبہ امیر حج بھی مقرر کیا، مگر تربیت طبیعت پر غالب نہ آسکی۔

خلافت حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد ۶۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ امیر معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں اس کی ولیعہدی کی بیعت لے لی تھی لیکن اکابر قریش و سردارانِ حجاز حضرت امام حسین، عبداللہ بن زبیر عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بیعت نہیں کی تھی۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حضرات اپنی فضیلتِ ذاتی و عظمتِ نسبی کے لحاظ سے

امت میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے، ان کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی۔
لہذا تخت نشین ہوتے ہی یزید کو سب سے پہلے ان کی فکر ہوئی۔

ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اس زمانہ میں مدینہ کا امیر تھا، یزید نے اُسے امیر معاویہ کے انتقال کی خبر دی اور ان بزرگوں سے بیعت لینے کی تاکید کی۔ ولید بن عتبہ نے اس مہم کو سر کرنے کے لیے مروان بن حکم سے جو مدینہ ہی میں موجود تھا مشورہ کیا۔ مروان نے کہا، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر کی تو فکر نہ کرو یہ تو حکومت کے طلبگار ہی نہیں۔ البتہ حسین بن علی عبداللہ بن زبیر کو اسی وقت بلاؤ اور یزید کی بیعت پر مجبور کرو۔ اگر نہ مانیں تو زندہ باہر نہ جانے دو۔ اگر امیر کی موت کی خبر مشہور ہو گئی اور ان لوگوں نے بیعت نہ کی تو یہ اپنے اپنے ہوا خواہوں کو لے کر میدان میں آجائینگے اور مخالفت کا طوفان برپا ہو جائیگا۔

امام حسین و عبداللہ بن زبیر کا بیعت سے انکار

ولید نے حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر کو بلا بھیجا۔ یہ دونوں بزرگ اس وقت مسجد میں تھے، اس غیر معمولی وقت کے بلاوے سے وہ معاملہ کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور اُنہوں نے آپس میں کہا ہو نہ ہو امیر کا انتقال ہو گیا ہے، اور ہمیں بیعت کے لیے بلایا جارہا ہے۔ امام حسین کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ولید کے یہاں پہنچے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو باہر بٹھا دیا اور اُنہیں سمجھا دیا کہ کسی قسم کا غل و شور سنو تو فوراً اندر چلے آنا۔ ولید نے امام حسین کو امیر معاویہ کے انتقال کی خبر دی۔ حضرت امام نے اِنّا لِلّٰہ پڑھی اور امیر کے لیے

دعائے رحمت کی۔ اب ولید حرفِ مطلب زبان پر لایا اور بیعت کی دعوت دی حضرت امام نے فرمایا:

"مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ عام لوگوں کو اس مقصد کے لیے جمع کیجیے میں بھی ان کے ساتھ آؤنگا جو سب کی رائے ہوگی کیا جائیگا"

ولید بری طبیعت کا آدمی نہ تھا اُس نے کہا بہت اچھا تشریف لیجائیے۔ امام حسین کے جانے کے بعد ولید نے مروان سے کہا بڑے افسوس کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ میں رسول اکرم صلعم کے نواسہ کو قتل کروں، خدا کی قسم قیامت کے دن جس سے حسینؑ کے خون کا مطالبہ کیا جائیگا وہ بڑا گھاٹے میں رہیگا۔

عبداللہ بن زبیر نے ولید سے ایک دن کی مہلت مانگی، مگر وہ راتوں رات مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مکہ کی راہ لی۔ ولید کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے آدمیوں کو تعاقب کے لیے بھیجا۔ عبداللہ بن زبیر ایک غیر معروف راستے سے گئے تھے۔ یہ لوگ ان کی گرد بھی نہ پا سکے اور ناکام واپس آئے۔

امام حسین مکہ کو دوسری رات کو امام حسین بھی اپنی بہنوں ام کلثوم اور زینب اور اپنے بھتیجوں اور بھانجوں ابوبکر، جعفر، عباس اور دوسرے اہل بیت کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ البتہ آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے مدینہ چھوڑنا پسند نہ کیا اور رخصت ہوتے وقت یہ نصیحت کی:

"اے بھائی مجھے تم سے زیادہ عزیز اور محبوب دوسرا کون ہو سکتا ہے مجھے یزید کی بیعت سے انکار کے معاملہ میں تم سے اتفاق ہے تم اس کی

بیعت نہ کرنا اور اپنے قاصدوں کو مختلف مقامات پر بھیج کر اپنی بیعت کی دعوت دینا۔ اگر اہل بلاد تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا اور اگر انکار کر دیں تو اس سے بھی تمہاری عزت و فضیلت میں کچھ کمی نہ آئیگی۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ تم کسی ایسے شہر میں جاؤ جہاں دو جماعتیں ہو جائیں، ایک تمہاری حامی اور دوسری مخالف۔ پھر ان دونوں جماعتوں میں جنگ ہو اور تم سب سے پہلے مقابلہ کے لیے آؤ۔ نتیجہ یہ ہو کہ جو شخص ذاتی و نسبی حیثیت سے بہترین اُمت ہے، بدترین طریقہ سے اس کا خون بہایا جائے اور اس کے اہل و عیال کو رسوا کیا جائے"۔

امام حسین نے پوچھا: بھائی پھر میں کہاں جاؤں؟

محمد بن حنفیہ نے جواب دیا کہ تم مکہ میں قیام کرو اگر وہاں اطمینان نصیب ہو فبہا ورنہ ریگستانوں کوہستانوں میں نکل جانا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر کرتے رہنا۔ یہاں تک کہ تم اندازہ کر سکو کہ ملک کے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ اور کوئی دو ٹوک فیصلہ کر سکو۔ معاملے کے ہر پہلو پر پہلے غور کر لینا بہتر ہوتا ہے، وقت نکل جانے کے بعد پچھتانے سے کچھ نہیں بنتا۔[۱]

مکہ کے راستہ میں حضرت امام کو عبداللہ بن مطیع ملے۔ حالات معلوم کرنے کے بعد اُنہوں نے آپ سے عرض کیا۔

"حضرت اگر آپ مکہ کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں تو کوفہ کا قصد

---

[۱] ابن اثیر ج ۴۔ ص ۷۔

ہرگز نہ فرمائیگا۔ وہ بڑا منحوس شہر ہے۔ آپ کے والد کو وہیں شہید کیا گیا، آپ کے بھائی پر وہیں قاتلانہ حملہ ہوا، اور اُنہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے آپ حرم کو نہ چھوڑیئگا کیونکہ اہل حجاز آپ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دینگے۔ وہاں بیٹھ کر آپ اپنے حامیوں کو اپنے گرد باسانی جمع کر سکتے ہیں[1]۔

ولید نے حضرت ابن عمر کے پاس بھی یزید کی بیعت کے لیے پیغام بھیجا۔ آپ نے جواب دیا جب سب لوگ بیعت کر لینگے میں بھی کر لونگا۔ آپ کی طرف سے ولید کو زیادہ اندیشہ نہ تھا، اس لیے آپ سے اصرار نہ کیا گیا۔

حادثہ شہادت عظمیٰ

اہل کوفہ کے دعوتی خطوط

حضرت امام نے مکہ پہنچ کر شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ اہل مکہ اور دوسرے مقامات کے لوگ جو حج کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے، انہیں جب حضرت کی آمد کا علم ہوا تو جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ہر وقت یہ لوگ آپ کو گھیرے رہتے اور آپ کی طرفداری و جان نثاری کا دم بھرتے، عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ کے ایک گوشہ میں مقیم تھے وہ تمام دن نماز و طواف میں گزارتے کبھی کبھی امام حسین کے پاس بھی آتے اور مشوروں میں شریک ہوتے۔

اہل کوفہ شروع ہی سے اہل بیت کی حمایت کے دعویدار تھے، انھی کی

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۳۰

وجہ سے حضرت علی نے اپنا دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان کا یہ دعویٰ کبھی امتحان کی کسوٹی پر پورا نہ اترا۔

جب حضرت معاویہ کے انتقال کی خبر اہلِ کوفہ کو معلوم ہوئی تو ان کو پھر پھریری اٹھی۔ سلیمان بن صرد خزاعی ان کا سردار تھا، اس کے مکان پر خفیہ اجتماع ہوا اور اس میں یہ طے ہوا کہ امام حسین کو کوفہ بلایا جائے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کو اہلِ بیت میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس تجویز کے مطابق عمائد کوفہ کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط حضرت امام کو روانہ کیے گئے۔ ان خطوط کا مضمون یہ تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کا حریف موت کی نیند سو گیا ہے۔ اب ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ تشریف لائیں، تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں۔ نعمان بن بشیر (امیر کوفہ) کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ عید کی، اور اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اسے شام کی حدود میں دھکیل دیں گے"[1]

ان خطوط کے علاوہ متعدد رؤساء کوفہ نے امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوفہ چلنے کی درخواست کی۔

مسلم بن عقیل کی روانگی

جب اصرار حد سے بڑھا تو حضرت امام نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی جانچ کرنے کے لیے کوفہ بھیجا اور اہلِ کوفہ کو یہ جواب لکھا:۔

---

[1] ابن کثیر، ج ۴ ص ۸۔

"مجھے تمہاری خواہش کا علم ہوا۔ میں تمہارے پاس اپنے بھائی اور معتمد علیہ مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ یہ خود کل حالات کی تحقیق کر کے مجھے خبر دینگے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کوفہ کے خواص اور عوام میری خلافت کے خواہشمند ہیں، تو ان شاء اللہ توقف نہ کرونگا حقیقت یہ ہے کہ امام وہ ہونا چاہیے جو کتاب اللہ کا حامل، عدل پرور اور دین حق کا فرمانبردار ہو"

مسلم بن عقیل مدینہ ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے اور مختار کے مکان پر اترے شیعیان علی کا آپ کے پاس تانتا لگا رہتا۔ یہ گروہ در گروہ آتے مسلم انہیں امام حسین کا خط سنا تے، یہ رو رو کر عہد کرتے کہ امام حسین کی حمایت میں کسر نہیں چھوڑینگے، اور اپنی جانیں ان پر قربان کر دینگے۔

نعمان بن بشیر اس وقت کوفہ کے امیر تھے۔ یہ نیک فطرت اور صلح جو حاکم تھے، ان کو سب واقعات کی اطلاع پہنچ رہی تھی، انہوں نے صرف اتنا کہا کہ جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

لوگو فتنہ کی طرف نہ دوڑو۔ مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ کرو۔ اس میں جان کی ہلاکت اور مال کی بربادی ہے میں تہمت اور بدگمانی کی بنا پر مواخذہ نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اگر تم نے کھلم کھلا مخالفت کا اظہار کیا تو پھر میں چشم پوشی نہ کرونگا۔"

حامیانِ بنی اُمیہ میں سے ایک شخص نے نعمان کو ٹوک کر کہا۔ اے امیر آپ کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس طرح کام نہ چلیگا۔ مگر نعمان نے یہ جواب

...یا؛ "اللہ کی فرماں برداری میں کمزور بننا مجھے اس کی نافرمانی میں طاقتور بننے سے زیادہ پسند ہے۔"

اسی شخص نے یزید کو کل حالات کی اطلاع دی اور لکھا اگر کوفہ میں اپنی حکومت قائم رکھنی ہے تو کسی سخت آدمی کو بھیجو، نعمان جیسے کمزور آدمی سے یہاں فتنہ نہ دبیگا۔

یزید نے سرجون رومی کے مشورہ سے عبیداللہ بن زیاد کو جو پہلے سے بصرہ کا والی تھا، کوفہ کا بھی والی مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو وہاں سے نکال دو یا قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد عبیداللہ بن زیاد اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے کوفہ پہنچا۔ ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو وہ منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے تھا۔ یہاں لوگ امام حسین کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ وہ سمجھے کہ حضرت امام تشریف لے آئے ہیں۔ چنانچہ جس راستہ سے گزرتا یہ آوازیں بلند ہوتیں "مرحبا اے ابن رسول اللہ! خوش آمدید اے ابن رسول اللہ!"

ابن زیاد نے دوسرے دن جامع کوفہ میں یہ تقریر کی :۔

"مجھے امیرالمومنین نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے، مجھے مظلوموں کے ساتھ انصاف اور فرمانبرداروں کے ساتھ احسان کرنے اور غداروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کو بجا لاؤنگا، دوستوں کے ساتھ میرا سلوک حقیقی بھائی

جیسا ہوگا۔ مخالفوں کو لقمۂ شمشیر بناؤنگا۔ لھذا ہر شخص کو اپنی جان پر رحم کرنا چاہیے۔

پھر اس نے حکم جاری کیا کہ تمام میر محلہ اپنے محلّے کے پردیسی، خارجی اور مشتبہ لوگوں کے نام میرے پاس بھیجیں۔ اگر کسی میر محلہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوتا[ہی] کی اور اس محلہ میں کسی نے حکومت کی مخالفت میں سر اٹھایا تو میر محلہ کو اس کے مکان کے دروازہ پر پھانسی دیدی جائیگی اور تمام اہل محلہ کے روز[ینے] بند کر کے انہیں قید کر دیا جائیگا۔

مسلم ہانی کے مکان میں

مسلم بن عقیل کو جب عُبید اللہ بن زیا[د] [کی] آمد اور اس کے اس انتظام کی خبر ہوئی [تو] آپ مختار کے گھر سے نکل کر ہانی بن عروہ مرادی کے مکان پر گئے اور قیا[م] کی اجازت طلب کی۔ ہانی نے کہا آپ مجھے میری طاقت سے زیادہ تکلیف [دے] رہے ہیں، لیکن چونکہ آپ میرے مکان میں داخل ہو چکے ہیں اس لیے انکار نہیں کر سکتا۔ ہانی نے آپ کے لیے اپنے زنان خانہ میں ٹھہرنے کا [انتظام] کر دیا۔

ہانی کی گرفتاری

شیعیان حسین نے اب ہانی کے مکان پر جمع ہونا شر[وع] کیا۔ ابن زیاد کو جاسوسوں کے ذریعہ اطلاع [ملی] تو اس نے ہانی کو طلب کیا اور کہا:

ہانی! امیر المومنین کے خلاف تمہارے مکان پر کیا سازشیں ہو [رہی] ہیں، تم نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے اور ان کے لیے آدمیو[ں]

ہتھیاروں کا انتظار کر رہے ہو، پھر یہ بھی سمجھتے ہو کہ ان کارروائیوں کی مجھے خبر نہ ہوگی۔

ہانی نے انکار کرنے سے کوئی نتیجہ نکلتے نہ دیکھا، اقرار کر لیا کہ مسلم بن عقیل اس کے مکان پر مقیم ہیں۔ لیکن ذلت و عار کے خوف سے انہیں ابن زیاد کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے ہانی پر سختی کی اور اپنے محل میں قید کر دیا۔

قصر امارت کا محاصرہ مسلم بن عقیل کو جب اپنے میزبان کے قید ہو جانے کی اطلاع ملی تو انہوں نے "یا منصور امت" کا نعرہ لگایا۔ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر اس وقت تک اٹھارہ ہزار آدمی بیعت کر چکے تھے ان میں سے چار ہزار آس پاس کے مکانوں میں تھے۔ نعرہ سنتے ہی یہ سب باہر نکل آئے مسلم بن عقیل نے انہیں لے کر قصر امارت کو گھیر لیا۔ دوسروں کو خبر ہوئی تو وہ بھی مسلم کی مدد کو نکل آئے۔ یہاں تک کہ جامع مسجد اور بازار شیعیان حسین سے بھر گئے۔

مسلم کی گرفتاری اور شہادت ابن زیاد کے پاس اس وقت تیس آدمی پولیس کے، بیس معززین شہر اور اس کے اہل خاندان تھے۔ ابن زیاد نے معززین شہر سے کہا کہ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلہ والوں پر اپنا اثر استعمال کریں اور انہیں مسلم کا ساتھ چھوڑ دینے کی ترغیب دیں یہ لوگ باہر نکلے اور اپنے اپنے قبیلہ والوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا۔ پھر امان کا جھنڈا بلند کر دیا۔ مسلم بن عقیل کے ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر الگ ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے ساتھ صرف تیس آدمی رہ گئے۔ مسلم نے یہ حال دیکھا

تو پناہ لینے کے لیے کندہ کے محلہ کی طرف چلے۔ محلہ تک پہنچتے پہنچتے بالکل تنہا رہ گئے
اندھیری رات تھی، تھکن سے چور چور تھے۔ حیران تھے کہ کہاں سر چھپائیں۔ ایک
بڑھیا عورت دروازہ پر کھڑی نظر آئی۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور اپنی داستان
مصیبت سنائی، اس کو رحم آگیا اور اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں چھپا لیا۔

ابن زیاد نے بعد عشاء جامع مسجد میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلم بن عقیل
کو اپنے گھر میں پناہ دیگا اُسے قتل کر دیا جائیگا اور جو انہیں گرفتار کرائیگا اسے
انعام دیا جائیگا۔ پھر اُس نے پولیس کو کوفہ کے تمام مکانات کی تلاشی لینے کا حکم
دیا۔ بڑھیا کے بیٹے نے جان کے خوف سے حکومت کے آدمیوں کو خبر دی۔ ابن زیاد
نے محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ ابن اشعث نے مسلم
بن عقیل کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم کو جب معلوم ہوا کہ دشمن سر پر آگیا ہے
تو مردانہ وار تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے حالانکہ یہ بیچارے تنہا تھے اور مقابلہ
میں ستر آدمی مگر بڑی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اور کسی کو اپنے پاس
پھٹکنے کا موقع نہ دیا۔ آخر محمد بن اشعث نے کہا:۔

"ہم آپ کو امان دیتے ہیں، آپ بے خطر ہماری پناہ میں آجائیں
آپ ہمارے غیر نہیں ہیں۔"

مسلم زخموں سے چور چور ہو چکے تھے۔ مجبور ہو کر اپنے آپ کو محمد بن اشعث کے
حوالہ کر دیا۔ راستہ میں آپ نے ابن اشعث سے کہا "میرا خیال ہے کہ تم مجھے
قتل سے نہ بچا سکو گے، لیکن میری ایک درخواست ہے اسے ضرور قبول کر
ابن اشعث نے پوچھا وہ کیا؟ مسلم بن عقیل نے کہا:۔

"کسی شخص کو بھیج کر میرے حال کی اطلاع میرے بھائی حسین کو کر دینا، اور میری طرف سے اُن سے کہہ دینا کہ وہ اہل کوفہ کے دھوکہ میں نہ آئیں، یہ وہی لوگ ہیں جن سے چھٹکارا پانے کی ان کے والد ہمیشہ آرزو کرتے رہے اور کہہ دینا کہ وہ اہل و عیال کو لے کر اپنے وطن کو لوٹ جائیں"[1]

محمد بن اشعث نے وعدہ کیا کہ وہ امام حسین کو یہ پیغام پہنچا دیگا۔ چنانچہ اس نے یہ وعدہ پورا کیا۔

مسلم بن عقیل ابن زیاد کے سامنے لائے گئے۔ ابن زیاد نے آپ کو برا بھلا کہا، آپ نے بھی سختی کے ساتھ جواب دیا۔ آخر زیاد نے آپ کو شہید کرا دیا۔ مسلم بن عقیل کے بعد ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے قتل کا حکم دیا۔ محمد بن اشعث نے شہر میں ہانی کے اثر و اقتدار کے خیال سے اس کی جان بخشی کی کوشش کی مگر ابن زیاد نہ مانا اُسے بھی قتل کرا دیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں شہیدوں کے سر یزید کے پاس بھیج دیے۔ یزید نے شکریہ ادا کیا اور لکھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تم پہرہ چوکی کا سختی کے ساتھ انتظام کرو، کسی کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو تو اُسے قید کر دو۔ البتہ جب تک کوئی تمہارے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھائے تم اس کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھاؤ"[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۴۔ [2] ایضاً ص ۱۵۔

امام حسین کا عزم کوفہ اور ہمدردوں کی نصائح

مسلم بن عقیل جب کوفہ پہنچے اور ان کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امام حسین کی بیعت کرلی تو انہوں نے حضرت امام کو لکھا "آپ بے خطر تشریف لے آئیں، اہل عراق آپ کے حامی ہیں اور بنی امیہ سے بیزار" اب آپ نے کوفہ کو روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے ہمدردوں کو جب علم ہوا تو انہوں نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

عمر بن عبدالرحمٰن بن حرث نے کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق کا ارادہ فرما رہے ہیں، حالانکہ وہاں کے حکام و امراء بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور وہاں کا خزانہ بھی اُن کے قبضہ میں ہے عوام کا کچھ بھروسہ نہیں وہ بندۂ زر ہوتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ سے مدد کا وعدہ کر رہے ہیں وہی کل آپ کا مقابلہ کریں گے"۔ حضرت امام نے فرمایا "بھائی میں تمہاری بات مانوں یا نہ مانوں، مگر تمہارے ناصح مخلص ہونے میں کلام نہیں"۔

عبداللہ بن عباس نے فرمایا "اے ابن عم یہ شہرت ہے کہ تم عراق کی طرف جا رہے ہو، خدا کے واسطے ایسا ارادہ نہ کرنا۔ کیا اہل عراق نے بنی امیہ کے حکام کو نکال کر ملک پر قبضہ کرلیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ضرور جاؤ لیکن اگر حالات یہ ہیں کہ ان کے حکام برسرِ حکومت ہیں، خزانہ کی کنجیاں ان کے ہاتھوں میں ہیں تو اہل کوفہ آپ کو اس لیے بلاتے ہیں کہ لڑائی کے شعلوں میں دھکیل دیں اور خود الگ ہو جائیں۔ یہی انہوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ کیا! آپ نے جواب دیا: "میں استخارہ کرونگا"۔

دوسرے دن پھر عبداللہ بن عباس آئے اور کہا "اے ابن عم آپ کوفہ کے پاس بھی نہ پھٹکیے۔ اہلِ کوفہ غدار ہیں آپ مکہ میں قیام فرما کر اپنی بیعت کی دعوت دیجیے، آپ اہل حجاز کے سردار ہیں، وہ آپ کی بات مانیں گے۔ مگر مکہ سے جانا ہی ہے تو یمن جائیے، وہ وسیع ملک ہے، وہاں حفاظت کے سامان ہیں اور آپ کے والد کے ہمدرد بھی موجود ہیں۔ وہاں قیام کر کے بلادِ اسلامیہ میں اپنی خلافت کا پیغام بھیجیے، مجھے اُمید ہے کہ آپ کامیاب ہوں گے"۔

امام حسینؓ نے فرمایا: "بھائی مجھے تمہارے مشفق ہونے میں شبہ نہیں، مگر میں نے تو عراق کی روانگی کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

عبداللہ بن عباس نے فرمایا "اگر یہ فیصلہ اٹل ہے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لیجائیے مجھے ڈر ہے کہ آپ کو حضرت عثمان کی طرح عورتوں اور بچوں کے سامنے خاک و خون میں نہ تڑپایا جائے"

عبداللہ بن زبیر کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی سمجھایا اور کہا:

"آپ حرم میں قیام فرما کر اپنی خلافت کی دعوت دیجیے اور شیعیانِ عراق کو لکھیے کہ وہ یہاں آکر آپ کی مدد کریں ہم بھی آپ کی اعانت کے لیے حاضر ہوں۔ حرم یوں بھی عالمِ اسلام کا مرکز ہے، مختلف بلاد و امصار کے مسلمان یہاں آتے جاتے رہتے ہیں"۔[1]

مگر امام حسینؓ نے جواب دیا، میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا حرم کی حرمت کو زائل کرنے کا باعث ہوگا" میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا"

---

[1] ابن اثیر۔ ج ۴ ص ۱۵-۱۶۔ و اخبار الطوال

امام حسینؓ کوفہ کو

آخر آپ ۸۔ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اہل وعیال، عزیزوں اور رفیقوں کے ساتھ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے مقام صفاح پہنچے تو وہاں آپ کو فرزدق شاعر عراق سے لوٹتا ہوا ملا آپ نے اس سے وہاں کے حالات پوچھے۔ فرزدق نے کہا "اہل عراق کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے"!

آپ نے فرمایا۔ تم نے سچ کہا۔ اگر خدا کا فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق تو خدا کا شکر ادا کرینگے اور اگر موت ہماری خواہش کے درمیان حائل ہو گئی تو مضائقہ نہیں کہ ہماری نیت بخیر ہے"

آگے چل کر آپ کو آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر ملے، انہوں نے آپ سے بڑی تاکید کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی درخواست کی اور کہا "مجھے خوف ہے کہ اس راستہ میں آپ کی جان کا ضرر اور آپ کے خاندان کی بربادی" اپنے ساتھ وہ عمرو بن سعید حاکم مدینہ سے ایک امان نامہ بھی لکھوا کر لائے تھے، مگر امام حسین نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور سفر جاری رکھا۔

آپ مقام ثعلبیہ میں پہنچے تو وہاں آپ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ سے بعض رفیقوں نے کہا "آپ کو خدا کی قسم ہے آپ لوٹ چلیے کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن مسلم بن عقیل کے گھر والوں نے کہا۔ "ہم تو نہ لوٹینگے۔ مسلم کا بدلہ لینگے یا اپنی جانیں بھی قربان کر دینگے" یہ سن کر امام حسین نے فرمایا۔ "ان لوگوں کو چھوڑ کر زندگی میں مزہ نہیں ہے"۔

آپ مقام زبالہ میں پہنچے تو آپ کو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملی۔ امام حسینؓ نے عبداللہ بن یقطر کو مسلم بن عقیل کے پاس خط دے کر بھیجا تھا جس وقت پہنچے مسلم قتل کیے جا چکے تھے، ابن زیاد نے ان کو بھی محل کی چھت سے گرا کر قتل کرا دیا۔

ان خبروں سے آپ کو کوفہ کے حالات کا بہت کچھ اندازہ ہو گیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"کوفہ والوں نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے ان سے مدد کی توقع نہیں، لہٰذا ہمارے جو ساتھی واپس جانا چاہتے ہوں وہ بخوشی واپس ہو جائیں، ہماری طرف سے انہیں پوری اجازت ہے۔

یہ اعلان سن کر آپ کے اکثر رفقاء آپ کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ صرف آپ کے خاندان والے اور کچھ مخصوص جان نثار ساتھ رہ گئے۔[1]

مزاحمت ابن زیاد کو امام حسین کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ اس نے یزید کی ہدایت کے مطابق مدینہ سے عراق آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ اور حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سوار دے کر امام حسینؓ کا کھوج لگانے اور انہیں گھیر نے کے لیے بھیج دیا تھا۔

امام حسینؓ مقام 'ذی حشم' پہنچے تو وہاں حر بن یزید تمیمی آپ کا کھوج لگاتا آ پہنچا اور آپ کے لشکر کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ امام حسین نے اپنے رفقاء کو

---

[1] ابن اثیر، ج ۴ ص ۱۸۔

حکم دیا کہ ان لوگوں کو پانی پلاؤ۔ اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرو۔ یہ دوپہر میں چلے آرہے ہیں۔

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو امام حسین نے حُر سے پوچھا آپ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھینگے یا علیحدہ۔ حُر نے جواب دیا ساتھ ہی پڑھینگے۔ چنانچہ دونوں لشکروں نے ایک ساتھ امام حسین کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام حسین نے حُر کے لشکریوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا:۔

"لوگو! میں تم لوگوں کے بُلانے سے یہاں آیا ہوں تم نے خطوں میں لکھا، قاصدوں سے کہلا کر بھیجا کہ یہاں آئیے اور ہماری امامت قبول فرمائیے۔ اب بھی اگر تم اپنے قول پر قائم رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے شہر کو چلوں اور اگر میرا آنا ناگوار ہو تو اپنے وطن کو لوٹ جاؤں۔"

حُر نے کہا "یہ آپ خطوں اور قاصدوں کا کیا ذکر کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کا کچھ علم نہیں۔"

اس پر امام حسین نے دو تھیلے نکلوا کر کوفیوں کے سامنے خطوں کا ڈھیر لگوا دیا۔ حُر نے کہا "خیر ہم نے یہ خط نہیں لکھے۔ ہم تو اس کام پر مامور ہوئے ہیں کہ آپ کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے سامنے کوفہ پہنچا دیں۔"

امام حسین نے فرمایا "یہ تو ناممکن ہے۔" پھر اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹنے حکم دیا۔

حُر نے مزاحمت کی اور کہا میں آپ کو واپس نہ جانے دونگا۔ لیکن

...سے جنگ بھی نہ کرونگا، بہتر یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کیجیے
عراق و حجاز دونوں کے درمیان ہو، میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں، آپ
...ید کو لکھیے شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھے آپ کے مقابلہ میں
...ف آرا نہ ہونا پڑے۔

امام حسین نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔ اور شمال کی طرف رُخ کر کے
...ی کے راستہ پر ہولیے۔ حر بھی اُن کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلے پر لگا رہا۔
عذیب الہجانات پہنچے تو وہاں طرماح بن عدی سے ملاقات ہوئی
...نوں نے کہا:۔

"کوفہ میں آپ کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں،
میں نے اتنی بڑی فوج کبھی میدان میں مجتمع ہوتے نہیں دیکھی
میری رائے یہ ہے کہ آپ بنی طے کے مشہور پہاڑ "اجا" پر
تشریف لے چلیں۔ یہاں غسان و حمیر کے بادشاہوں کی
بھی کبھی رسائی نہ ہوسکی، اگر آپ وہاں تشریف لے چلیں
تو بنی طے کے بیس ہزار جان نثاروں کا ذمہ دار میں ہوں جن
کی تلواریں آپ کی حمایت میں علم ہونگی۔"

مگر امام حسینؑ نے شکریہ کے ساتھ ان کی پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
فرمایا "حر سے جو میرا قول و قرار ہو چکا ہے میں اس کے خلاف نہ کرونگا۔"
نینویٰ پہنچے تو حر کو ابن زیاد کا خط ملا، جس میں لکھا تھا:۔
"حسین اور اُن کے ساتھیوں کو فوراً روک لو اور انہیں ایسی

جگہ اُترنے پر مجبور کرو، جہاں کوئی اوٹ اور پانی نہ ہو۔"

حُر نے یہ خط امام حسین کو دکھادیا۔ آپ نے فرمایا کچھ دور آگے چلنے دو۔ پھر ہم اُتر جائینگے۔ حُر راضی ہوگیا۔ جب آپ مقام کربلا میں پہنچے تو حُر راستہ روک کر کھڑا ہوگیا اور کہا اب میں آگے نہ بڑھنے دونگا، یہاں اُتر جائیے۔ فرات بھی یہاں سے قریب ہے۔ امام حسینؑ اور آپ کے ساتھی ۲ محرم ۶۱ھ کو میدان کربلا میں اُتر گئے۔

میدانِ کربلا میں قیام

کربلا میں اُترنے کے دوسرے دن عمر بن سعد بن وقاص بھی اپنے چار ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر آپہنچا۔ عمر بن سعد بن وقاص کو ابن زیاد نے رے اور سرحد دیلم کا حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے علاقہ میں جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ امام حسین کی روانگی کی اطلاع پہنچی۔ اور ابن زیاد نے اُسے اُن کی مدافعت کا حکم دیا۔ عمر بن سعد نے معافی چاہی، مگر ابنِ زیاد نے کہا اگر اس خدمت میں تامل ہے تو رے اور سرحد دیلم کی ولایت سے دست بردار ہو جاؤ۔ عمر بن سعد نے حکومت کے لالچ سے اس حکم کی تعمیل کو منظور کر لیا۔ مگر وہ امام حسینؑ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لیے آخر وقت تک مفاہمت کی کوشش کی۔

عمر بن سعد نے امام حسینؑ کے پاس قاصد بھیج کر پوچھا "آپ کس غرض سے آئے ہیں؟ امام حسین نے جواب دیا "مجھے اہل کوفہ نے خط لکھے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپ تشریف لائیے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ میں ان کی تحریر پر بھروسہ کرکے چل پڑا۔ بعد میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے میرے

تھو پر بیعت کر کے توڑ دی، اور میرے ساتھ غداری کی جب مجھے یہ معلوم ہوا تو
ں نے اپنے وطن کو واپس جانا چاہا، مگر حر بن یزید نے مجھے واپسی کی اجازت
دی، اب تم میرے قریبی رشتہ دار ہو مجھے چھوڑ دو کہ مدینہ واپس چلا جاؤں"
عمر نے یہ جواب سن کر کہا "الحمد للہ، خدا کی قسم میں تو خود چاہتا ہوں کہ حسین
کے خون سے میرے ہاتھ رنگین نہ ہوں" پھر اس نے ابن زیاد کو امام حسینؑ
کے ارادہ سے مطلع کیا۔ ابن زیاد نے جواب بھیجا:

"حسینؓ سے یزید کی بیعت لے لو اس کے بعد ہم کسی بات پر
غور کریں گے اگر بیعت نہ کریں تو اُن کا پانی بند کر دو۔"

پانی کی بندش ۷ محرم کو عمر بن سعد نے فرات کا پانی امام حسین اور ان کے
ساتھیوں پر بند کر دیا، اور دریا پر پانچ سو سواروں کا پہرہ
بٹھا دیا۔ امام حسین نے اپنے بہادر بھائی عباس بن علی کو پانی لانے کا حکم
دیا۔ یہ تیس سواروں اور بیس مشکیزہ برداروں کو اپنے ساتھ لے گئے، اور
زبردستی پانی لے آئے۔

تاکید جنگ عمر بن سعد امام حسین سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس کی
دلی خواہش تھی کہ کوئی مصالحت کی صورت نکل آئے
اور اس کی تلوار اہل بیت نبوی کے خون سے رنگین نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے
لڑائی کو ٹالتا رہا اور حضرت امام سے بار بار ملاقاتیں کیں۔

ایک رات حضرت امام اور عمر بن سعد دونوں لشکروں کے درمیان
جمع ہوئے اور رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ امام حسین نے عمر

بن سعد سے کہا:۔

"ہم دونوں اپنے اپنے لشکروں کو یہیں چھوڑدیں اور یزید کے پاس چل کر زبانی معاملہ طے کرلیں"۔

ابن سعد نے کہا: ابن زیاد میرے گھر کو کھدوا پھینکیگا۔

امام حسین نے فرمایا:۔

"اچھا تو مجھے اپنے وطن واپس جانے دو، یا کسی اور طرف نکل جانے دو، پھر حالات جو کچھ فیصلہ کریں"۔

لیکن ابن سعد نے اس تجویز کو قبول کرنے سے بھی معذوری کا اظہار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف قیاسات ہیں۔ ابن سعد سے حضرت امام کی جو گفتگو ہوئی وہ رازدارانہ ہوئی۔ کوئی تیسرا شخص اس شریک نہ تھا۔

تاہم یہ واقعہ ہے کہ ابن سعد نے ان مذاکرات کی روشنی میں قضیہ کے حل کی ایک درمیانی صورت کو پالیا۔ اور اپنی رائے سے ابن زیاد کو مطلع کیا۔ ابن زیاد کو ابن سعد اور امام حسین کی گفتگوؤں کی رپورٹیں پہنچ رہی تھیں، اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ابن سعد امام حسینؑ سے نہ مل جائے اور بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ اس نے شمر ذی الجوشن کے مشورہ سے ابن سعد کو لکھا:

"میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تم حسین کے مقابلہ سے جان بچاؤ اور انہیں غلط امیدیں دلاؤ یا لڑائی کو طول دو، یا میرے سامنے ان کے سفارشی بن کر آؤ۔ حسین اگر بشرط اطاعت قبول کریں تو انہیں میرے پاس بھیج دو اگر انکار

کریں تو اُن سے جنگ کرو اور قتل کر دو۔ اگر تمہیں اس حکم کی تعمیل میں پس و پیش ہو تو میں شمر ذی الجوشن کو بھیج رہا ہوں تم فوج اس کے حوالہ کر دو اور اپنے آپ کو معزول سمجھو۔"

ابن زیاد کی اس دھمکی کے بعد ابن سعد با دل ناخواستہ اٹھا اور لشکر کو لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ واقعہ ۹ محرم کی شام کا ہے۔

امام حسین کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک رات کی مہلت چاہی۔ ابنِ سعد نے مہلت دیدی۔ حضرت امام کو اب یقین ہو گیا تھا کہ راہِ حق میں ان کو اپنے سر کی قربانی پیش کرنی پڑیگی۔ دشمن ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائے بغیر نہ مانیں گے۔ آپ نے اپنے تمام رفیقوں اور عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا:-

"میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور نیک ساتھی کہیں نہیں دیکھے اور اپنے اہل خاندان سے زیادہ صلح، اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنے والے کسی کے عزیز نہیں بلکہ خدا تم سب کو جزائے خیر دے! کل کا دن میرے اور دشمنوں کے درمیان آخری فیصلہ کا ہے۔ انھیں صرف میری ضرورت ہے اس لیے میں تم سب کو بخوشی واپسی کی اجازت دیتا ہوں، میرے رفیق میرے اہل خاندان کو لے کر رات کے اندھیرے میں نکل جائیں اور اپنے اپنے شہروں میں پہنچ کر بہتر زمانہ کا انتظار کریں۔"

مگر آپ کے فدا کار ساتھیوں اور جاں نثار عزیزوں نے بیک زبان کہا :۔

"ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرینگے۔ خدا ہمیں اس دن کے لیے باقی نہ رکھے"!

یہ جواب سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ دیر تک نقشۂ جنگ کے متعلق ہدایتیں دیتے رہے اور اپنے اہل بیت کو وصیتیں کرتے رہے۔

آپ کی بہن زینب بنت علی نے زیادہ بے چینی کا اظہار کیا تو فرمایا!

"اے بہن! صبر کرو۔ دیکھو اہل زمین اور اہل آسمان سب کے لیے فنا ہے، خدا کی ذات کے سوا کسی کو بقا نہیں ہمیں اور ہر مسلمان کو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیے اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے اگر میں راہِ حق میں سرخرو ہوں تو تم میرے ماتم میں گریبان چاک نہ کرنا، چہرہ کو نہ نوچنا، واے ویلا نہ کرنا"۔[1]

ان انتظامات سے فارغ ہو کر آپ نے اپنی پیشانی بارگاہ رب العزت میں جھکا دی اور تمام رات اپنے مولا سے راز و نیاز میں مصروف رہے۔ آپ کے ساتھی بھی رات بھر نماز، استغفار، تضرع اور دعا میں مشغول رہے۔

صبح شہادت

آخر گریبان صبح عاشورہ چاک ہوا، آفتاب خونیں آنسوؤں کی لڑیاں بکھیرتا ہوا طلوع ہوا۔ حضرت امام حسینؓ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۴۔

نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنے بہتر جان نثاروں کو ساتھ لے کر میدان میں آ گئے میمنہ پر زہیر بن قین کو میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو متعین فرمایا۔ اور عباس بن علی کو علم مرحمت ہوا۔ امام حسین گھوڑے پر سوار ہوئے۔ قرآن مجید منگا کر سامنے رکھا، اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی

ہر چند آپ کو یقین نہ تھا کہ کوئی کوشش کارگر ہو گی تاہم آپ نے اتمام حجت کے لیے کوفیوں کو مخاطب کر کے حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

"اے لوگو، ذرا ٹھہرو۔ میری بات سنو کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر دوں۔ اگر تم نے میری بات کو سنا اور میرے ساتھ انصاف کیا تو تم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں لیکن اگر تم اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی۔ معاملہ کا ہر پہلو تم پر واضح ہو جائے گا اور تمہیں اختیار ہو گا جو چاہو سو کرو۔ اور میرے ساتھ کوئی کسر نہ اٹھا رکھو۔ میرا مددگار میرا اللہ ہے"

حضرت امام اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ زنانہ خیمہ سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ فرمانے لگے "عبداللہ بن عباس نے سچ کہا تھا۔ ہمیں عورتوں کو نہیں لانا چاہیے تھا" پھر آپ نے عباس بن علی کو عورتوں کو خاموش کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ خاموش ہو گئیں تو آپ نے پھر سلسلہ تقریر جاری فرماتے ہوئے کہا :۔

۶ "اے لوگو! ذرا سوچو کہ میں کون ہوں، پھر غور کرو کہ تمہارے

لیے مجھے قتل کرنا اور میری بے حرمتی کرنا جائز ہے؟ کیا میں
تمہارے نبی کا نواسہ نہیں۔ کیا میں اُن کے ابن عم علی مرتضےٰ
کا فرزند نہیں، کیا سید الشہدا حمزہ میرے والد کے چچا نہ تھے
کیا جعفر طیار شہید میرے چچا نہ تھے۔ کیا ہم دونوں بھائیوں
کے متعلق رسول اکرم صلعم کی یہ مشہور حدیث تم نے نہیں
سُنی "اے حسن و حسین تم جنت کے سردار ہو اور اہل سُنت کی
آنکھوں کی ٹھنڈک"
اگر میرے بیان پر اعتبار نہ ہو، حالانکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں
بولا، تو رسول اکرم صلعم کے بہت سے صحابی ابھی زندہ ہیں
ان سے پوچھ لو۔ کیا اس کے بعد بھی تم میرا خون بہانے سے
باز نہ آؤ گے کیا تمہیں اس قول نبی کی صداقت میں شک
ہے، یا اس بات میں شک ہے کہ میں حسین فاطمہ زہراؑ کا
بیٹا نہیں ہوں، اگر تمہیں دوسری بات میں شک ہو تو میں
خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں مشرق و مغرب میں میرے
سوا کوئی نبی کا نواسہ اور فاطمہ کا لال نہ ملیگا۔
تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ کیا میں نے تمہارے کسی آدمی
کا خون بہایا ہے، کیا تم میں سے کسی کا مال غصب کر لیا ہے
کیا تمہارے کسی آدمی کو زخمی کر دیا ہے۔
اس کے بعد آپ نے کچھ سرداران کوفہ کو نام بنام پکار کر کہا کیا تم لوگ

مجھے خطوط بھیج کر نہیں بلایا؟

ان لوگوں نے جواب دیا "نہیں، ہم نے آپ کو نہیں بلایا"
آپ نے فرمایا:- "تم نے ضرور بلایا۔ لیکن اگر اب تمہیں میری آمد ناپسند ہے تو مجھے اپنی پناہ کی جگہ واپس جانے دو"
ایک شخص نے کہا "آپ میرے چچیرے بھائی (ابن زیاد) کا فیصلہ کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ یہ آپ کے لیے بہتر ہوگا"
آپ نے جواب دیا:-

"خدا کی قسم میں ذلیلوں کی طرح اپنا ہاتھ دشمنوں کے ہاتھ نہیں دے سکتا، اور غلاموں کی طرح ان کی بندگی کا اقرار نہیں کر سکتا، میں ہر متکبر سے جس کا روز حساب پر ایمان نہیں ہے، خدا کی پناہ مانگتا ہوں"[1]

حُر بن یزید امام حسینؑ کے قدموں میں

امام حسین کی یہ تقریر کوفیوں پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ البتہ حُر بن یزید تمیمی آہستہ آہستہ گھوڑا بڑھاتا ہوا آیا جب قریب پہنچا تو ایک ایڑ مار کر لشکر اہل بیت میں شامل ہو گیا۔ اس نے امام حسین سے کہا:-

اے فرزند رسول اللہؐ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے سب سے پہلے آپ کو روکا تھا، مگر مجھے خبر نہ تھی، کہ میری قوم بدبختی کی اس حد تک جا سکیگی، اور جنگ کے سوا کسی مناسب تجویز

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۵-۲۶۔

کو قبول نہ کریگی۔ اب میں آپ کے قدموں میں حاضر ہوں اور
جب تک جسم کا جان سے تعلق ہے۔ آپ کا حق رفاقت
ادا کرونگا۔ خدا کے واسطے بتائیے کیا میرا یہ فعل پچھلے گناہوں
کا کفارہ ہو سکیگا؟

حضرت امام نے خوش ہو کر فرمایا "ہنر ور اے حُر دنیا میں بھی تیرا نام حُر (آزاد) ہے۔ ان شاء اللہ آخرت میں بھی تو عذاب دوزخ سے آزاد رہیگا"

اب حُر نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا اے قوم کیا یہ ممکن نہیں کہ امام حسین کی پیش کردہ تجویزوں میں سے کوئی تجویز قبول کرلو۔ اور ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی لعنت سے بچ جاؤ۔

عمر بن سعد نے کہا میں تو مصالحت کو پسند کرتا تھا، مگر یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔

اس کے بعد کوفیوں کی طرف سے ایک تیر پھینکا گیا اور جنگ شروع ہو گئی۔

شہادت حسین

پہلے مبارزت شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا، مگر اس طرح کوفیوں کو بہت نقصان ہوا۔

عبداللہ بن عمیر کلبی، بریر بن حصیر، حُر بن یزید تمیمی اور نافع بن ہلال نے اپنے حریفوں کو مولی گاجر کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر دشمن کی فوج میں سے عمر بن حجاج نے چیخ کر کہا:۔

"اے شہسوارو! تمھیں معلوم ہے کہ کس سے لڑ رہے ہو، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لے کر نکلے ہیں۔ ان سے مبارزہ کسی طرح مناسب نہیں۔ مجموعی طور پر حملہ کرو۔ یہ ہیں ہی کتنے۔ خدا کی قسم اگر تم لوگ ان پر پتھر بھی برساؤ تو نہ بچیں۔"

اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مٹھی بھر جان نثاران اہل بیت نے ٹڈی دل کوفیوں کا منہ پھیر دیا۔ بہادران فوج حسینی جدھر نکل جاتے تھے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے مگر دونوں گروہوں کی تعداد میں کوئی نسبت نہ تھی۔ دوپہر ڈھلے تک آپ کے تمام ساتھی پروانہ وار شمع بیت نبوت پر قربان ہو گئے۔

اب جوانان اہل بیت کی باری آئی۔ علی اکبر بن حسین، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، عدی بن عبداللہ بن جعفر، عبدالرحمٰن بن عقیل، محمد بن عقیل، قاسم بن حسین بن علی، ابوبکر بن حسین بن علی اپنی اپنی شمشیر آبدار کے جوہر دکھا کر جوانان جنت کے سردار پر نثار ہو گئے۔ آخر میں حضرت امامؑ کے ساتھ ان کے چار بھائیوں عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان کے سوا کوئی نہ رہا۔ جب تک سینہ میں دم رہا، یہ ہر وار کو اپنے سینہ پر لیتے رہے۔ آخر ایک ایک کر کے راہی جنت ہوئے۔

اب حضرت امام حسینؑ تنہا تھے، زخموں سے چور چور تھے، پیاس سے بیتاب تھے، مگر آپ کی بہادری، جوش اور ہمت میں کوئی کمی نہ تھی۔

جس طرف بھی آپ کی تلوار چمکتی دشمنوں کے بادل چھٹتے چلے جاتے آخر آپ نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھ گئے اور بڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے مگر دشمنوں کو اس شیر پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کے خون سے اپنی قسمت پر شقاوت کی آخری مہر لگانے سے ہر شخص گریز کرتا تھا۔ آخر شمر نے چیخ کر کہا:-

"آپ کیا انتظار ہے؟ قتل کیوں نہیں کرتے؟"

حضرت امام نے اپنے خشک ہونٹوں کو پانی کا پیالہ لگایا تھا کہ حصین بن نمیر نے تاک کر ایک تیر مارا جو آپ کے حلقوم میں پیوست ہو گیا۔ آپ گرتے پڑتے فرات کی طرف چلے۔ لیکن دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ ذرعہ بن شریک تمیمی نے آپ پر تلوار کے وار کیے۔ سنان بن انس نخعی نے نیزہ مار کر آپ کو زمین پر گرا دیا اور تلوار سے سر اقدس کو جدا کر دیا۔[1]

آپ کے جسم مبارک پر تینتیس زخم نیزے کے اور تیس زخم تلوار کے تھے اور تیر کے زخم ان کے علاوہ تھے۔

آپ کی شہادت کے بعد ظالموں نے اہل بیت کے خیموں کی طرف رخ کیا، جو کچھ ساز و سامان تھا سب لوٹ لیا، یہاں تک کہ عورتوں کی چادریں تک کھینچ لیں۔ آپ کے صاحبزادہ زین العابدین، علی اصغر بیماری کی حالت میں خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ شمر نے ان کو بھی شہید کرنا چاہا۔ مگر عمر بن سعد نے کہا عورتوں کے خیمے میں نہ گھسو اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۵۵-۲۵۶

شہادتِ عظمیٰ کا یہ حادثہ کبریٰ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جمعہ کے دن پیش آیا۔ اگلے دن اہل غاضریہ نے نماز جنازہ ادا کرکے شہداء کی لاشوں کو اسی میدان میں دفن کیا۔ حضرت سید الشہداء کا سرِ مبارک اور دوسرے شہداء کے سر چونکہ دشمن اپنے ساتھ لے گئے تھے، اس لیے جسم بغیر سر کے سپردِ خاک ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً شاملۃً کاملۃً

اہل بیت کا قافلہ شام کو

اس حادثۂ عظمیٰ کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا، اور شہداء کرام کے سر اُس کے دربار میں پیش کیے گئے۔ ابن زیاد نے حضرت امام حسین کے دندانِ مبارک کو ایک چھڑی سے کھٹکھٹایا۔ حضرت زید بن ارقم صحابی رسول اللہ صلعم بھی وہاں تشریف رکھتے تھے، آپ اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے۔ فرمانے لگے:۔

"واللہ! میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم صلعم کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کی بے ادبی نہ کرو"

یہ فرما کر آپ بے اختیار رو پڑے۔ ابن زیاد نے کہا "اگر تم سٹھیا نہ گئے ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا" حضرت زید بددعا فرماتے ہوئے مجلس سے اُٹھ گئے۔

ابن زیاد نے اہل بیت کے اس قافلہ اور شہداء کرام کے سروں کو شمر کی نگرانی میں یزید کے پاس دمشق بھجوا دیا۔

یزید کے دربار میں جب امام حسینؓ کا سرِ مبارک رکھا گیا، اور شمر نے

ایک تقریر میں اپنی اور اپنے رفیقوں کی کارگزاری فخریہ بیان کی تو یزید نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:۔

"افسوس تم پر، اگر تم حسین کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا، خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر، اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو خدا کی قسم میں حسین کو معاف کر دیتا، خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے[1]"

ہند بنت عبداللہ بن عامر یزید کی بیوی، چادر کا گھونگٹ کر کے دربار میں نکل آئی اور کہنے لگی۔اے امیر المومنین کیا یہ جگر گوشۂ رسول حسین بن فاطمہؓ کا سر ہے؟ یزید نے جواب دیا:۔

ہاں! یہ حسین رسول اللہ صلعم کے نواسہ کا سر ہے، تم اس پر ماتم کرو۔خدا ابن زیاد کو قتل کرے اس نے جلد بازی سے کام لے کر ان کو قتل کر دیا[2]

پھر یزید نے درباریوں کی طرف خطاب کر کے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا؟ حسین نے کہا میرے باپ حضرت علیؓ یزید کے باپ سے بہتر ہیں، میری ماں سیدہ فاطمہ زہرا، اس کی ماں سے بہتر ہیں۔میرے نانا رسول اللہ صلعم اس کے نانا سے بہتر ہیں اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔جہاں تک باپ کا تعلق ہے میرے باپ اور ان کے باپ نے خدا کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۸ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۵

دنیا جانتی ہے کہ خدا نے میرے باپ کے حق میں فیصلہ کیا۔ البتہ ان کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے بہتر ہیں اور اُن کے نانا رسول اللہ صلعم میرے نانا سے بہتر ہیں۔ ہر شخص جو اللہ و یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے کسی کو رسول اللہ کا ہمسر نہیں قرار دے سکتا۔ البتہ انہوں نے معاملہ کو سمجھا نہیں اور قرآن کی اس آیت پر اُن کی نظر نہیں گئی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ [1]

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یزید کے یہ الفاظ دل سے نکل رہے تھے یا دہان سے اور اس کے یہ آنسو رنج و ندامت کے آنسو تھے یا ڈپلومیسی اور سیاست کے، کہ تاریخ عالم میں دوسری قسم کے آنسوؤں کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں، برادران یوسف بھی یہ آنسو بہا چکے ہیں۔ وجاءوا اباھم عشاء یبکون

اہلِ بیت کی واپسی وطن

یزید نے خاندان نبوت کی عورتوں کو اپنی حرم سرا میں ٹھہرایا۔ چونکہ دونوں خاندانوں میں رشتہ داری تھی، اس لیے خاندان یزید کی تمام عورتیں اُن کے پاس آئیں اور ان کے رنج میں شریک ہوئیں اور شہدا کا ماتم کیا۔ یزید دونوں وقت امام زین العابدین علی بن حسین کو اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر کھانا کھلاتا تھا۔

چند روز خاطر و مدارات کے ساتھ ٹھہرانے کے بعد یزید نے اہل بیت

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵ [2] ایضاً ص ۳۶

کے قافلہ کو کچھ سامان دے کر ایک معتبر اور نیک آدمی کی نگرانی میں مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

رخصت کرتے وقت یزید نے امام علی بن حسین سے کہا:۔

"جو کچھ خدا کی مرضی تھی ہوا، اور میری منشا کے خلاف ہوا۔ اگر ملعون ابن زیاد کی جگہ میں ہوتا تو یہ صورت ہرگز پیش نہ آتی حسینؑ میرے سامنے جو تجویز پیش کرتے، اسے قبول کر لیتا اور ان کی جان کو ضائع نہ ہونے دیتا، صاحبزادے تمہیں جو ضرورت پیش آئے مجھے لکھ دیا کرنا۔"[1]

سکینہ بنت حسین یزید کے اس سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں چنانچہ آپ فرماتی تھیں:۔

"میں نے منکرین خدا میں یزید بن معاویہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔"[2]

حسین و یزید

یہ حادثہ فاجعہ تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ ہے کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے نصف صدی بعد، آپ ہی کے نام لیوا آپ کے اہل بیت کو انتہائی شقاوت کے ساتھ ذبح کر دیں حقیقی فیصلہ تو وہ حاکمِ مطلق ہی کریگا جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے، اور پھر کھلے ڈھکے سے واقف ہے تاہم ایک مورخ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی دانست کے مطابق واقعات پر ایک نظر ڈالے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۶۔ [2] ایضاً ص ۳۷

سی ایسے اہم اقدام سے پہلے جس کا تعلق اسلام کے جماعتی مسائل سے ہو، یہ دیکھ لینا چاہیے کہ مصلحتِ اُمت اس کی متقاضی ہے یا نہیں، پھر یہ بھی غور کر لینا چاہیے کہ اس کے لیے مناسب اسباب ظاہری بھی موجود ہیں یا نہیں؟ یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ یزید ایک فاسق و فاجر شخص تھا۔ ور اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر جیسے جامع فضائل بزرگوں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس لیے اس کی خلافت اسلام کے بلند پایہ نصب العین کی تکمیل کے لیے کوئی ضمانت پیش نہیں کر سکتی۔

بیشک اسلام کا نظامِ شوریٰ اس وقت معطل ہو چکا تھا لیکن اس جسم نیم جان میں ابھی حرارت باقی تھی۔ حضرت امام نے اس ڈھانچہ پر دوبارہ روحِ حیات فائض کرنے کی کوشش کی۔

حسنِ اتفاق سے اس نظام کی برہمی کی صورت میں انعقادِ خلافت کی جو دوسری شرط تسلط کامل ہے وہ بھی موجود نہ تھی۔

حضرت معاویہ کے زمانہ میں یزید کی بیعت کو اگر اصولاً جائز تسلیم کیا جائے اور حضرت عبداللہؓ کا یہ قول لا ابایع لامیرین فی زمان واحد نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی اس بیعت کا تحقق خود محل نظر ہے۔

اسلام کے تین سیاسی مرکزوں میں سے شام تو دل و جان سے بنی اُمیہ کے ساتھ تھا۔ عراق کی بیعت کا یہ حال تھا کہ عراقی نمائندوں کی رائے

عراقی اُمرا نے چاندی سونے کی تھیلیوں کے ذریعہ خریدی تھی۔ عام اہل عراق اس کے ذمہ دار نہ تھے۔ خود امیر معاویہ اس سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ جب عراق سے عراقی نمائندوں کا وفد دمشق پہنچا تو آپ نے امیر وفد سے پوچھا

بکم اشتری ابوک من — تمہارے والد نے ان لوگوں سے

ھؤلاء دینھم — ان کا دین کس قیمت پر خریدا۔

تو اس نے جواب دیا:۔

باربعماۃ دینار[۱] — چار سو دینار میں

رہ گئے اہل حجاز۔ ان کی رائے مذکورہ بالا چاروں بزرگوں کی رائے کے تابع تھی، اور جب فی الحقیقت ان بزرگوں نے یزید کی بیعت کی ہی نہ تھی تو عام اہل حجاز کی بیعت کے اعتبار کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد اہل حجاز دل و جان سے ان بزرگوں کے حامی تھے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بنی اُمیہ کا تسلط حجاز میں باوجود "واقعہ حرہ" جیسے خونیں مناظر کی نمائش کے، حضرت معاویہ کی وفات سے حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت تک قائم نہ ہو سکا۔

اہل عراق نے بھی خطوط اور وفود کے ذریعہ حضرت امام کو یقین دلایا کہ ان کا کوئی امام نہیں ہے اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے منتظر ہیں بہرکیف حضرت امام کا اس وقت اس مقصد جلیل (احیاء نظام خلافت راشدہ) کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا جہاں تک مصلحت امت کا تعلق

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۸۔

ہو اس کے مطابق تھا۔ اور اگر وہ خلافت کے خواہشمند بن کر کھڑے ہوئے تو یہ اُن کی خواہش بجا تھی۔

اب رہ جاتا ہے مسئلہ اسباب ظاہری کی فراہمی کا۔ بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت امام کی اجتہادی غلطی تھی (۱) انہوں نے اپنی سرگرمی کا مرکز عراق کو بنانا تجویز کیا اور بار بار آزمانے کے بعد کہ عراق کے لوگ بزدل، لالچی اور ناقابل اعتبار ہیں۔ ان کی امداد کے بھروسہ پر حجاز کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ اگر حضرت امام اپنے بہی خواہوں اور ہمدردوں کی رائے کو مان لیتے اور قلب اسلام کو اپنی دعوت کا مرکز بناتے تو حالات کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ لیکن زبانِ قلم خاموش ہو جاتی ہے جب ابن اثیر کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے۔

حضرت امام جب اپنے دوستوں کی رائے کے خلاف مکہ معظمہ سے روانہ ہو لیے تو ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے اُنہیں راستہ میں جا لیا، اور باصرار واپسی کی درخواست کی۔ حضرت امام نے انہیں بھی ٹالنا چاہا، مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو آپ نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں جناب رسول اکرم صلعم کی زیارت کی ہے۔ آپؐ نے مجھے ایک کام کر گزرنے کا حکم دیا ہے، میں اس کو ضرور کر دونگا۔ خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو"۔

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا وہ کیا کام ہے؟

آپ نے جواب دیا:-

"یہ نہ میں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا جب تک اپنے رب کے دربار میں حاضر نہ ہو جاؤں" لہ

جب بات یہ تھی تو اسباب ظاہری کی فراہمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ اس علمی بحث کو چھیڑنے کی ضرورت ہے کہ "خواب حجت شرعی ہے یا نہیں؟" کہ یہ دنیائے عشق و محبت ہے اور اس دنیا کے آئین نرالے ہوتے ہیں۔ ملہ

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

واقعہ حرہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ عالم اسلام میں یزید کی اس حرکت پر نفرت کا اظہار کیا گیا اور حجاز میں مدینہ سے مکہ تک مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر نے مکہ معظمہ میں اس حادثہ کی خبر سن کر مجمع عام میں ایک پرجوش تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:-

"اہلِ عراق بڑے غدار اور فاجر ہیں۔ انہوں نے امام حسینؓ

لہ ابن اثیر ج ۴ ص ۱۷

کو بڑے بڑے وعدے کر کے بلایا۔ جب آپ تشریف لے گئے
تو آپ کو گھیر لیا اور مجبور کیا کہ یا وہ غیر مشروط طور پر ابن زیاد کی اطاعت
قبول کریں اور یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ حسینؑ نے یہ
جانتے ہوئے کہ وہ اپنے ٹڈی دل دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب
نہیں ہو سکتے، عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی،
اہل عراق کی یہ غداری و بد عہدی قابلِ عبرت ہے لیکن جو
خدا کو منظور تھا وہ ہوا۔ کیا حسین کی شہادت کے بعد ہم ان
لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار کر سکتے ہیں۔ واللہ دشمنوں
نے اس شخص کو شہید کیا ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو
عبادت کرتا تھا، بزرگی اور دین میں ان سے کہیں بڑھ کر
تھا، اور خلافت کا ان سے کہیں زیادہ حقدار تھا، جو قرآن
کی ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خدا کے خوف سے رونے
کے مقابلہ میں گانے بجانے کو، روزوں کے مقابلہ میں شراب
خواری کو، مجلس میں بیٹھ کر ذکر اللہ کے مقابلہ میں شکاری
کتوں کے ذکر کو پسند نہیں کرتا

آپ کی اس تقریر کے بعد لوگوں نے آپ سے کہا حسین بن علیؓ کے
بعد اب آپ ہی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں، لہذا اپنی خلافت کی بیعت
کھلم کھلا لیجیے۔ لیکن آپ نے ابھی کھل کر میدان میں آنا مناسب نہ سمجھا
اور خاموشی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔

یزید کو عبداللہ بن زبیر کی طرف سے پہلے ہی کھٹکا تھا، اُسے جب اُن کی ان تیاریوں کی اطلاع پہنچی تو اس نے کچھ آدمیوں کو نقرئی زنجیر دے کر ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا، وہاں کے حالات ایسے تھے کہ وہ گرفتار نہ ہو سکے۔

سنہ ۶۲ھ میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والیِ حجاز بنا کر بھیجا۔ عثمان نے اہل مدینہ کو ہموار کرنے کے لیے معززین مدینہ کا ایک وفد شام کو بھجوا دیا۔ اس وفد میں عبداللہ بن حنظلہ انصاری، عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور منذر بن زبیر وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ جب یزید کے دربار میں پہنچے تو وہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، بڑی خاطر و مدارات کی گئی اور رخصت کے وقت گراں قدر نذرانے دیے گئے چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کو ایک لاکھ درہم اور اُن کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار درہم اور منذر بن زبیر کو ایک لاکھ درم دیے گئے لیکن یزید کی یہ تدبیر بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوئی۔ یزید کی حرکات ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو اس کے مخالف ہو گئے۔ اور مدینہ میں آکر بیان کیا:

> ہم اس شخص کے پاس سے آرہے ہیں جسے دین سے کچھ واسطہ نہیں، شراب نوشی، نغمہ و سرود، سیر و شکار اس کے دلچسپ مشاغل ہیں۔ آوارہ لوگوں کی صحبت اس کو عزیز ہے، ہم اُس کی بیعت توڑتے ہیں اور اس کی دی ہوئی رقم اس کے مقابلہ

کی تیاریوں میں صرف کرینگے۔"

اب مدینہ میں یزید کے خلاف عام شورش بھڑک اٹھی، اہل مدینہ نے عثمان بن محمد کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا والی مقرر کیا۔

یزید کو مدینہ کے امویوں نے کل حالات کی اطلاع دی۔ یزید اس مرتبہ نرمی کے ساتھ کام لینا چاہتا تھا اُس نے بشیر بن نعمان انصاری کو مدینہ بھیجا۔ بشیر بن نعمان نے اہل مدینہ کو سمجھایا کہ دشمن قوی ہے تم اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت اختیار کی جائے۔ مگر نعمان کی بات کو کسی نے نہ سُنا۔

نعمان بن بشیر کی واپسی کے بعد اہل مدینہ نے تمام امویوں کو مروان بن الحکم کے گھر میں قید کر دیا۔ امویوں نے ایک شخص کو یزید کے پاس بھیجا، جس نے اُسے کل حالات کی اطلاع دی۔

یزید نے عمر بن سعد سابق والیِ حجاز سے مدینہ جانے کے لیے کہا مگر عمر نے جواب دیا "اب میں قریش کا خون بہانے کے لیے وہاں نہ جاؤنگا" پھر یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ پر لشکر کشی کرے۔ عبیداللہ بھی تیار نہ ہوا، اور کہا کہ "میں یزید کے لیے ابن رسول اللہ کے قتل، اور حرمین شریفین کی بے حرمتی دو بڑے گناہوں کو نہ ملاؤنگا۔"

آخر اس بدبختی کا قرعہ مسلم بن عقبہ مری کے نام نکلا۔ وہ بوڑھا اور بیمار تھا مگر اسی حال میں بارہ ہزار لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا اس لشکر کو علاوہ تنخواہ کے فی کس سو دینار انعام کا لالچ دیا گیا تھا۔

یزید نے چلتے وقت مسلم کو ہدایت کی۔ اہل مدینہ کو تین مرتبہ اطاعت کی دعوت دینا، اگر نہ مانیں تو لڑنا اور کامیابی کے بعد تین دن مدینہ کو لوٹنا تین دن کے بعد ہاتھ روک لینا، علی بن حسین کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا، ان کا خط میرے پاس آچکا ہے وہ اس ہنگامہ سے علیحدہ ہیں۔

مسلم بن عقبہ لشکرِ شام کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اہل مدینہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے محصور امویوں کے ساتھ سختی شروع کر دی اور انہیں قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ مگر امویوں نے کہا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیجیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی مخالفت میں مسلم کی کوئی مدد نہیں کرینگے اور نہ آپ کا کوئی راز ان پر ظاہر کرینگے۔ اہل مدینہ نے عہد و پیمان لے کر انہیں چھوڑ دیا ان لوگوں کی وادی قریٰ میں مسلم بن عقبہ سے ملاقات ہوئی۔ مسلم نے عمرو بن عثمانؓ بن عفان کو بلا کر مدینہ کے حالات پوچھے۔ عمرو بن عثمان نے کہا "مجھ سے وعدہ لے لیا گیا ہے، میں آپ کو کوئی بات نہیں بتا سکتا"۔ مسلم نے بگڑ کر کہا "اگر تم حضرت عثمانؓ کے بیٹے نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ پھر مسلم نے عبد الملک بن مروان کو بلایا۔ عبد الملک نے تمام حالات بتا کر کہا:۔

"یہاں سے چل کر مقام ذی نخلہ میں قیام کرو، اور وہاں کے چھوارے کھاؤ، دوسرے دن صبح کو مدینہ کو بائیں جانب چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ، پھر گھوم کر حرّہ کی طرف سے مشرق کی جانب سے تم مدینہ میں داخل ہو اس طرح سورج کی تکلیف تم کو نہ پہنچیگی، بلکہ

اہل مدینہ کو پہنچیگی اور جب سورج کی کرنیں تمہارے خودوں ،
زرہوں اور تلواروں اور نیزوں پر پڑینگی تو تمہارے دشمنوں
کی آنکھیں خیرہ ہو جائینگی"۔

مسلم نے عبدالملک کی رائے کو پسند کیا اور حرّہ کی طرف سے مدینہ کو گھیر لیا۔ یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم نے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت اور تین دن کی مہلت دی لیکن اہل مدینہ نے یزید کی بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخرِ کار شدید جنگ ہوئی۔

اہل مدینہ بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں آئے تو اہل شام مرعوب ہو گئے اور لڑائی سے گریز کرنے لگے۔ مسلم نے اُنہیں بُرا بھلا کہا اور لڑائی پر اُکسایا تو لڑنے لگے۔ اہل مدینہ بڑی بہادری کے ساتھ دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ یکایک اُنہوں نے اپنی پشت کی طرف سے تکبیروں کی آوازیں سُنیں۔ معلوم ہوا کہ بنی حارثہ نے اہل شام کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیا ہے یہ سُن کر اہل مدینہ کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھگدڑ میں اُنہیں خندق کا بھی خیال نہ رہا۔ چنانچہ جو لوگ خندق میں گر کر جاں بحق ہوئے ان کی تعداد مقتولین سے زیادہ تھی۔

اس فتح کے بعد مسلم نے مدینہ کے لُوٹنے کا حکم دیا۔ تین دن تک قتل و خون اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر مسلم نے اعلان کیا کہ جو شخص اس شرط پر یزید کی بیعت کرے کہ اسے اس کی جان اور مال میں ہر قسم کے

تصرف کا حق حاصل ہوگا اُسے چھوڑ دیا جائیگا اور جو انکار کریگا اُسے قتل کر دیا جائیگا۔ اس اعلان پر سختی سے عمل کیا گیا اور جس نے ذرا بھی چون و چرا کی اُسے تہ تیغ کر دیا گیا۔

یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم نے امام زین العابدین علی بن حسین کو اس قسم کی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔ اور ان کے ساتھ عزت سے پیش آیا۔ یہ افسوسناک واقعہ جو یزید کی پیشانی کا دوسرا سیاہ داغ ہے ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو پیش آیا۔ اس حادثہ میں اکابر و اشراف قریش عبداللہ بن حنظلہ، فضل بن عباس بن ربیع، عبداللہ بن مطیع وغیرہ شہید ہوئے

محاصرۂ مکہ

نعمان بن بشیر جب اہل مدینہ کو سمجھانے کے لیے مدینہ آئے تو وہ یہاں سے فارغ ہو کر مکہ بھی گیے اور عبداللہ بن زبیر کو یزید کی مخالفت سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ مگر عبداللہ بن زبیر نے اپنے اور یزید کا موازنہ کرنے کے بعد نعمان سے پوچھا۔ کیا ان حالات میں بھی تم مجھے یزید کی بیعت کا مشورہ دوگے؟ نعمان نے جواب دیا: مجھے آپ کی فضیلت کا اعتراف ہے، نہ میں آپ کو اس قسم کا مشورہ دونگا۔ نہ آئندہ کبھی اس مقصد کے لیے حاضر ہونگا۔

مدینہ کا انقلاب عبداللہ بن زبیر کی دعوت کا نتیجہ تھا۔ اس لیے یزید کے حکم کے مطابق مدینہ کی غارتگری سے فارغ ہو کر مسلم بن عقبہ نے مکہ کی راہ لی۔ مسلم بہت بوڑھا اور پرانا مریض تھا، مقام مشلل میں ہی پہنچا تھا کہ فرشتۂ موت نے اس کا راستہ روک دیا۔ مرتے وقت اس نے کہا:

"اے اللہ! تیری وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت
کے اعتراف کے بعد میرا سب سے بہتر عمل جس پر مجھے ثواب
آخرت کی توقع ہے، اہل مدینہ کا قتل عام ہے" [۱]

مسلم نے حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا، حصین بن نمیر نے ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن زبیر نے پہلے مکہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا، سخت جنگ ہوئی، اور ان کے بھائی منذر بن زبیر شہید ہوئے۔ آخر انہوں نے مکہ میں محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ وقتاً فوقتاً دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ مگر مکہ فتح نہ ہوا۔ آخر حصین بن نمیر نے ۳۔ ربیع الاول ۶۴ھ کو منجنیقوں سے خانہ کعبہ پر سنگباری اور آتشباری کی۔ خانہ کعبہ کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا۔ اور اس کے پردے اور لکڑیاں جل گئیں [۲]

یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ شام سے یزید کی موت کی خبر آئی اور لڑائی ختم ہو گئی۔

فتوحات

فتوحاتِ افریقیہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقبہ بن نافع سے امیر معاویہ نے دوبارہ افریقیہ کا والی مقرر کرنے کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ اپنی زندگی میں اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے ۶۴ھ میں یزید

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۹۔ [۲] ایضاً

نے اس وعدہ کو پورا کیا۔ عقبہ فوراً قیروان پہنچے اور وہاں کے امیر ابوالمہاجر کو قید کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر عقبہ کو ایک جگہ بیٹھنے میں لطف نہ آیا، اور انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو جمع کر کے کہا "میں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ لہذا جب تک زندہ رہونگا۔ کفار سے جہاد کرتا رہونگا" پھر زہیر بن قیس بلوی کو قیروان پر اپنا قائم مقام بنا کر ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا۔

پہلے باغایہ پہنچے وہاں رومیوں کے ایک لشکر جرار سے مقابلہ ہوا سخت جنگ ہوئی۔ آخر کار مسلمان کامیاب ہوئے اور بہت کچھ مال و متاع ان کے ہاتھ آیا۔ رومی شکست کھا کر شہر میں محصور ہو بیٹھے۔ عقبہ کچھ عرصہ محاصرہ کیے رہے مگر زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور علاقہ زاب کا رخ کیا یہ علاقہ بہت وسیع تھا اور یہاں بہت سے شہر اور قصبے آباد تھے۔ عقبہ نے زاب کے سب سے بڑے شہر اریہ پہنچ کر مقام کیا۔ اریہ میں رومیوں اور نصرانیوں سے متعدد مقابلے ہوئے مسلمان فتحیاب ہوئے اور دشمن کچھ قتل ہوئے کچھ پہاڑی علاقوں کی طرف نکل گئے۔

یہاں سے عقبہ تاہرت کی طرف بڑھے۔ وہاں کے رومیوں کو جب مسلمانوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے بربریوں کو بڑی تعداد میں اپنی مدد کے لیے بلا لیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو بڑی تشویش پیش آئی لیکن آخر کار فائز و منصور ہوئے اور بہت کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

قاہرت سے عقبہ طنجہ پہنچے، یہ بحر روم کے کنارے افریقہ کا آخری شہر تھا، یہاں کے حکمراں بولیان نے اطاعت قبول کرلی اور مسلمانوں سے اچھی طرح پیش آیا۔ طنجہ سے عقبہ نے سوس ادنی کا رخ کیا۔ یہاں پر بربریوں سے مقابلہ ہوا اور انہیں بے دریغ قتل کیا۔ بربری ادھر ادھر بھاگے۔ مگر مسلمانوں نے ہر جگہ انہیں گھیرا اور قتل کیا۔

سوس ادنیٰ سے فارغ ہو کر سوس اقصیٰ کا قصد کیا۔ یہاں بے شمار بربری مقابلہ کے لیے جمع ہوئے، لیکن مسلمانوں نے انہیں شکست فاش دی اور خوب مال غنیمت حاصل کیا۔

عقبہ پے درپے فتوحات حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جب خشکی کی حد ختم ہو گئی اور بحر ظلمات کے کنارے پہنچے تو انہوں نے کہا:۔

"[1] اے میرے خدا اگر یہ بحر ذخار درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو
تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہوا اسی طرح آگے بڑھتا چلا جاتا۔"

اب عقبہ بن نافع واپس لوٹے۔ ماء الفرس ہوتے ہوئے طنجہ تک عقبہ کی فتوحات کی اس قدر دھاک بیٹھ گئی تھی کہ جس مقام سے گزرتے رومی اور بربری اس مقام کو چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ عقبہ نے اس کامیابی پر نازاں ہو کر اپنی فوج کو منتشر کر دیا۔ اور ایک مختصر جمعیت کو ساتھ لے کر تہوذا پہنچے، وہاں کے رومیوں کو دعوت اسلام دی۔ رومیوں نے اس دعوت کو رد کر دیا۔ اور قلعہ بند ہو بیٹھے۔ پھر تہوذا کے رومیوں نے ایک ایسی چال چلی کہ عقبہ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۳۔

کی تمام فتوحات پر پانی پھر گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کسیلہ بن مکرم ایک با اثر بربری سردار تھا۔ یہ ابوالمہاجر کے زمانہ حکومت میں مسلمان ہو گیا تھا اور وہ اس سے عزت و محبت کا برتاؤ برتتے تھے۔ کسیلہ نے بھی اپنے طرز عمل سے خود کو اس برتاؤ کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

جب عقبہ بن نافع والی ہو کر آئے تو ابوالمہاجر نے ان سے کسیلہ کی سفارش کی، اور اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھنے کا مشورہ دیا۔ عقبہ نے کسیلہ کو ابوالمہاجر کا آدمی سمجھ کر اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اور ایک مرتبہ اسے جانور ذبح کرنے پر مجبور کیا۔ کسیلہ کو یہ توہین بہت ناگوار گزری اور وہ مرتد ہو گیا اور عقبہ سے انتقام لینے کے لیے موقع کی تاک میں رہا۔ مگر بظاہر اس نے اس طرزِ عمل میں فرق نہ آنے دیا۔

تہوذا کے رومیوں کو اس کے ارادہ کی خبر تھی۔ عقبہ تہوذا کے قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ تہوذا کے رومیوں نے کسیلہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر عقبہ سے انتقام لینا چاہتے ہو تو فوراً اپنی جماعت کو لے کر چلے آؤ۔ عقبہ کے پاس اس وقت مٹھی بھر آدمی ہیں انہیں شکست دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر ہم بھی تمہاری مدد کے لیے موجود ہیں۔"

کسیلہ نے ایک لشکر جرار فراہم کر کے پیچھے سے مسلمانوں کو آگھیرا۔ یہ دو طرف سے گھرے ہوئے مٹھی بھر مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور آخر ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔

مقابلے سے پہلے عقبہ بن نافع نے ابو المہاجر کو آزاد کر دیا، اور کہا کہ "آپ لوٹ جائیں اور مسلمانوں کی دیکھ بھال کریں" مگر انہوں نے میدان سے واپس ہونا پسند نہ کیا اور عقبہ کے پہلو بہ پہلو لڑ کر جان دی۔

تہوذا کی اس شکست نے افریقیہ میں مسلمانوں کے اقتدار کی جڑیں اُکھاڑ دیں۔ زہیر بن قیس بلوی نے قیروان میں مسلمانوں کو منظم ہو کر لڑنے کے لیے اُبھارا مگر مسلمان کچھ ایسے شکستہ دل ہو چکے تھے کہ کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر زہیر قیران چھوڑ کر برقہ چلے آئے۔ اور کسیلہ نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ کسیلہ کا یہ قبضہ ۶۹ھ تک رہا۔

فتوحاتِ خُراسان

۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان و سجستان کا والی مقرر کیا اور عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ چھ ہزار منتخب سوار اپنے بھائی مسلم کے حوالہ کر دے۔ مسلم نے اس جمعیت کو لے کر جس میں عمران بن فضیل، مُہلب بن ابی صفرہ، طلحہ بن عبید اللہ وغیرہ شامل تھے دریائے جیحون کو پار کیا۔

خوارزم کے قریب خراسان اور ترکستان کے سرداروں نے ایک شہر کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ موسم سرما میں جب مسلمان حکام مرو شاہجہان چلے جاتے تو یہ سردار جمع ہو کر آپس میں مشورے کرتے اور مسلمانوں کے مقابلہ کی تدبیریں سوچتے۔ مسلم سے اجازت لے کر مہلب بن ابی صفرہ نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے سرداروں نے پانچ کروڑ کی قیمت کا سامان دے کر مہلب سے صلح کر لی۔ اس کے بعد مسلم نے سمرقند اور خجند

پر فوج کشی کی۔

فتوحاتِ سجستان مسلم بن زیاد نے اپنے بھائی یزید بن زیاد کو سجستان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ مگر اہل کابل نے بغاوت کی اور ابو عبیدہ بن زیاد کو قید کر لیا۔ یزید بن زیاد ایک فوج لے کر مقابلہ کے لیے گیا مگر شکست کھائی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مسلم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبداللہ خزاعی کو بھیجا۔ طلحہ نے پانچ لاکھ درہم فدیہ دے کر ابو عبیدہ کو رہا کرایا۔

اس کے بعد طلحہ سجستان کے حاکم مقرر ہوئے۔ کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔

مرگِ یزید ۱۴۔ ربیع الاول ۶۴ھ (مطابق ۱۰۔ نومبر ۶۸۳ء) کو یزید کی صبح زندگی کی شام ہوئی۔ موت کے وقت اس کی عمر اڑتیس ۳۸ سال تھی۔ تین سال آٹھ مہینے چودہ دن بر سرِ حکومت رہا۔

اولادِ یزید یزید کا نکاح ام ہاشم بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہوا اس کے بطن سے دو لڑکے معاویہ اور خالد پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح ام کلثوم بنتِ عبداللہ بن عامر سے ہوا اس کے بطن سے ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ امہات اولاد سے یزید کے یہ بیٹے ہوئے عبداللہ اصغر، عمر، ابوبکر، عتبہ، حرب اور عبدالرحمٰن۔

معاویہ ثانی

۶۴ھ

یزید کی موت کے بعد دمشق میں ربیع الاول ۶۴ھ میں اس کا بیٹا معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔

معاویہ اکیس سال کا نوجوان صالح تھا، یزید کے زمانہ میں جو اموی مسندِ حکومت خونِ اہل بیت سے داغدار ہو چکی تھی وہ اس پر متمکن ہونا پسند نہ کرتا تھا، پھر وہ کچھ بیمار بھی تھا۔ بیعت کے چالیس دن بعد وہ خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اور مجمع عام میں یہ تقریر کی:۔

"میں خلافت کا بار اُٹھانے کی طاقت نہیں پاتا۔ میں نے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ جیسا کوئی شخص اپنا جانشین بنا دوں مگر ایسا کوئی مجھے نہ ملا۔ پھر میں نے چاہا کہ حضرت عمرؓ کی طرح چند اہل شوریٰ کو نامزد کر دوں مگر اس کے لیے بھی موزوں اشخاص مجھے نہ مل سکے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جسے مناسب سمجھو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

اس تقریر کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا اور بیعت سے تین مہینے بعد انتقال کر گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی نے زہر دیا گیا تھا۔[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۱۔

عبداللہ بن زبیر — مروان بن حکم

سنہ ۶۴ تا ۷۳ھ — سنہ ۶۴ تا ۶۵ھ

حصین بن نمیر مکہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ دمشق سے یزید کی موت کی خبر آئی۔ یہ خبر پہلے عبداللہ بن زبیر کو معلوم ہوئی، انہوں نے اعلان کرایا:

"اے اہل شام کیوں لڑ رہے ہو، تمہارا سردار تو مر گیا"۔

اہل شام کو ابن زبیر کی بات کا یقین نہ آیا۔ مگر جب خود اُن کے خبر رساں نے انہیں خبر پہنچائی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ حصین بن نمیر نے ابن زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آج کسی تنہائی میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مقام ابطح میں ملاقات ہوئی تو حصین نے کہا۔

"اب آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار کوئی نہیں ہے اور میرے ساتھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں۔ میرے ہمراہی شام کے شرفاء و معززین ہیں۔ ان کی حمایت کے بعد کسی کو آپ سے اختلاف کی ہمت نہ ہوگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ اپنے دشمنوں کو امن عام دیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو خونریزی ہو چکی ہے اُسے معاف کریں"۔

عبداللہ بن زبیر نے جواب دیا:۔

"اہل حرم کے خونوں کو معاف کرنا ناممکن ہے، واللہ میں ایک ایک حجازی کے قصاص میں دس دس شامیوں کو قتل کر کے بھی نہ مانونگا۔"

حصین بن نمیر نے کہا:۔

"میں تو آپ کو مدبر آدمی سمجھتا تھا، مگر میرا خیال غلط نکلا۔ میں آپ سے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا ہوں، اور آپ چیخ کر جواب دیتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی پیشکش کرتا ہوں اور آپ قتل و ہلاکت کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حصین بن نمیر اپنے لشکر میں چلا گیا اور مدینہ کے راستہ شام روانہ ہو گیا۔ بعد میں عبداللہ بن زبیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ نے راستہ میں حصین بن نمیر کو پیغام بھیجا:۔

"میرا شام جانا تو ممکن نہیں ہے، البتہ اگر تم لوگ یہیں میرے ہاتھ پر بیعت کر لو تو میں تمہیں امن دینے کے لیے تیار ہوں

مگر حصین بن نمیر نے جواب دیا

"آپ کے شام تشریف لے جائے بغیر کام نہ چلیگا۔"[1]

یزید کے انتقال کے بعد حجاز میں عبداللہ بن زبیر کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبیداللہ بن زبیر کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ عبیداللہ نے بنی امیہ کے تمام افراد کو جن میں مروان بن حکم اور اس کا

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۱

بیٹا عبد الملک بھی تھا۔ مدینہ سے نکلوا دیا، یہ لوگ شام چلے گئے۔

مصر میں عبد اللہ بن زبیر کی خلافت تسلیم کر لی گئی۔ عبد الرحمٰن بن جحدم فہری مصر کے والی مقرر ہوئے۔ البتہ عراق و شام کے واقعات ذرا تفصیل طلب ہیں۔

عراق بصرہ میں ابن زیاد کو جب یزید کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس نے عام جلسہ میں یہ تقریر کی۔

"اے اہل بصرہ! میں یہیں پیدا ہوا اور یہیں پلا بڑھا، اور یہیں کا والی مقرر ہوا۔ جب یہاں کی ولایت پر میرا تقرر ہوا تو فوجی دفتر میں تمہارے ستر ہزار جوانوں کے نام درج تھے، لیکن آج ایک لاکھ جوانوں کے نام درج ہیں، اسی طرح انتظامی عہدوں پر تمہارے نوے ہزار آدمی مقرر تھے لیکن آج یہ تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تک پہنچ گئی ہے تمہارے سب دشمنوں کو میں نے قید خانوں میں بند کر دیا ہے، اب کوئی ایسا نہیں جس سے تمہیں کھٹکا ہو۔

یزید کا انتقال ہو گیا ہے اور شام میں تخت نشینی کے متعلق جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تم قوت و طاقت اور دولت و ثروت کے لحاظ سے دوسرے ملک کے لوگوں سے ممتاز ہو۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔ جسے تم انتخاب کر لو گے میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لونگا

اہل شام نے کسی موزوں آدمی کو انتخاب کیا تو تمہیں اختیار
ہو گا کہ تم بھی اسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو یا اپنی خلافت جداگانہ
قائم رکھو، تمہیں دوسرے ملکوں کی مدد کی ضرورت نہیں ہے،
وہی تمہارے محتاج ہیں"۔

حاضرین نے کہا۔ آپ کی تجویز معقول ہے۔ ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس منصب کا اہل نہیں پاتے۔ ہاتھ بڑھائیے کہ بیعت کریں۔

ابن زیاد نے تین مرتبہ انکار کیا لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی خلافت کی بیعت لے لی۔ مگر اہل عراق کی فطرت بدل نہیں سکتی تھی۔ ادھر وہ بیعت کر کے نکلے اور ادھر انہوں نے دیواروں سے ہاتھ مل مل کہنا شروع کیا:۔

"کیا ابن مرجانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم راج کے زمانے بھی اور خراج
کے زمانے میں بھی اس کی اطاعت کریں گے"

اہل بصرہ سے بیعت لینے کے بعد ابن زیاد نے قاصد کوفہ بھیجا اس نے وہاں جا کر کہا "اہل بصرہ نے ابن زیاد کے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے تم بھی اس بیعت میں شامل ہو جاؤ" مگر انہوں نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ابن سمیہ سے چھٹکارا ملا۔ اب ہم ہرگز اس کی بیعت نہ کریں گے" پھر انہوں نے ابن زیاد کے قاصدوں کی سنگریزوں سے تواضع کی۔

اہل بصرہ کو جب اہل کوفہ کا حال معلوم ہوا تو انہیں بھی جرأت ہوئی اور انہوں نے بھی کھلم کھلا ابن زیاد کی بیعت سے انکار کرنا شروع

کردیا۔ ابن زیاد جس بات کو کہتا اُس کی مخالفت کی جاتی اور جو حکم دیتا اس کی تعمیل سے انکار کردیا جاتا۔ اسی دوران میں ایک شخص مسلمہ بن ذویب تمیمی نے عبداللہ بن زبیر کی دعوت دینی شروع کردی لوگ دھڑا دھڑان کی بعیت کرنے لگے۔

ابن زیاد نے حالات کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی، مگر بات اس کے قابو سے باہر ہوچکی تھی۔ اب بصرہ میں ٹھہرنا اُس کے لیے خطرناک تھا چنانچہ منہ پر نقاب ڈال کر راتوں رات نکل بھاگا اور بنی ازد کے سردار مسعود بن عمر کو ایک لاکھ رشوت دے کر چند روز اس کے یہاں قیام کیا، پھر وہاں سے شام چلا گیا۔ ابن زیاد کے بصرہ چھوڑنے کے بعد اہل بصرہ نے عارضی طور پر عبداللہ بن حرث عرف "بیہ" کو اپنا والی منتخب کیا۔ اور عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ تسلیم کیا۔

اہل کوفہ نے بھی ابن زیاد کے مقرر کردہ والی کو نکال کر عامر بن مسعود کو عارضی طور پر والی مقرر کیا۔ اور عبداللہ بن زبیر کو قبولِ بعیت کی اطلاع دی۔

عبداللہ بن زبیر نے ان دونوں شہروں میں اپنی طرف سے والی مقرر کرکے بھیج دیے۔

شام ملک شام کا سیاسی مطلع نہایت غبار آلود تھا۔ شام میں بنو اُمیہ کی طاقت کا دارومدار دو بڑے قبیلوں بنو کلب اور بنو قیس پر تھا۔ بنو کلب میں یزید بن معاویہ کی ننھیال تھی، وہ اپنے تعلقات کی وجہ

سے خلافت کو بنو امیہ میں دیکھنا چاہتے تھے، مگر بنو قیس، عبداللہ بن زبیر کے حامی ہو گئے تھے، پھر بنو کلب اور اُن کے ہم خیال بھی متفق الرائے نہ تھے۔ کچھ خالد بن ولید کے حق میں تھے۔ کچھ مروان بن حکم کو پسند کرتے تھے اور کچھ عمر بن سعید بن عاص کا نام لیتے تھے۔

ضحاک بن قیس والیِ دمشق جو بنو قیس کے سردار تھے، عبداللہ بن زبیر کی دعوت دے رہے تھے۔ نعمان بن بشیر امیر حمص اور زفر بن حارث امیر قنسرین اُن کے مددگار تھے۔ حسّان بن مالک کلبی والیِ فلسطین جو بنو کلب کا سردار تھا، بنو امیہ کا سرگرم حامی تھا۔

یہ حالات تھے جس وقت مروان بن حکم مدینہ منورہ سے شام پہنچا۔ شام کی جو بنو امیہ کا مرکز حکومت تھا۔ یہ حالت دیکھ کر مروان بن حکم کا یہ ارادہ ہوا کہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لے۔ مگر اسی زمانہ میں عبید اللہ بن زیاد عراق سے شام پہنچ گیا۔ اُس نے مروان بن حکم سے کہا آپ قوم کے سردار ہیں آپ کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔

مروان بن حکم نے کہا۔ اگر تمہاری یہی رائے ہے تو ابھی وقت باقی ہے، چنانچہ مروان دمشق پہنچا اور اس نے بنی اُمیہ کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو روکنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

جامع دمشق میں ہنگامہ

اُدھر حسان بن مالک نے جو بنی اُمیہ کی دعوت کے سلسلہ میں اردن آیا ہوا تھا، ضحاک بن قیس والیِ دمشق کے پاس ایک خط بھیجا جس میں بنی اُمیہ کی خوبیاں،

اُن کے احسانات اور ان کے حقوق بیان کیے گئے تھے۔ اور ابن زبیر کی مذمت کی گئی تھی، اور انہیں باغی قرار دیا گیا تھا۔ اور ضحاک سے درخواست کی گئی کہ وہ اس خط کو جمعہ کی نماز کے بعد جامع دمشق میں پڑھ کر سنا دیں ضحاک نے خط کو سُنانے سے انکار کیا تو قاصد نے حسّان کی ہدایت کے مطابق خود منبر پر چڑھ کر یہ خط مجمع عام میں سُنایا۔

اس پر جامع دمشق میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ابن زبیر اور بنی اُمیّہ کے حامی آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ خالد بن یزید کی مداخلت سے ہنگامہ رفع ہوا۔

ضحاک بن قیس نے بنی اُمیہ کے چند آدمیوں کو جو اس ہنگامہ میں پیش پیش تھے گرفتار کر لیا، مگر ان لوگوں کے عزیز و قریب زبردستی ان کو چھڑا کر لے گئے۔

ضحاک بن قیس اس ہنگامہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ معاملہ اگر گفت و شنید کے ذریعے طے ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ جائینگی۔

ضحاک نے اپنے اس خیال سے دمشق کے سرداران بنی اُمیہ کو آگاہ کیا، چنانچہ یہ طے پایا کہ مقام جابیہ میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے اور وہاں گفت و شنید کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

ضحاک بن قیس دمشق سے جابیہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے مگر ان کے بعض مشیروں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہاں جانا بیکار ہے۔ آپ کو ابن زبیر

کی حمایت کے لیے میدان میں آنا چاہیے۔ ضحاک نے جابیہ کا ارادہ فسخ کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر مرج راہط میں مقیم ہو گئے۔

مؤتمر جابیہ اور مروان کا انتخاب

مؤتمر جابیہ میں حامیانِ ابن زبیر نے تو شرکت نہ کی مگر بنی امیہ کے تمام بہی خواہ اور مددگار وہاں جمع ہوئے اور انہوں نے ایک مرکز پر جمع ہونے میں اس زریں موقع سے فائدہ اُٹھانے کی پوری کوشش کی۔

چالیس روز تک یہ عظیم الشان مؤتمر جاری رہی، اور گرما گرم تقریریں ہوتی رہیں۔ مالک بن ہبیرہ سکونی نے کہا" خالد بن یزید سے ہماری رشتہ داری کے تعلقات ہیں، اس کے باپ نے ہمارے ساتھ جو احسانات کیے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ خود خالد بھی ہمارے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیگا، ہم اسی کی بیعت کرینگے۔

حصین بن نمیر نے کہا۔ یہ کیا مناسب ہے، کہ ہمارے مخالف ہمارے سامنے ایک بوڑھے شخص کو پیش کریں اور ہم ایک بچہ کی طرف دعوت دیں بہتر یہ ہے کہ مروان بن حکم کی بیعت کی جائے۔

آخر روح بن زنباع جذامی نے ایک فیصلہ کن تجویز پیش کرتے ہوئے کہا: "مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید بن عاص کو خلیفہ نامزد کیا جائے"۔

یہ تجویز ایسی تھی کہ تمام مختلف الخیال عناصر کے لیے اطمینان بخش ہو سکتی تھی، چنانچہ ۳۔ ذی قعدہ ۶۴ھ کو تمام بنو امیہ اور ان کے حامیوں

نے مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

جنگ مرج راہط خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مروان بن حکم اپنے حامیوں کو ساتھ لے کر مرج راہط کی طرف بڑھا، جہاں ابن زبیر کے داعی ضحاک بن قیس مقیم تھے۔

ضحاک نے حمص میں نعمان بن بشیر اور قنسرین میں زفر بن حارث کو لکھ کر مدد حاصل کرلی۔ دونوں جماعتوں میں ہولناک لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی بیس روز تک جاری رہی آخر ابن زبیر کے حامیوں کو شکست ہوئی ضحاک بن قیس اور بنو قیس کے دوسرے بڑے بڑے سردار میدان جنگ میں کام آئے۔ یہ واقعہ محرم ۶۵ھ کا ہے۔

اس جنگ نے شام کا میدان مروان بن حکم کے لیے صاف کردیا۔ عبداللہ بن زبیر کے بچے کھچے حامیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ نعمان بن بشیر والی حمص نے فرار ہونے کا ارادہ کیا مگر گرفتار ہوئے اور قتل کر دیے گئے۔ زفر بن حارث والیِ قنسرین قرقیسیا کی طرف نکل بھاگے۔

مروان کا مصر پر قبضہ مرج راہط کی فتح کے بعد مروان نے شام میں اپنے والی مقرر کیے اور انتظامات درست کر کے مصر کا رُخ کیا۔

مصر پر عبداللہ بن زبیر کی طرف سے عبدالرحمٰن بن حجدم والی تھے انہیں مروان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لیے نکلے۔ مگر مروان بن حکم نے عمرو بن سعید کو کچھ فوج دے کر دوسری طرف سے مصر میں داخل کردیا۔ ابن حجدم نے مقابلہ فضول سمجھ کر ہتھیار ڈال دیے اور مصر بلا مقابلہ مروان

کے قبضہ میں آگیا۔

وفاتِ مروان مروان لطف حکومت سے لذت اندوز ہونے کے لیے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ رمضان المبارک ۶۵ھ میں یکایک اس کا انتقال ہوگیا۔

انتقال سے پہلے اس نے خالد بن یزید اور عمر بن سعید کو ولیعہدی سے خارج کر کے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولیعہد قرار دیا تھا۔ اور خالد کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے اس نے خالد کی ماں سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ خالد بن یزید کو ولیعہدی سے علیحدہ کرنے کے بعد ایک دن بھرے دربار میں مروان نے اس کی توہین کی تھی، خالد نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے مروان کو سوتے ہوئے گلا گھونٹ کر مار دیا۔[1]

ترجمۂ مروان مروان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس۔ ماں کا نام آمنہ بنت علقمہ بن صفوان تھا۔ مروان ۲ھ میں پیدا ہوا۔ مروان کے والد حکم نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔ مگر در پردہ مسلمانوں کی جاسوسی کرتا رہا۔ چنانچہ رسول اکرم صلعم نے اسے طائف جلا وطن کر دیا۔

حکم عہد نبوی اور عہد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں طائف ہی میں رہا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۵۔

مگر حضرت عثمان کا وہ حقیقی چچا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلعم سے اس کی واپسی کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ اس لیے اپنے زمانہ میں آپ نے اسے مدینہ بلا لیا۔

حضرت عثمانؓ نے مروان کو اپنا کاتب (سکریٹری) مقرر کیا تھا اور آپ کی مہر بھی اسی کی تحویل میں رہتی تھی۔ مصری شورش پسندوں کے قتل کا حکم لکھ کر اسی نے حضرت عثمان کی مہر اس پر ثبت کردی تھی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت معاویہ کے زمانہ میں وہ کئی مرتبہ مدینہ کا والی مقرر ہوا۔ حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے، اور کبھی اعادہ نہ کرتے تھے[1]۔ سب سے پہلے بنی امیہ میں اسی نے عید کی نماز میں خطبہ کو مقدم کیا۔

یزید کے مرنے کے بعد، جب وہ مدینہ سے نکل کر شام پہنچا تو عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار تھا، مگر عبیداللہ بن زیاد نے اسے روک دیا۔ اور حصول خلافت کی کوشش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اس نے کوشش کی اور کامیاب ہوا۔ اس کا دائرۂ حکومت شام و مصر تک محدود رہا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۵۔

عبدالملک بن مروان عبداللہ بن زبیرؓ

سنہ ۶۵-۸۶ھ سنہ ۶۴-۷۳ھ

عبدالملک بن مروان بن حکم ۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ عبدالملک کی نشو و نما مدینہ ہی میں ہوئی۔ اس لیے اس کو فضلاء مدینہ کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کا پورا موقعہ ملا۔ اور اپنے زمانہ کے اساطین علم میں اس کا شمار رہا۔

شعبی کہتے ہیں، کہ میں نے جس کسی سے بھی گفتگو کی اپنے آپ کو اس سے برتر پایا۔ بجز عبدالملک کے کہ اُس سے جب کسی حدیث یا شعر پر گفتگو ہوئی تو اس نے میرے علم میں اضافہ کیا۔"

ابوالزیاد کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں فقہائے مدینہ چار شخص شمار ہوتے تھے۔ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذویب اور عبدالملک بن مروان [1]

علم و فضل کے ساتھ ساتھ، فہم و تدبر اور عزمیت و شجاعت کی دولت سے بھی مالامال تھا جس زمانہ میں تاج شاہی سر پر رکھا گیا عالم اسلامی میں سخت اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف عبداللہ بن زبیر جیسی بااثر شخصیت مقابلہ پر تھی دوسری طرف شیعہ و خوارج کی اندرونی

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۹۔

شورشیں تھیں۔ عبدالملک اپنے فہم و تدبر اور مستقل مزاجی و سخت گیری سے تمام مخالف طاقتوں پر غالب آیا اور بنی امیہ کی حکومت کی بنیادوں کو جو یزید کی موت کے بعد اکھڑ چکی تھیں از سرِ نو قائم کر دیا۔ اسی لیے عبدالملک کو حکومت بنی امیہ کا بانیِ ثانی کہا جاتا ہے۔

توابین کا خروج

مروان نے اپنی موت سے پہلے عبیداللہ بن زیاد کو جزیرہ پر لشکر کشی اور قرقیسا میں زفر بن حارث کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا، اور اُسے ہدایت کی تھی کہ یہاں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے۔ مروان نے عبیداللہ سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ جس قدر علاقہ وہ فتح کریگا، اسی کی حکومت میں دے دیا جائیگا۔ ابن زیاد ابھی جزیرہ ہی میں تھا کہ مروان کی موت کی خبر پہنچی۔ اسی کے ساتھ اُسے عبدالملک کا فرمان ملا کہ اُسے مروان نے جس کام پر متعین کیا تھا اُسے جاری رکھے۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد جزیرہ و قرقیسا کی مہمات سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھا۔ عین الوردہ میں اس کا گروہِ "توابین" سے مقابلہ ہوا۔

توابین کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حضرت امام حسین کی حسرتناک شہادت کے بعد کچھ اہل کوفہ کو حضرت امام کے ساتھ اپنی بیوفائی اور بدعہدی پر سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے طے کیا کہ اس گناہِ عظیم کا کفارہ یہی ہو سکتا ہے کہ قاتلین حسین کو قتل کیا جائے، یا اس کوشش میں اپنی جانوں کو قربان کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو منظم کیا اور سلیمان بن صرد خزاعی مشہور محب اہل بیت کو اپنی تحریک کا رہنما قرار دیا۔

عبد اللہ بن یزید انصاری والی کوفہ کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو انہوں نے توابین سے تعرض نہ کیا، بلکہ اُن کی ہمت افزائی کی اور کہا۔ اگر تم قاتل حسین (ابن زیاد) کے مقابلہ کے لیے نکلو گے تو میں تمہاری مدد کرونگا۔ حکومت کا ایما پا کر ان لوگوں نے کھلم کھلا خون حسینؑ کے انتقام کی دعوت دینی شروع کر دی، اور دھڑا دھڑ ہتھیار خریدے جانے لگے۔

ربیع الآخر ۶۵ھ کا چاند دیکھ کر پانچ ہزار توابین کوفہ سے نکل کر میدان نخیلہ میں جمع ہوئے سلیمان بن صرد نے ایک پرجوش تقریر میں کہا:

"لوگو! جس شخص کو اللہ کی رضا اور روز قیامت کی بہتری مطلوب ہو تو وہ ہمارے ساتھ چلے جسے دنیا درکار ہو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے"۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں "ہمارا مقصد صرف اپنے گناہ کی توبہ اور خونِ حسین کا انتقام ہے، اور کچھ نہیں۔

عبداللہ بن سعد بن نفیل نے کہا۔ "بھائیو قاتلین حسین کی اکثریت تو کوفہ میں موجود ہے انہیں چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کے کیا معنی؟ لوگوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے۔ مگر سلیمان بن صرد نے جواب دیا۔ قاتلین حسینؑ کا سرگروہ عبید اللہ بن زیاد ہے، پہلے اُسے کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے۔ اہل کوفہ سے بعد میں نمٹ لینگے۔

الحاصل یہ لوگ نخیلہ سے شام کے ارادے سے روانہ ہوئے سے پہلے میدان کربلا میں حضرت امام کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے سو ہاں خوب گریہ

بکا کی اور دعا مانگی :-

"اے اللہ حسینؓ شہید پر رحمت نازل فرما، ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم اس کے دین اور اس کے طریقہ پر ہیں، اس کے قاتلین کے دشمن اور اس کے محبین کے دوست ہیں۔ اے اللہ ہم نے جگر گوشۂ رسول سے بیوفائی کی، تو ہمارے اس گناہ کو معاف کر دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔"[1]

کربلا سے رخصت ہو کر یہ لوگ قرقیسا پہنچے، وہاں زفر بن حارث کی مدد حاصل کر کے عین الوردہ کی طرف بڑھے۔ یہاں ابن زیاد کے ایک افسر شرحبیل بن کلاع سے مقابلہ ہوا۔ توابین نے شرحبیل کے لشکر کو شکست دی۔ ابن زیاد نے پھر حصین بن نمیر کو دوسرا لشکر دے کر بھیجا۔ توابین نے اُسے بھی شکست دی، توابین بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے اور اپنے دشمنوں کو شکست دیتے رہے۔ مگر ابن زیاد اُن کے مقابلہ کے لیے تازہ دم فوجیں بھیجتا رہا آخر سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی قتل ہوئے اور جو باقی بچے وہ کوفہ واپس چلے گئے۔

خروج مختار ثقفی اس زمانہ کی بدنظمی و طوائف الملوکی کو دیکھ کر ایک چالاک اور بلند ہمت شخص مختار بن عبید ثقفی کے سر میں بھی حکومت کا سودا سمایا۔ شہادت امام حسینؓ کے زمانہ میں ابن زیاد نے مختار کو قید کر دیا تھا مگر عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش پر بعد میں اُسے رہا کر دیا۔ مگر کوفہ میں رہنے کی اسے ممانعت کر دی۔ مختار کوفہ سے نکل کر حجاز چلا گیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر

عبداللہ بن زبیر کی مجلس میں آمد و رفت شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر خفیہ طور پر اپنی بیعت لے رہے تھے۔ مختار نے ابن زبیر سے کہا میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ کوئی کام میرے مشورے کے بغیر انجام نہ دیں اور جب کامیاب ہو جاؤں تو مجھے کوئی اہم ترین خدمت سپرد فرمائیں ابن زبیر نے کسی قدر تامل کے بعد اس کی یہ شرط قبول کر لی۔

مختار ابن زبیر کے پاس رہا اور حصین بن نمیر کی مکہ معظمہ کی لشکر کشی کے زمانہ میں ان کی طرف سے کارہائے نمایاں انجام دیے جب یزید بن معاویہ کا انتقال ہو گیا اور اہل حجاز و عراق نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی تو وہ ان کے پاس پانچ مہینے اور مقیم رہا، مگر وہ ابن زبیر کی طرف سے بد دل ہو گیا کیونکہ ابن زبیر سے اسے جو توقعات تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں۔

عراق کا ملک ہمیشہ سے شورش و ہنگامہ کا آماجگاہ رہا۔ کسی انقلابی تحریک کے لیے اس سے موزوں تر کوئی اور علاقہ نہ تھا، لہذا مختار کی نگاہیں اسی طرف اٹھیں، اور ہر آنے جانے والے سے وہاں کے حالات کی کھود کرید کرتا رہا۔

ایک مرتبہ ہانی بن حبۃ الوداعی ابن زبیر کے پاس آیا تو حسب معمول مختار بھی اس سے ملا اور کوفہ کے حالات پوچھے، ہانی نے کہا۔ اہل کوفہ ابن زبیر کی اطاعت پر ثابت قدم ہیں مگر وہاں ایک بڑی جماعت ایسی بھی

ہے کہ کوئی اُنہیں ایک نظام میں منسلک کرے تو ساری دنیا کو اپنے جھنڈے تلے لا سکتا ہے۔"

مختار نے کہا "واللہ میں انہیں حق پر جمع کرونگا" اور انہیں لے کر حامیانِ باطل سے مقابلہ کرونگا، اور ہر ظالم اور دشمنِ حق کو ہلاک کردونگا۔

اب مختار نے کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ جب وہ کوفہ پہنچا تو وہاں "تحریک توابین" کا زور تھا۔ اور "انتقام حسینؑ" کی آوازیں دلوں کو گرما رہی تھیں۔ مختار نے بھی یہی نعرہ بلند کیا۔ مگر وہ سلیمان بن صرد کی رہنمائی کو اپنے مقصد کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی گروہ بندی علیحدہ کرنی شروع کردی۔

اس نے شیعیان علی سے کہا "سلیمان ناتجربہ کار آدمی ہے، وہ جنگ کے ڈھنگ سے واقف نہیں، وہ چاہتا ہے کہ خود بھی قتل ہو اور تمہیں بھی قتل کرائے میں ایک طے شدہ اسکیم کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں مجھے مہدی ابن وصی محمد بن حنفیہ نے اپنا وزیر اور تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ تمہاری مدد سے ملحدوں کو قتل کروں اور اہل بیت کے خون کا انتقام لوں [۱]

مختار نے اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ جہاں موقعہ دیکھا اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے بھی پیش کیا اور کہا کہ جبریل اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں اور اسے غیب کی خبریں بتلاتے ہیں [۲]

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۷ [۲] مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ ابن اثیر ج ۶ ص ۱۵۶

چنانچہ سلیمان بن صرد کی جماعت سے علیحدہ مختار ثقفی کی ایک جدا پارٹی بن گئی۔
سلیمان بن صرد کی روانگی کے بعد بعض لوگوں نے عبداللہ بن یزید حظمی اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے کہا کہ مختار بہت خطرناک آدمی ہے اس کے ارادے اچھے نہیں معلوم ہوتے، چنانچہ عبداللہ بن یزید نے مختار کو گرفتار کرکے قید خانہ میں ڈال دیا۔
مختار کچھ عرصہ قید خانہ میں رہا، مگر اس نے پھر حضرت عبداللہ بن عمر سے سفارشی خط لکھوا کر اس وعدہ پر رہائی حاصل کرلی۔ کہ حکومت کے خلاف بغاوت نہ کریگا۔ اور اگر وہ بد عہدی کرے تو اس کے سب غلام اور باندیاں آزاد ہو جائینگی اور خانہ کعبہ پہنچ کر ایک ہزار اونٹنیاں قربان کرنا پڑینگی۔

مختار کا کوفہ پر قبضہ

مختار رہا ہوتے ہی پھر اپنے کام میں لگ گیا، اور اس نے زور شور کے ساتھ حکومت کے خلاف بغاوت کی تحریک شروع کردی۔ اور اس کے حامیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ مختار کی تحریک کو امام محمد بن حنفیہ کی تائید سے بہت فائدہ پہنچا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ کوفہ کے بعض شیعیان علی نے مشورہ کیا کہ مختار نے یہ تحریک محمد بن حنفیہ کے نام پر شروع کر رکھی ہے۔ ہمیں خود امام صاحب کے پاس جاکر اس معاملہ کی تحقیق کرلینی چاہیے۔ عراق سے ایک وفد مدینہ منورہ پہنچ کر محمد بن حنفیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں تمام واقعات سناکر ان کی رائے معلوم کی۔

محمد بن حنفیہ نے اول اہل بیت کے مناقب بیان کیے پھر امام حسینؑ کی حسرتناک شہادت کا ذکر کیا پھر فرمایا تم لوگ مجھ سے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھتے ہو جو اہل بیت کے خون کا قصاص لینا چاہتا ہے تو بھائیو میری دلی آرزو یہ ہے کہ خدا ہمارے دشمنوں سے ان کے مظالم کا انتقام لے خواہ کسی شخص کے ذریعہ سے لے۔

اس وفد کے جانے سے مختار کو بڑی تشویش ہو گئی تھی کہ دیکھیے محمد بن حنفیہ کیا جواب دیتے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ لوگ واپس آئے مختار نے گھبرا کر ان سے پوچھا کہ کہو کیا معلوم ہوا؟ مجھے اندازہ ہوتا کہ تم شک میں مبتلا ہو گئے۔ مگر جب انہوں نے امام صاحب کے جواب کو نقل کیا تو اس نے بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فوراً ایک جلسہ منعقد کر کے کہا:۔

> یہ لوگ امام مہدی کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے ان کو بتایا ہے کہ میں ان کا وزیر، مددگار اور پیغامبر ہوں اور تمہیں حکم دیا ہے کہ بدعہدوں سے جنگ اور اہل بیت کے خون کے قصاص کے معاملہ میں تم میرا ساتھ دو۔

اس دوران میں عبداللہ بن مطیع کوفہ کے نئے والی مقرر ہو کر آ گئے تھے، انہوں نے آتے ہی مختار کی تحریک کو دبانے کی کوشش شروع کر دی تھی، مختار نے اب کھل کر میدان میں آنے اور کوفہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعض مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ اس قسم کے

اقدام سے پہلے کوفہ کے بااثر رئیس اور اہل بیت کے محب ابراہیم بن اشتر کی حمایت حاصل کرنی ضروری ہے۔ مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر ابراہیم کے سامنے پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:-

"محمد مہدی کی طرف سے ابراہیم بن اشتر کے نام۔ اما بعد میں تمہارے پاس اپنا وزیر اور معتمد بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمنوں سے جنگ کرے اور اہل بیت کے خون کا انتقام لے۔ جہاں تک ممکن ہو تم اس کو مدد کرو۔ کوفہ سے شام تک جس قدر علاقہ تمہاری مدد سے فتح ہوگا تم اس کے حاکم بنا دیے جاؤ گے"۔

ابراہیم نے خط کا عنوان دیکھ کر کہا "میرے پاس محمد بن حنفیہ کے خط آتے رہتے ہیں، انہوں نے کبھی اپنے آپ کو مہدی نہیں لکھا"۔ مختار نے کہا: "اب نیا زمانہ ہے، اور نئے حالات ہیں"۔

ابراہیم کے چند ساتھیوں نے گواہی دی کہ یہ خط ہمارے سامنے امام محمد بن حنفیہ نے لکھا ہے۔ ابراہیم بن اشتر نے مختار کو تعظیم کے ساتھ صدر میں بٹھایا اور مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ابراہیم بن اشتر کی شمولیت سے مختار کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ ابراہیم اپنے مسلح ساتھیوں کی جماعت لے کر مختار سے ملنے جایا کرتے۔ ایک دن ابراہیم اپنے سو مسلح ساتھیوں کے ساتھ بازار کے بیچ میں گزر کر مختار کے پاس جا رہے تھے کہ کوتوال شہر ایاس بن مضارب نے انہیں راستہ

میں روک لیا اور اُن سے امیر کوفہ عبداللہ بن مطیع کے پاس چلنے کے لیے کہا۔ ابراہیم بن الاشتر نے ایاس سے راستہ چھوڑ دینے کے لیے کہا اور جب وہ نہ مانا تو اسے قتل کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ۱۴۔ ربیع الاول ۶۶ھ کو مختار نے کوفہ میں علم بغاوت بلند کر دیا، اور قصر امارت کا محاصرہ کر لیا عبداللہ بن مطیع نے جہاں تک ممکن ہو سکا مقابلہ کیا لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیے اور کوفہ سے جان بچا کر نکل گیا۔

کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار عراق کے دوسرے شہروں پر بھی قابض ہو گیا اور وہاں اُس نے اپنے حاکم مقرر کیے۔ البتہ بصرہ ابن زبیرؓ کے ماتحت رہا۔

انتقام حسینؓ کوفہ پر جب مختار کا تسلط ہو گیا تو اس نے قاتلین حسینؑ کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کیا۔ جو کسی طرح جان بچا کر بھاگ گیا، اس کے مکان کو کھدوا کر پھینک دیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن عمر بن سعد، عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بدی، حمل بن مالک محار خولی اصبحی، زیاد بن مالک ضبعی، عمران بن خالد قشیری، عبدالرحمٰن بن ابی خشارہ بجلی، عبداللہ بن قیس خولانی، عثمان بن خالد جہنی، بشیر بن شمیط وغیرہ کو قتل کرا دیا۔ اور بعض کی لاشوں کو آگ میں جلا دیا۔ شمر ذی الجوشن کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا گیا۔

محمد بن حنفیہ قید میں عبداللہ بن زبیرؓ عرصے سے محمد بن حنفیہ اور عبداللہ

بن عباس پر بیعت کے لیے زور دے رہے تھے، اگر یہ دونوں بزرگ کہتے رہے کہ جب تک عالمِ اسلام آپ کی خلافت پر متفق نہ ہو جائیگا ہم بیعت نہ کرینگے۔

جب مختار کا کوفہ پر قبضہ ہو گیا تو اس نے محمد بن حنفیہ سے باقاعدہ بیعت خلافت لینے کی اجازت طلب کی۔ اس سے پہلے مختار اسی قسم کی درخواست امام زین العابدین سے بھی کر چکا تھا۔ مگر آپ اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے تھے اس لیے آپ نے علی الاعلان مسجد نبوی میں اس کی قلعی کھولی اور اس کی محبت اہل بیت کی حقیقت ظاہر کی۔ اُدھر سے مایوس ہو کر جب مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا تو امام موصوف نے محمد بن حنفیہ کو بھی یہی رائے دی کہ وہ اس کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ وہ محض اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اہل بیت کا نام استعمال کرنا چاہتا ہے، مگر محمد بن حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے مشورہ سے ابن زبیر کے مقابلہ میں اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اس کی درخواست کو منظور کر لیا[1]

اب عبداللہ بن زبیر نے محمد بن حنفیہ پر بیعت کے لیے سختی شروع کر دی اور جب وہ نہ مانے تو اُنہیں زمزم کی چہار دیواری میں قید کر دیا اور قتل کی دھمکی دی۔

محمد بن حنفیہ نے مختار کو اپنے حال سے مطلع کیا۔ مختار نے ایک فوج بھیج کر اُنہیں قید سے چھڑا لیا۔ اور چار لاکھ کی رقم بھی اُن کے اخراجات

---

[1] مسعودی برحاشیہ ابن اثیر ج ۶ ص ۱۵۶۔

کے لیے بھیج دی۔

ابن زیاد کا قتل ابن زیاد موصل میں مقیم تھا اور عراق کی پیشقدمی کا ارادہ کر رہا تھا، مختار نے کوفہ پر قابض ہوتے ہی یزید بن انس اسدی کی سپہ سالاری میں اس کے مقابلہ کے لیے ایک فوج بھیجی ابن زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے یزید کو روکنے کے لیے ربیعہ بن مخارق اور عبداللہ بن حملہ کو تین تین ہزار کے دو لشکروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام باتلی میں مقابلہ ہوا۔ یزید بن انس نے شامیوں کو شکست فاش دی، اور ان کے بہت سے آدمی مقتول ہوئے

مگر یزید بن انس سخت بیمار تھا، فتح کے فوراً بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا جانشین ورقاء بن عازب اسدی مقرر ہوا۔ ورقاء کو معلوم ہوا کہ ابن زیاد اسی ہزار کا لشکر لے کر خود مقابلہ کے لیے آرہا ہے، ورقاء نے مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور واپس لوٹ آیا، مختار نے چند روز بعد ابراہیم بن اشتر کی سپہ سالاری میں ابن زیاد کے مقابلہ کے لیے دوسری فوج بھیجی۔ اس فوج میں مختار کے بہترین آزمودہ کار افسر شامل تھے۔

ابن زیاد کو جب اس لشکر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی ایک زبردست فوج ساتھ لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا۔ نہر خاذر پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، شامی لشکر میں سے قبیلہ قیس کے آدمی ابراہیم بن اشتر سے مل گئے۔ ابن زیاد کو شکست فاش ہوئی اور وہ اشتر کے ہاتھ سے مارا گیا ابن زیاد کے علاوہ دوسرا مشہور شامی سردار حصین بن نمیر بھی مقتول ہو

ابراہیم بن اشتر نے ابن زیاد کا سر کاٹ کر جسم کو جلا دیا اور سر مختار کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابن زیاد اور دوسرے شامی افسروں کے سر قصر کوفہ کے ایک گوشہ میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک پتلا سانپ آیا اس نے ان سروں کے بیچ میں ایک چکر لگایا اور پھر ابن زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک میں سے اور ناک میں داخل ہو کر منہ میں سے نکل گیا۔[1]

اس فتح کے بعد، ابن اشتر جزیرہ کے والی ہو کر وہیں ٹھہر گئے۔ انہوں نے جزیرے کے دوسرے شہروں کے لیے اپنی طرف سے حاکم مقرر کیے۔

مختار کی عرب دشمنی

مختار کے ساتھی زیادہ تر عجمی موالی تھے۔ اس کی تحریک عام طور پر انہی میں مقبول ہوئی تھی۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد اس نے ان کو اعزازات و مناصب پر سرفراز کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ان موالی نے اپنے آقاؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سیکڑوں عربوں کو قتل حسین کا الزام رکھ کر قتل کرا دیا اور ان کا مال و دولت خود حاصل کر لیا۔ عربوں کو قدرتی طور پر مختار کا یہ طرز عمل سخت ناگوار گزرا۔ جب مختار نے ابن زیاد کے مقابلہ کے لیے پہلی مرتبہ فوج بھیجی تو عربوں نے اس کے خلاف سخت بغاوت کی مگر ابن اشتر کی مدد سے یہ بغاوت فرو کر دی گئی۔ اس کے بعد مختار نے عربوں کے خلاف اور بھی سخت رویہ اختیار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ سیکڑوں اشراف کوفہ سے بھاگ کر بصرہ چلے گئے۔ جہاں

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰۳ بحوالہ جامع ترمذی

ابن زبیر کی حکومت تھی۔

کرسی علیؓ اس کے علاوہ مختار نے اپنی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے کرسی علیؓ کا ڈھونگ رچایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے ایک بھانجے جعدہ بن ہبیرہ رہا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مختار نے ان کے بیٹے طفیل بن جعدہ سے کہا کہ تمہارے یہاں حضرت علیؓ کی ایک کرسی ہے وہ مجھے دے دو۔ جعدہ نے انکار کیا لیکن جب مختار نے بہت اصرار کرنا شروع کیا تو انھوں نے ایک روغن فروش پڑوسی کے یہاں سے ایک پرانی کرسی لاکر مختار کے حوالہ کردی مختار نے اس کرسی پر ریشمی غلاف چڑھا کر اور ایک خوبصورت صندوق میں رکھ کر عام زیارت کے لیے جامع مسجد میں رکھا اور اعلان کیا کہ جس طرح خدا نے بنی اسرائیل کے لیے تابوت سکینہ فتح و نصرت کی نشانی کے طور پر بھیجا تھا اسی طرح اس اُمت کے لیے یہ کرسی بھیجی ہے۔ ابن زیاد کے مقابلہ کے لیے فوج گئی اس کے ساتھ بھی برکت کے لیے ایک خچر پر لاد کر اور پردے ڈال کر یہ کرسی بھیجی گئی۔ جب میدانِ جنگ میں اہل کوفہ کو فتح ہوئی تو اسے اس کرسی ہی کی کرامت قرار دیا گیا۔

سادہ لوح دماغ اس قسم کے ہتھکنڈوں کا بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کرسی کے متعلق عوام میں مشرکانہ عقیدے پھیل گئے اور اس کے گرد خانہ کعبہ کی طرح طواف ہونے لگا۔

صحیح العقیدہ مسلمان اس بدعقیدگی پر کڑھے اور انھوں نے مختار

کی حرکتوں پر بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ اعشیٰ ہمدانی کہتا ہے :-

شهدت عليكم انكم سبئية	میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سبائی مذہب کے ہو
واني بكم يا شرطة الشرك عارف	او شرک کے پاسبانو! میں تم کو خوب جانتا ہوں
فاقسم ما کرسیکم بسکینة	میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی
وان كان قد لفت عليه اللفائف	تابوت سکینہ نہیں خواہ اس پر تم کتنے
وان ليس كالتابوت فينا وان سعت	ہی غلاف چڑھاؤ۔ اور نہ یہ تابوت سکینہ
شبام حواليه ونهد وخارف	کی مانند ہے۔ خواہ شبام و نہداو خارف
واني امرء احببت آل محمد	اس کے گرد چکر لگائیں۔ میں تو محب آلِ
وتابعت وحيا ضمنته المصاحف	محمد ہوں اور صرف اس وحی کو مانتا
	ہوں جو کلام پاک میں محفوظ ہے۔[1]

مصعب اور مختار کا مقابلہ

کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کا والی مقرر کر کے بھیجا، انہوں نے جامع کوفہ میں قرآن کریم کی ان آیات کے ذریعہ اپنا پیغام اہل کوفہ کو پہنچایا :-

طسم تلك آيات الكتب	یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ہم آپ
المبين ۝ نتلوا عليك من	کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ حقیقی احوال
نبأ موسى وفرعون بالحق	سناتے ہیں ان لوگوں کے اطمینان
لقوم يؤمنون ۝ ان فرعون	کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔ درحقیقت

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰۰

علا فی الارض وجعل	فرعون ملک میں چڑھ رہا تھا، اور اس
اھلھا شیعا یستضعف	نے اہل ملک کو کئی فرقوں میں تقسیم
طائفۃ منھم یذبح	کر دیا تھا اس نے ان میں ایک فرقہ
ابناء ھم و یستحی نساءھم	کو کمزور کر رکھا تھا کہ اُن کے لڑکوں
انہ کان من المفسدین	کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ
	رکھتا تھا، درحقیقت وہ فسادی تھا۔

یہ بنی اُمیہ اور اُن کے غیر امویوں کے ساتھ مظالم کی طرف اشارہ تھا۔

ونرید ان نمن علی الذین	ہم چاہتے تھے کہ احسان کریں ان
استضعفوا فی الارض و	لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے
نجعلھم ائمۃ و نجعلھم	ملک میں اور بنائیں ان کو سردار
الوارثین و نمکن لھم	اور ملک کا وارث اور جما دیں اُن
فی الارض۔	کو ملک میں۔

یہ عبداللہ بن زبیر اور ان کی متوقع کامیابی کی طرف اشارہ تھا۔

ونری فرعون وھامان و	اور فرعون وہامان اور ان کے
جنودھما منھم ما کانوا	لشکروں کے سامنے وہی خطرہ
یحذرون ○	لائیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

یہ مختار ثقفی اور اُس کی ہزیمت کی طرف اشارہ تھا۔

پھر کہا اے اہل کوفہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے امراء کے لیے لقب تجویز کرتے ہو تو سُن لو میں نے اپنا لقب جزار (قصائی) تجویز کیا ہے۔

اشراف کوفہ جو بصرہ میں آ آ کر جمع ہو گئے تھے، انہوں نے مصعب پر زور دیا کہ مختار پر جلد حملہ کیا جائے۔ مصعب نے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو فارس کا عامل تھا بصرہ بلا لیا۔ اور اس کو اور دوسرے سردارانِ کوفہ کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ مختار کو خبر ہوئی تو اس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار کا لشکر دے کر مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ مقام مذار پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مصعب فتحیاب ہوئے اور مختار کے آدمیوں کا پیچھا کرتے ہوئے کوفہ کے قریب پہنچ گئے۔

کوفہ میں مختار خود مقابلہ کے لیے نکلا، مگر اب وہاں کا رنگ بدل چکا تھا۔ جب مختار اور اس کے ساتھی بازاروں میں گزرتے تو مکانوں کی چھتوں پر سے ان پر تیر برسائے جاتے اور گندگی پھینکی جاتی۔ مختار مجبور ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھا

مصعب نے محاصرہ کو سخت کر دیا۔ جب مختار کو مایوسی ہوئی تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اس طرح بھوکوں مرنے سے لڑتے ہوئے مر جانا بہتر ہے۔ مگر اس کے ساتھی اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آخر مختار انیس[۱۹] جاں نثاروں کے ساتھ قصر کا دروازہ کھول کر نکلا اور مردانہ وار لڑتا ہوا مارا گیا۔

جان کی بازی لگانے سے پہلے مختار نے اپنے ایک معتمد ساتھی سائب بن مالک اشعری کو بلایا اور کہا "اے شیخ قصر سے نکلو کہ ہم دین کے لیے نہیں بلکہ حب دنیا کے لیے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔

سائب نے کہا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، اے ابو اسحاق لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ تم دین کی خاطر اس کام کے لیے کھڑے ہوئے ہو"۔

مختار نے جواب دیا:۔

"میری جان کی قسم نہیں۔ یہ سب طلب دنیا کے لیے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے قبضہ میں ہے۔ حجاز عبداللہ بن زبیر کے زیر حکومت ہے۔ عروض پر نجدہ حروری کا تسلط ہے اور خراسان پر عبداللہ بن حازم حکمران ہے۔ میں ان میں سے کسی سے کم نہ تھا۔ میرے دل میں بھی حکومت کی آرزو نے چٹکیاں لیں، اس آرزو کو پورا کرنے کے لیے میں نے انتقام حسین کو وسیلہ بنایا"۔[1]

مصعب بن زبیر نے مختار کا سر عبداللہ بن زبیر کے پاس مکہ معظمہ بھیج دیا، اور اس کے ہاتھ کٹوا کر کوفہ کی جامع مسجد میں آویزاں کر دیے۔ یہ واقعہ ۶۷ھ کا ہے۔

عبدالملک کا عراق پر حملہ

مختار کے خاتمہ کے بعد حجاز کے علاوہ عراق بھی عبداللہ بن زبیر کے قبضہ میں آگیا۔ ادھر شام اور مصر عبدالملک کے قبضہ میں تھا، بعض لوگوں نے عبدالملک کو مشورہ دیا کہ عبداللہ بن زبیر سے مصالحت کر لو اور اپنے مقبوضہ ممالک پر قانع رہو۔ مگر عبدالملک نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا، اور ایک بڑی جمعیت

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۹۸

کے ساتھ عراق پر فوج کشی کے ارادہ سے روانہ ہوا مصعب بن زبیر بھی مقابلہ کے لیے نکلے۔ دیر جاثلیق میں دونوں فوجوں نے آمنے سامنے پڑاو ڈال دیے۔

عبدالملک عراقیوں کی باغیانہ فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اس نے حکومت و دولت کا لالچ دے کر تقریباً تمام عراقی سرداروں کو عین میدانِ جنگ میں توڑ لیا۔ البتہ ابراہیم بن اشتر عبدالملک کے جال میں نہ پھنسے۔ بلکہ انہوں نے عبدالملک کے خفیہ خط کو پڑھنا بھی پسند نہ کیا، اور اسے سر بمہر مصعب کے سامنے پیش کر دیا۔

ابراہیم نے مصعب سے کہا، اس قسم کے خطوط بھیج کر عبدالملک نے آپ کے تمام سرداروں کی وفاداری کو خرید لیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ ان سرداروں کو قصر ابیض میں قید کر دیں۔ مگر مصعب نے اس تجویز کو قبول کرنا مناسب نہ سمجھا، اور افسوس کے ساتھ کہا۔

"خدا احنف بن قیس پر رحم کرے، وہ مجھے اہلِ عراق کی غداری سے محفوظ رہنے کی نصیحت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اہلِ عراق فاحشہ عورتوں کی طرح ہیں جس طرح انہیں ہر روز ایک نیا خاوند درکار ہوتا ہے اسی طرح انہیں ہر روز ایک نئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے"۔

آخر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سابقہ قرارداد کے مطابق عین موقعہ جنگ پر مصعب بن زبیر کے عراقی لشکر کے سرداروں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ البتہ ابراہیم بن اشتر نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دی

ابراہیم کے قتل کے بعد مصعب مایوس ہو گئے۔ سردارانِ عراق کی غداری نے میدانِ کربلا کا منظر ان کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا مگر انہوں نے بھی قافلہ سالار کربلا کی سنت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ شعر پڑھا۔

اَلَا اِنَّ لی بالطف من آلِ ہاشم تاسوا فتسوا للکرام التآسیا

عبدالملک بن مروان نے مصعب کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے آپ کو قتل کرنا منظور نہیں میں آپ کو بلا شرط امان دیتا ہوں مصعب نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا اور حیرت انگیز شجاعت و عزیمت کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی۔

دیر جاثلیق کی فتح کے بعد عراق بھی عبدالملک کے قبضہ میں آگیا اور اس نے کوفہ اور بصرہ میں اپنی طرف سے والی مقرر کیے۔

محاصرۂ مکہ عراق پر قابض ہونے کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لیے حجاز روانہ کیا۔ حجاج جمادی الاولیٰ ۷۲ھ میں طائف میں آکر خیمہ زن ہوا حجاج یہاں سے تھوڑی تھوڑی فوج میدان عرفات میں بھیجتا رہا۔ اور یہاں عبداللہ بن زبیر کی فوج سے مقابلہ ہوتا رہا۔ مگر کوئی فیصلہ کن صورت پیدا نہ ہوئی۔

اب حجاج نے عبدالملک کو خط لکھ کر حرم میں داخل ہونے اور عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کرنے کی اجازت طلب کی اور کچھ کمک بھی مانگی۔ عبدالملک نے اسے حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیدی۔ اور طارق کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدد کے لیے بھیجا۔ حجاج نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور

لوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کرکے خانہ کعبہ پر سنگباری شروع کردی۔ اسی دوران میں حج کا موسم آگیا حضرت عبداللہ بن عمر کی سفارش پر ایام حج کے لیے سنگباری موقوف رہی۔ ایام حج گزرتے ہی پھر سنگباری شروع کردی گئی اور خانہ کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔

محاصرے نے طول کھینچا اور مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ عبداللہ بن زبیر کی طاقت روز بروز کم ہونے لگی، اور ان کے ساتھی ایک ایک کرکے ان سے علیحدہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے دو بیٹے بھی ان کو چھوڑ کر حجاج کی امان میں چلے گئے۔

یہ ناسازگار حالات دیکھ کر عبداللہ بن زبیر مایوس ہو گئے۔ آپ اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"اماجان! میرے تمام ساتھی حتیٰ کہ میرے اہل وعیال میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ جو تھوڑے سے باقی ہیں وہ بھی زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔ اس حالت میں فتح کی تو کوئی امید نہیں البتہ میرے دشمن مجھے امان دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟"

حضرت اسماء نے جواب دیا: بیٹا! اگر تم سمجھتے ہو کہ تم حق پر تھے، اور حق ہی کی تم نے دعوت دی تو تم بھی اپنے شہید ساتھیوں کی طرح حق کے لیے اپنی جان قربان کردو اور اپنی باگ بنو امیہ کے لونڈوں کے ہاتھ میں نہ دو۔

اور اگر تمہارا مقصد دنیا کی طلب تھا تو افسوس تم پر کہ تم نے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا، اور اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرایا۔ اگر تم یہ کہو، کہ میں حق پر تو تھا مگر ساتھیوں کے ضعف کے سبب اب مقابلہ کی طاقت نہیں تو یہ شرفاء اور اہل دین کا شیوہ نہیں کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں۔ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں، راہِ حق میں جان کو قربان کر دینا ہی بہتر ہے۔

عبداللہ بن زبیر نے عرض کیا:۔

"اماں جان! مجھے موت کا تو ڈر نہیں، یہ ڈر ضرور ہے کہ میرے دشمن قتل کے بعد میرا مثلہ کرینگے اور میری لاش کو پھانسی پر لٹکائینگے۔

حضرت اسماء نے فرمایا:۔

"بیٹا! بکری جب ذبح ہو گئی تو اُسے کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ جو کچھ ارادہ ہو کر گزرو اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو

عبداللہ بن زبیر نے اپنی والدۂ محترمہ کا سر چوم کر عرض کیا:۔

"مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے، میں کبھی دنیا کی طرف مائل نہیں ہوا، نہ میں نے دنیوی زندگی کو پسند کیا، میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے میری بصیرت میں اضافہ کیا ہے۔ اماں جان میرے قتل سے آپ غمگین نہ ہوں اور معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

حضرت اسماء نے فرمایا:۔

"مجھے اُمید ہے کہ میں صبر و شکر کے ساتھ تمہارا صدمہ برداشت کر سکونگی۔ جاؤ اللہ کا نام لے کر اپنا کام کرو۔

اس کے بعد حضرت اسماء نے اپنے صاحبزادے کو دعائیں دیں، اور رخصت کرنے کے لیے گلے سے لگایا۔ آپ کا ہاتھ عبداللہ کی زرہ پر پڑا تو فرمانے لگیں: بیٹا! موت کے فدائی زرہ نہیں پہنا کرتے، اسے اُتار دو۔ عبداللہ بن زبیر نے زرہ اُتار دی اُس کے بعد آستینیں چڑھا کر، کرتہ کو پاجامہ میں اُڑس کر اپنے چند ساتھیوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ عبداللہ بن زبیر جس طرف نکل جاتے تھے، دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ آخر سیکڑوں کو خاک و خون میں لٹا کر قبیلہ سکون کے ایک شخص کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

آپ کی شہادت پر اہل شام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا "ان لوگوں کو دیکھو، صحابۂ کرام نے تو ابن زبیر کی پیدائش کی مسرت میں نعرہائے تکبیر بلند کیے تھے اور یہ ان کی موت کی خوشی میں تکبیر کے نعرے لگا رہے ہیں"۔

شہادت کے بعد حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس شام بھیج دیا اور جثہ مقام حجون میں سولی پر چڑھایا۔ حضرت اسماء کا اُدھر سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کیا اس شہسوار کے سواری سے اُترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟

عبدالملک کو خبر ہوئی تو اس نے اس حرکت پر حجاج کو ملامت

کی اور لاش کو حضرت اسماء کے حوالہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مقام حجون میں آپ کی لاش کو دفن کر دیا گیا۔

عبداللہ بن زبیر کی شہادت ۱۷ جمادی الاخری ۷۳ھ کو ہوئی شہادت کے وقت آپ کی عمر تہتر سال تھی، آپ کی خلافت نو سال رہی۔

عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد میدانِ سیاست میں عبدالملک بن مروان کا کوئی حریف نہ رہا اور وہ تمام ممالکِ اسلامیہ کا بلا شرکت غیرے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

حجاج عراق میں

عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی دو سال تک حجاز کا والی رہا۔ عراق کی شورش پسند سرزمین ابھی تک فتنوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ان فتنوں کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے کسی سخت گیر حاکم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو عراقین (بصرہ و کوفہ) کا والی بنا کر بھیجا گیا۔

حجاج صرف بارہ سواروں کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوا، سب سے پہلے وہ جامع مسجد میں پہنچا، اور تقریر کی منادی کرا دی۔ جب وہ خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھا تو اس نے سرخ ریشمین عمامہ کا ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ اہل کوفہ کے طرزِ عمل کا اندازہ کرنے کے لیے تھوڑی دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ جب اہل کوفہ نے اپنی عادت کے مطابق اس پر سنگریزے برسانے چاہے تو اس نے ڈھاٹا کھول دیا، اور حسب ذیل تقریر کی:-

"اے اہل کوفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے سر پکے پھلوں

کی طرح جھڑنے والے ہیں، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ عماموں اور داڑھیوں کے درمیان خون کی موجیں اُٹھ رہی ہیں، واللہ مجھے آسانی سے نہیں دبایا جا سکتا اور شور و شر سے نہیں ڈرایا جا سکتا، میں گرم و سرد زمانہ چشیدہ ہوں۔

امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کا سب سے زیادہ سخت اور کڑوا تیر تمہاری طرف پھینکا ہے، تم نے فساد کو اپنا مسلک اور گمراہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ یاد رکھو میں تمہارے سب کس بل نکال دونگا۔

تمہاری حالت اس بستی والوں کی سی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے کہ وہاں ہر طرح امن و طمینان کی فراوانی تھی، ہر قسم کی نعمتیں بکثرت ہر طرف سے چلی آتی تھیں۔ مگر اس بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط کر دیا، واللہ میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے کر کے دکھا دیتا ہوں اور جو ارادہ کرتا ہوں اُسے پورا کر کے چھوڑتا ہوں۔ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ تمہاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم مہلب بن ابی صفرہ کے ساتھ خوارج کے مقابلہ کے لیے نکل جاؤ۔ اگر تنخواہ وصول کرنے کے تین روز بعد مجھے کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو اُس کا سر اڑا دونگا"

اس تقریر سے ساری مسجد میں سناٹا چھا گیا اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، وہ بلا قصد بکھر گئیں۔

اس کے بعد حجاج نے غلام کو عبدالملک کا فرمان سنانے کا حکم دیا۔ غلام نے پڑھنا شروع کیا "اما بعد، السلام علیکم" حجاج نے غلام کو روک دیا۔ اور اہل کوفہ سے مخاطب ہو کر کہا "اے مار کے یارو! امیرالمومنین تمہیں سلام کہتے ہیں اور تم اس کا جواب تک نہیں دیتے۔ خدا کی قسم میں تمہیں ادب سکھا کر رہونگا۔ یہ کہہ کر غلام کو فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ مسجد میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سلام کا جواب نہ دیا ہو، پھر حجاج نے تنخواہیں تقسیم کرانا شروع کیں۔

ایک بوڑھا شخص عمیر بن ضابی جس کے بدن میں رعشہ تھا، حجاج کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے امیر میں ایک بوڑھا اور بیمار شخص ہوں، میری بجائے میرے جوان بیٹے کو فوج میں بھرتی کر لیا جائے۔ حجاج نے منظور کر لیا کسی شخص نے کہا۔ آپ کو معلوم بھی ہے یہ کون ہے؟ یہ قاتلین عثمان میں سے ہے۔ اس نے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ان کی دو پسلیاں توڑی تھیں۔ حجاج نے یہ سن کر اسے واپس بلایا اور کہا۔ اے بوڑھے تو نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے اپنی جگہ کسی اور کو کیوں نہ بھیجا۔ پھر اسے قتل کرا دیا۔

حجاج کے اس سخت طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ بلا توشہ لیے مہلب کے پاس روانہ ہو گئے، اور کوفہ کے پل پر چلنے کے لیے راستہ نہ رہا۔

کوفہ سے فارغ ہو کر حجاج بصرہ پہنچا اور وہاں بھی اسی قسم کی تقریر کی۔

ایک شخص شریک بن عمرو یشکری اس کے پاس آیا اور کہا "اے امیر مجھے فتق کی بیماری ہے، سابق امیر بشیر بن مروان نے مجھے فوجی خدمت سے معذور رکھا تھا، میری آپ سے بھی یہی درخواست ہے۔ حجاج نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ یہ سختی دیکھ کر اہل بصرہ بھی مہلب کی فوج میں شریک ہونے کے لیے روانہ ہونے لگے کسی کو تامل کی جرأت نہ ہوئی۔ مہلب بن ابی صفرہ نے یہ حال دیکھ کر کہا۔ ہاں اب عراق میں ایک مرد آیا ہے۔

فتنۂ ابن جارود

مہلب کی امداد کے لیے، حجاج استقاباذ آیا۔ یہاں سے مہلب کی لشکرگاہ اٹھارہ فرسخ تھی۔ حجاج کا ارادہ یہ تھا کہ یہاں رہ کر مہلب کی امداد کرتا رہے۔

یہاں کے دوران قیام میں ایک سخت فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا جس سے پیچھا چھڑانا حجاج کے لیے مشکل ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصعب بن زبیر نے اپنے دورِ حکومت میں اہل لشکر کے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا تھا۔ حجاج کے پیش رو اموی والی بشیر بن مروان نے بھی اس اضافہ کو برقرار رکھا تھا، حجاج نے اسے منسوخ کرنے کا ارادہ کیا، اور ایک دن تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"ابن زبیر کے عہد میں وظائف میں جو اضافہ ہوا تھا میں اسے منسوخ کرتا ہوں"

ایک با اثر شخص عبداللہ بن جارود نے فوراً کھڑے ہو کر کہا "یہ ابن زبیر

ہی کا اضافہ نہیں ہے بلکہ عبدالملک بن مروان نے بھی اُسے قبول کیا اور برقرار
رکھا ہے۔ حجاج کو یہ تردید سخت ناگوار گزری اور ابن جارود کو قتل کی دھمکی
دی۔ اس وقت تو مصلحتاً دونوں خاموش ہو گئے مگر موقع کے انتظار میں
رہے۔ چونکہ فوج کے مفاد کا معاملہ تھا، اس سے بہت سے سردار ابن جا
کے ہمنوا ہو گئے اور انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے حجاج کے مقا
کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آخر ربیع الآخر ۷۶ھ میں ابن جارود ایک بڑی جمعیت کے سا
حجاج کے مقابلہ کو نکلا۔ ابتدائی معرکوں میں ابن جارود غالب رہا۔ حتیٰ
حجاج کا خیمہ خاص لوٹ لیا اور اس کی دو بیبیوں کو قید کر لیا۔ مگر آخری معر
میں ابن جارود کے تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی ابن جارو
کے مرتے ہی اس کی فوج میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اُدھر حجاج نے مصلحت وقت
پر نظر کرتے ہوئے امن عام کا اعلان کرا دیا۔ اس طرح حجاج نے ایک نئی
مصیبت سے نجات پائی۔

بغاوت رتبیل

سجستان کے نواح میں ایک ترک فرمانروا رتبیل مسلمانوں
کا باجگزار تھا لیکن مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے
کچھ عرصہ سے اس کا رویہ یہ ہو گیا تھا کہ کبھی خراج دیتا اور کبھی نہ دیتا۔ ۷۸ھ
میں حجاج نے عبیداللہ بن ابی بکرہ کو سجستان کا والی بنا کر بھیجا، تو ایک مدت
تک رتبیل کا رویہ مصالحانہ رہا، اس کے بعد اس نے خراج دینے سے انکار
کیا تو حجاج نے عبیداللہ کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا۔ عبیداللہ اہل کوفہ

اور اہل بصرہ کی جمعیت کثیر کے ساتھ بلاد رتبیل میں داخل ہوا۔ اس کے تمام قلعوں کو منہدم کر دیا۔ اور خزانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ رتبیل پسپا ہوتا ہوا جب دار الحکومت کے قریب پہنچا تو اس نے ترکوں کو حکم دیا کہ وہ پلٹ کر مسلمانوں کی واپسی کے راستوں کو بند کر دیں۔ چنانچہ مسلمان بلاد ترک میں محصور ہو گئے اور انھوں نے مجبور ہو کر رتبیل کو سات لاکھ درہم دے کر جان بچائی۔ لیکن فوج کے ایک حصہ نے اس زیردستانہ مصالحت کو پسند نہ کیا۔ اور وہ شریح بن ہانی کی ماتحتی میں دشمن سے بہادری کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حجاج کو مسلمانوں کی اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالملک کو لکھ کر رتبیل کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر عظیم بھیجنے کی اجازت حاصل کر لی۔ چنانچہ ۸۰ھ میں چالیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہی بہترین اسلحہ سے آراستہ ہو کر مشہور سپہ سالار عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کی سرکردگی میں عراق سے سجستان کی طرف روانہ ہوئے۔ سجستان پہنچ کر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث نے اہل سجستان کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اس لشکر عظیم کے ساتھ بلاد رتبیل میں پیش قدمی شروع کر دی۔

رتبیل کو جب اس مصیبت کا احساس ہوا تو بہت گھبرایا اور اطاعت کا وعدہ کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن نے اس کا اعتبار نہ کیا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ عبدالرحمٰن ایک آزمودہ کار افسر تھا جس شہر پر قبضہ کرتا وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیتا اور اس کی مدد کے لیے کچھ جمعیت بھی چھوڑ دیتا پہاڑ

کی گھاٹیوں پر چوکیاں قائم کر دیتا اور ہر خطرناک جگہ فوجی دستے متعین کر دی
پھر اپنے اور مفتوحہ علاقوں کے درمیان سلسلہ مواصلت بھی قائم رکھتا، اس
انتظام کے ساتھ جب وہ رتبیل کا کافی علاقہ فتح کر چکا تو اس نے پیش قدمی
روک دیا اور کہا "اس سال اتنی ہی فتوحات کافی ہیں جب ہم مفتوحہ
علاقوں کے انتظام پر قابو پا لینگے اور ہمارے آدمی یہاں کے راستوں
اچھی طرح واقف ہو جائینگے، اور اس دوران میں سستا بھی لینگے تو ہم
آئندہ سال آگے بڑھینگے"۔ اس نے حجاج کو بھی اپنے اس فیصلہ کی اطلا
دی۔

خروج ابن اشعث

حجاج اور عبدالرحمٰن کے دل ایک دوسرے سے صاف نہ تھے۔ حجاج نے عبدالرحمٰن کو لکھا

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم صلح کے خواہشمند ہو، رواداری
اختیار کر کے آرام اٹھانا چاہتے ہو۔ کمزور اور ذلیل دشمن سے
جس نے مسلمانوں کے قابل فخر لشکر کے ساتھ دھوکہ کیا
نرمی برتنا چاہتے ہو۔ مجھے اسی وقت اطمینان ہوگا جب تم
صرف میری ایک فوج سے اس دشمن کا کامیاب مقابلہ
کروگے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ تمہاری یہ رائے کسی بدنیتی پر
مبنی ہے لیکن اس میں تمہارے ارادہ کی کمزوری کو ضرور
دخل ہے، لہٰذا میں تمہیں جو حکم دے چکا ہوں، اس کی تعمیل
کرو۔ دشمن کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لو تمام قلعوں کو منہدم

کردو، لڑنے والوں کو قتل کر دو۔ اور ان کے اہل و عیال کو گرفتار
کر لو۔"

اس کے بعد ہی دوسرا خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا:۔
"اگر تم میرے حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہیں ہو تو اپنے بھائی اسحٰق
بن محمد کے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔"

ابن اشعث کے پاس جب یہ خطوط پہنچے تو وہ سمجھ گیا کہ حجاج کا مقصد
ہی پرانی دشمنی نکالنا ہے۔ اس نے اپنے اہل لشکر کو جمع کر کے کہا "لوگو!
یں نے جنگ کے مؤخر کرنے کے متعلق جو فیصلہ کیا وہ آپ کی فلاح و بہبود
د مد نظر رکھتے ہوئے آپ کے اہل حل و عقد کی منظوری سے کیا۔ اب حجاج
ا یہ حکم آیا ہے جو کچھ آپ کی رائے ہو وہ کیا جائے۔ یہ سُن کر سب نے بیک آواز
ہا "ہم اس خدا کے دشمن کی بات نہ مانیں گے"۔ ابو طفیل عامر بن واثلہ صحابی
نے فرمایا "حجاج اس مثل پر عمل کر رہا ہے کہ اپنے غلام کو لڑائی پر بھیجو، اگر
مر گیا تو بھی تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر زندہ رہا تو بھی اُسے تمہاری ذرہ برابر
پرواہ نہیں ہے۔ بس اپنے اعزاز و اکرام میں اضافہ مطلوب ہے۔"

اس کے بعد سب نے مشورہ کر کے حجاج سے قطع تعلق کر لیا اور عبدالرحمٰن
بن اشعث کو اپنا امیر منتخب کر لیا

عبدالرحمٰن بن اشعث نے بیعت امارت لینے کے بعد رتبیل سے
اس شرط پر مصالحت کر لی کہ اگر وہ کامیاب ہوا تو رتبیل سے کبھی خراج
نہ لیگا۔ اور اگر شکست کھائی تو رتبیل اس کی مدد کریگا۔ ادھر سے مطمئن

ہو کر ابن اشعث حجاج کے مقابلہ کے لیے عراق کی طرف روانہ ہو گیا۔

فارس پہنچ کر ابن اشعث کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ حجاج کو مقرر کرنے والے عبدالملک کی بیعت بھی فسخ کر دینی چاہیے۔ چنانچہ یہاں عبدالملک کی بیعت توڑ دینے کا اعلان ہوا اور ابن اشعث کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی۔

حجاج کو یہ خبریں ملیں تو اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اس نے فوراً عبدالملک کو تمام حالات کی اطلاع دی اور اس سے فوجی مدد طلب کی اور خود کوفہ سے بصرہ چلا آیا، عبدالملک نے فوراً پے درپے حجاج کی مدد کے لیے جمعیتیں بھیجنی شروع کر دیں۔

جنگ تستر حجاج شامی فوجوں کو لے کر بصرہ سے نکلا اور تستر میں مقیم ہوا اس نے اپنے مقدمۃ الجیش کو دجیل کی طرف بڑھایا۔ عبدالرحمٰن کے ایک دستہ فوج سے اس کی جنگ ہوئی۔ حجاج کی فوج نے شکست کھائی اور اس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ حجاج بصرہ کی طرف لوٹا، مگر عبدالرحمٰن نے اس کا تعاقب کیا۔ حجاج مقابلہ کی طاقت نہ پاکر بصرہ کو چھوڑ کر زاویہ چلا گیا۔ عبدالرحمٰن کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ اہل بصرہ پہلے ہی حجاج سے نالاں تھے سب بخوشی عبدالرحمٰن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور علماء و قراء بصرہ نے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ آخر ذی الحجہ ۸۱ھ کا ہے۔

جنگ زاویہ محرم ۸۲ھ میں مقام زاویہ میں حجاج اور عبدالرحمٰن کی فوجوں میں خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ ابتدا میں عبدالرحمٰن

لی فوجوں کو غلبہ ہوتا رہا۔ ایک دن حجاج نے مایوس ہو کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کہا "خدا مصعب بن زبیر کو جزائے خیر دے۔ اس نے مصیبت کے وقت فرار کے عار کو گوارا نہ کیا" پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسی طرح وہ بھی جان دیگا۔ مگر میدان جنگ سے فرار نہ ہوگا۔

حجاج کی اس ہمت سے اس کے ساتھیوں کو تقویت ہوئی اور انہوں نے پوری طاقت سے عبدالرحمٰن کے میمنہ پر حملہ کر کے اُسے شکست دیدی۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کی فوج کے پاؤں اکھڑ گیے اور علماء و قراء کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی۔ اب بصرہ پر پھر حجاج کا قبضہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کوفہ میں داخل ہو کر وہاں کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کے بہت سے ساتھی بصرہ سے آکر کوفہ ہی میں مجتمع ہو گئے۔

جنگ دیر جماجم حجاج بصرہ سے نکل کر دیر قرہ میں مقیم ہوا۔ تازہ دم شامی فوجیں بھی یہاں اس کی مدد کے لیے پہنچ گئیں۔

عبدالرحمٰن بن اشعث بھی دو لاکھ سپاہیوں کو لے کر کوفہ سے نکلا اور دیر جماجم آکر ٹھہرا۔ فریقین نے خندقیں کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ اور لڑائی کا ایک طویل سلسلہ جاری ہو گیا۔

عبدالملک اِن طویل اور بے نتیجہ خانہ جنگیوں سے تنگ آ گیا۔ اس نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے کہا "اہل عراق کی یہ یورش حجاج سے ناراضگی کی بنا پر ہے۔ اگر ہم اس کو معزول کر کے اہل عراق کو راضی کر سکیں تو یہ سودا مہنگا نہیں"۔ عبدالملک کے مشیروں نے اس کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ

عبدالملک کی طرف سے شاہی کمیشن اس کے بھائی محمد بن مروان اور بیٹے عبداللہ بن عبدالملک کی سرکردگی میں عراق آیا اور ان دونوں نے اہل عراق کو یہ شاہی پیغام بھیجا:۔

"امیر المومنین حجاج بن یوسف کو عراق کی حکومت سے معزول کرنے کے لیے تیار ہیں، اور یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اہل عراق کے وہی حقوق ہونگے جو اہل شام کے ہیں اور عبدالرحمٰن بن اشعث کو جس خصہ ملک کی حکومت وہ چاہینگے زندگی بھر کے لیے دیدی جائیگی۔ اگر آپ ان شرائط پر صلح منظور کریں تو امیر المومنین محمد بن مروان کو عراق کا نیا امیر مقرر کرتے ہیں۔ اگر یہ شرائط منظور نہ ہوں تو بدستور حجاج بن یوسف ہی عراق کا امیر رہیگا اور اُسے اختیار ہوگا کہ جس طرح مناسب سمجھے اہل عراق سے نمٹ لے۔"

عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھیوں نے عبدالملک کی اس پیشکش کے متعلق آپس میں مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن کی رائے یہ تھی کہ اس پیشکش کو جو "آبرومندانہ صلح" کی حیثیت رکھتی ہے، قبول کرلیا جائے۔ مگر ان کے ساتھی ان کی رائے سے متفق نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا جب ہم اہل شام کو ہر طرح شکست دے سکتے ہیں تو صلح کیوں کریں۔ آخر یہ پیشکش رد کردی گئی اور پھر جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

۱۴ جمادی الاخریٰ ۸۳ھ کو آخری اور فیصلہ کن معرکہ آرائی ہوئی دونوں

طرف کی فوجوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ آخر ۱۰۳ روز کی مسلسل لڑائی کے بعد عبدالرحمٰن کی فوج نے شکستِ فاش کھائی اور میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ حجاج بن یوسف فاتحانہ کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے ان الفاظ میں مفتوحین سے بیعت لی "میں نے امیرالمومنین سے بغاوت کر کے کفر کا ارتکاب کیا، میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں"۔ جس کسی نے ان الفاظ کی ادائیگی میں تامل کیا اُسے بے دریغ قتل کر دیا گیا [1]

شعبی اور اعشیٰ

ابن اشعث کی حمایت میں جن اہلِ قلم نے تلوار اُٹھائی اُن میں فقیہ عراق عامر شعبی بھی تھے۔ فتح کے بعد حجاج نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص قتیبہ بن مسلم کے پاس رے چلا جائیگا، اُس سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ چنانچہ یہ بھی قتیبہ کے پاس چلے گئے تھے۔ حجاج نے قتیبہ کے پاس حکم بھیج کر شعبی کو طلب کر لیا۔ شعبی کہتے ہیں کہ جب وہ کوفہ پہنچے تو اُن کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ جہاں تک ممکن ہو عذر و معذرت سے کام لینا۔ مگر ان کی جرأتِ عالمانہ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ جب حجاج کے دربار میں پیشی ہوئی اور جواب طلب کیا گیا تو فرمایا:-

"اے امیر! ہم نے آپ کے خلاف سرکشی کی، دوسروں کو سرکشی پر آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی کوشش عمل میں لائے لیکن وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، خدا نے آپ کو فتح

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۸۵۔

عنایت کی اور کامیابی عطا فرمائی۔ اب آپ ہم پر ظلم کریں تو ہم اس کے مستحق ہیں۔ اور اگر درگزر کریں تو یہ آپ کے حلم کا تقاضہ ہے۔
حجاج ان کی صاف بیانی پر حیران رہ گیا، اور کہنے لگا:۔
اے شعبی تمہاری یہ صاف بیانی مجھے اُس شخص کی معذرت سے زیادہ پسند ہے جس کی تلوار سے تو خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں اور وہ یہ کہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا، مجھے کچھ خبر نہیں۔ جاؤ تم مامون ہو۔"

عربی کا شاعر شیریں بیان اعشیٰ ہمدانی بھی ان معرکوں میں ابن اشعث کے ساتھ تھا۔ اور اپنی شعلہ بیانی سے اہل لشکر کے دل گرما رہا تھا۔ جب ابن اشعث سجستان سے عراق کی طرف روانہ ہوا تو اعشیٰ کا ایک قصیدہ زبان زد خاص و عام تھا، اس کا ایک شعر یہ تھا:۔

کذابہا الماضی وکذاب ثانی ٭ امکن ربی من ثقیف ہمدانی

(بنو ثقیف میں دو کذاب ہوئے ہیں۔ ایک سابق (مختار) اور کذاب ثانی (حجاج) کاش خدا مجھے بنو ثقیف ہمدان سے بدلہ لینے کی قوت دے)

حجاج نے انہیں بھی طلب کرلیا اور کہا ذرا اپنا قصیدہ تو سنائیے۔ اعشیٰ نے کہا اُسے چھوڑیے میں اپنا تازہ کلام آپ کو سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک طویل قصیدہ حجاج کی مدح میں سنانا شروع کیا۔ جس کا مطلع یہ تھا:۔

ابی اللہ الا ان یتمم نورہ ٭ ویطفی نور الفاسقین فتخمدا

(خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ نور حق کو مکمل کردے اور فاسقوں کی روشنی کو بجھا دے کہ وہ

ٹھنڈی ہو کر رہ جائے۔

اعشیٰ کا یہ وجد آفریں قصیدہ سن کر تمام درباری عش عش کر اٹھے، مگر حجاج نے اُسے نہ بخشا اور قتل کرادیا۔[1]

یہ ہے فرق ایک عالم اور شاعر کے کیریکٹر کا۔

ابن اشعث کی موت

معرکہ "دیر جماجم" میں ابن اشعث کی قوت ٹوٹ گئی اس شکست کے بعد بصرہ پہنچ کر اس نے منتشر طاقت کو مجتمع کر کے مقابلہ کیا، مگر کامیابی نہ ہوئی آخر وہ مایوس ہو کر کرمان و سجستان و بست ہوتا ہوا اپنے حلیف رتبیل کے پاس اس کے علاقہ میں چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر مرض سل میں اس کا انتقال ہو گیا۔

حجاج بن یوسف نے رتبیل کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ ابن اشعث کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیج دیگا تو وہ اس کا سات سال کا خراج معاف کر دیگا۔ رتبیل نے مرنے کے بعد اس کا سر کاٹ کر حجاج کو بھیج دیا اور سات سال کا خراج معاف کرا لیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رتبیل نے انعام کے لالچ میں زندہ ہی کا سر کاٹ کر بھیج دیا تھا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ابن اشعث کو گرفتار کر کے بھیج دیا تھا مگر اس نے راستہ میں خودکشی کر لی[2] یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے۔

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۸۸ تا ۱۹۰۔ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۲۔

خوارج

ابن زیاد نے کوفہ میں خوارج پر سختی کی تو خوارج نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مکہ معظمہ جا کر عبداللہ بن زبیر کا رنگ دیکھنا چاہیے۔ اگر ہم سے متفق الرائے ہوئے تو اُن کے ساتھ مل کر بنی اُمیہ کا مقابلہ کریں گے اور اگر اختلاف کا اظہار کیا تو انہیں مکہ معظمہ سے نکال دیں گے۔ چنانچہ خوارج مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ زمانہ تھا جب یزید نے شامی فوجیں عبداللہ بن زبیر کے مقابلے کے لیے روانہ کی تھیں۔

عبداللہ بن زبیر کو اس وقت فوجی مدد کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس وقت عقائد کی بحث نہ چھیڑی اور خوارج سے بنی اُمیہ کے مقابلہ میں کام لیا۔ جب شام سے یزید کی موت کی خبر آئی اور شامی فوجیں محاصرہ اُٹھا کر روانہ ہو گئیں تو خوارج نے آپس میں کہا۔ ہم نے ایسے شخص کی حمایت میں جنگ کی ہے جس کے عقیدے کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نقطۂ نظر حضرت عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے متعلق معلوم کر لیا جائے۔

چنانچہ نافع بن ازرق اور عبیدہ بن بلال وغیرہ اپنی جماعت کے ساتھ عبداللہ بن زبیر کے پاس آئے اور اصحاب ثلٰثہ کی بُرائیاں کر کے حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ عبداللہ بن زبیر نے اس وقت تو انہیں ٹال دیا اور دوسرے دن خوارج کی شرارت سے محفوظ رہنے کا انتظام کر کے ایک زبردست تقریر کی جس میں اصحاب ثلٰثہ کے متعلق ایک ایک اعتراض کا کافی و شافی جواب دیا، اور پھر فرمایا "میں مجمع عام میں خدا کو گواہ کر کے کہتا

ہوں کہ میں حضرت عثمانؓ کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن ہوں"۔

خوارج یہ تقریر سن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ آخر ناکام و نامراد مکہ معظمہ سے رخصت ہوئے اور کچھ اہواز چلے گئے اور کچھ نے یمامہ کی راہ لی۔ اہواز جانے والی جماعت کا سردار نافع بن ارزق تھا۔ اس نے اہواز پہنچ کر خلیفہ کے عامل کو نکال باہر کیا اور خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ مگر اب تک یہ فرقہ متحد تھا مگر اہواز میں نافع کے طرزِ عمل کی وجہ سے ان میں عقیدہ و رائے کا اختلاف رونما ہو گیا۔ نافع نے کہا:۔

"تمام غیر خوارج کفارِ مکہ کی طرح کافر ہیں۔ ہمیں ان کے بچوں کا قتل کرنا اور ان کی امانتوں کو غصب کر لینا حلال ہے، ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں، اور ان سے مناکحت و وراثت کے تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص ہمارے پاس آئے تو ہمیں اس کے عقیدے کی جانچ کر لینی چاہیے۔ اگر ہمارا عقیدہ قبول کر لے تو فبہا ورنہ تلوار سے اس کی تواضع کرنی چاہیے۔ جو لوگ جنگ سے علیحدہ رہنا پسند کریں اور حق کی حمایت کے لیے تلوار لے کر میدان میں نہ آئیں وہ بھی کافر ہیں"۔

عبداللہ بن اباض نے کہا "ہمارے دشمن مباح الدم ہونے میں رسول اللہ صلعم کے دشمنوں کی طرح ہیں لیکن چونکہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے انہیں کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ کافرِ نعمت

کہا جا سکتا ہے۔ ان کے ساتھ مناکحت اور وراثت کے تعلقات رکھنا جائز ہے۔
ابو بیہس ہیصم بن جابر ضبعی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہمارے دشمن رسول اللہ صلعم کے دشمنوں کی طرح ہیں لیکن چونکہ یہ بظاہر مسلمان اور درباطن منافق ہیں اس لیے عبداللہ کا فر ہونے کے باوجود ان سے مناکحت اور وراثت کے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔ عبداللہ بن صفار نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جو لوگ ان ہنگاموں سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو جائیں وہ مستحق مواخذہ نہیں۔
اس طرح خوارج کی جماعت چار فرقوں میں تقسیم ہو گئی (۱) ازرقیہ (۲) اباضیہ (۳) بیہسیہ (۴) صفریہ۔ ان چاروں فرقوں نے بھی آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر شروع کر دی۔

فتنۂ ازارقہ

نافع بن ازرق چونکہ اپنے مسلک میں سب سے زیادہ سخت تھا، اس لیے اہواز میں خوب کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ پھر بصرہ کی طرف بڑھا اور بصرہ کے پل تک پہنچ گیا۔ عبداللہ بن حرث نے جو اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیر کی طرف سے امیر بصرہ تھے۔ مسلم بن عبیس کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مسلم بن عبیس نے نافع کو شکست دے کر دولاب کی طرف ہٹا دیا۔ یہاں فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں نافع اور مسلم دونوں کام آئے۔ اہل بصرہ نے حجاج بن باب کو اور خوارج نے عبداللہ بن ماحوز کو اپنا سردار مقرر کر کے پھر لڑائی شروع کر دی۔ مگر یہ دونوں بھی مقتول ہوئے۔ اب اہل بصرہ نے ربیع بن احرم کو، اور خوارج نے عبیداللہ بن ماحوز کو اپنا سردار تجویز کیا، اور پھر لڑائی چھڑ گئی۔

لڑائی جاری تھی، اور فریقین تھک گئے تھے کہ خوارج کے ایک تازہ دم دستہ نے لڑائی میں شریک ہو کر اہل بصرہ کو شکست فاش دیدی اور اُن کے امیر ربیعہ مارے گئے۔ اب خوارج نے پھر بصرہ کا رُخ کیا۔ اہل بصرہ میں اس خبر سے گھبراہٹ پھیل گئی۔ عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن حرث کو بصرہ سے معزول کر کے ان کی جگہ حرث بن ابی ربیعہ کو بھیجا[1]۔

حرث بن ابی ربیعہ نے بصرہ پہنچ کر اہل بصرہ سے مشورہ کیا تو احنف بن قیس اور دوسرے اہل الرائے نے بالاتفاق کہا کہ یہ کام مہلب بن ابی صفرہ کے سوا کسی کے بس کا نہیں۔

مہلب بن ابی صفرہ خراسان کے والی ہو کر جا رہے تھے، مگر انہوں نے اس شرط پر یہ خدمت منظور کر لی۔ کہ جس علاقہ کو وہ فتح کریں وہ ان کی حکومت میں دے دیا جائے۔ جس قدر رقم کی اُنہیں ضرورت ہو بیت المال سے ادا کی جائے اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے ماتحت افسر انتخاب کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

مہلب بن ابی صفرہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر خوارج کی طرف بڑھے اور انہیں بصرہ کے قریب سے دھکیلتے ہوئے اہوانہ تک لے گئے۔ یہاں ایک مقام سلی صبری پر پہنچ کر سخت لڑائی ہوئی جس میں ابتداءً خوارج کو فتح حاصل ہوئی مگر مہلب نے اپنی منتشر جماعت کو دوبارہ جمع کر کے خوارج کو شکست فاش دی، ان کا سردار عبیداللہ بن ماحوز قتل ہوا اور بقیۃ السیف

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۶۔

خوارج کرمان اور اصفہان کی طرف بھاگ گئے۔ مہلب برابر خوارج کے استیصال میں مصروف رہے۔ جب مصعب بن زبیر بصرہ کے والی مقرر ہوکر آئے تو انہوں نے مہلب کو موصل کا والی مقرر کر کے بھیج دیا اور خوارج کے استیصال پر عمر بن عبید اللہ بن عمر کو مقرر کیا۔ اس وقت خوارج ارجان میں تھے اور ان کا سردار زبیر بن علی سلیلی تھا عمر بن عبید اللہ نے خوارج کو شکست دے کر ارجان سے نکال دیا۔ خوارج اصفہان چلے گئے اصفہان پہنچ کر انہوں نے پھر اپنی قوت کو مجتمع کیا اور سابور آ گئے عمر بن عبید اللہ بھی اپنی جمعیت کو لے کر سابور پہنچ گیا۔ خوارج نے ایک رات عمر بن عبید اللہ کے لشکر پر شبخون مارا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر عمر بن عبید اللہ خوارج کی طرف بڑھے اور دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ خوارج کو شکست فاش ہوئی مگر عمر بن عبید اللہ کا بیٹا عبید اللہ لڑائی میں کام آیا۔ خوارج پھر فارس میں گھس آئے۔ عمر بن عبید اللہ نے انہیں اصفہان کی طرف بھگا دیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر اہواز میں داخل ہو گئے۔ عمر بن عبید اللہ اس وقت اصطخر میں تھا۔ الغرض خوارج اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ قتل و غارت اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے ہوئے پھرتے رہے اور ان کی قوت کو پوری طرح نہ توڑا جا سکا۔

مصعب بن زبیر نے اہل الرائے کو جمع کر کے مشورہ کیا تو سب نے یہ رائے دی کہ مہلب بن ابی صفرہ ہی ان کا انسداد کر سکتا ہے، چنانچہ مہلب کو موصل سے واپس بلا کر دوبارہ خوارج کی سرکوبی پر مامور کیا گیا

اس وقت خوارج کا سردار قطری بن فجارہ تھا۔ مہلب اس کے مقابلہ کے لیے نکلے، قطری کرمان کی طرف بھاگ گیا۔ مہلب نے اہواز میں قیام کیا۔ خوارج پھر تیار ہو کر مقابلہ کے لیے آ گئے۔ مہلب نے اُنھیں رامہرمز کی طرف بھگا دیا۔

اسی زمانہ میں مصعب بن زبیر شہید ہو گئے۔ اور عراق پر عبدالملک بن مروان کا قبضہ ہو گیا۔ عبدالملک نے خالد بن عبداللہ بن اسید کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ خالد نے مہلب کو واپس بلا کر اہواز کا حاکم خراج مقرر کیا اور اپنے بھائی عبدالعزیز بن عبداللہ کو خوارج کے مقابلہ پر مامور کیا۔ لوگوں نے اُسے مشورہ دیا کہ خوارج کے مقابلہ میں مہلب اور عمر بن عبیداللہ کا اہواز اور فارس کے محاذوں پر برقرار رہنا ضروری ہے مگر وہ نہ مانا۔ عبدالعزیز کا دارالجبرد پر خوارج سے مقابلہ ہوا، خوارج نے اسے شکست فاش دی۔ خالد نے عبدالملک کو شکست کی خبر دی تو عبدالملک نے اسے سخت تنبیہ کی اور لکھا:۔

"یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ تم نے مکّہ کے ایک اعرابی کو خوارج کے مقابلہ میں لشکر کشی پر مامور کیا اور مہلب جیسے جنگ آزمودہ اور صاحب عقل و تدبیر شخص کو افسر خراج مقرر کر دیا۔ مہلب کو لکھو کہ وہ خوارج کے مقابلہ کے لیے اہواز جائے، تم بھی اہل بصرہ کو ساتھ لیکر اہواز پہنچو۔ میں نے اپنے بھائی بشر کو کوفہ لکھ دیا ہے، وہ بھی پانچ ہزار کے لشکر سے تمہاری مدد کریگا۔ اور دیکھو مہلب سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام

انجام نہ دو۔

اس حکم کے مطابق، مہلب خوارج کے مقابلہ کے لیے اہواز کی طرف بڑھے۔ بصرہ سے خالد بن عبداللہ اور کوفہ سے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔

خوارج اس لشکر عظیم کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے خالد نے داؤد بن قحذم کو ان کے تعاقب کے لیے روانہ کیا اور خود بصرہ واپس چلا گیا۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بھی رستے چلے گئے، اور مہلب اہواز میں مقیم ہو گئے۔ داؤد بن قحذم تعاقب کرتے ہوئے اتنی دور نکل گئے کہ ان کے لشکروں کے گھوڑے ہلاک ہوئے اور ان کا تمام زادراہ ختم ہو گیا۔ آخر وہ پیادہ پا فاقہ کشی کی حالت میں اہواز واپس آئے۔

جس زمانہ میں قطری اہواز میں برسرپیکار تھا بحرین میں ایک دوسرا خارجی سردار ابوفدیک نمودار ہوا۔ اس نے نجدہ میں عامر حنفی کو قتل کر کے بحرین پر قبضہ کر لیا۔ خالد بن عبداللہ نے ابوفدیک کے مقابلہ کے لیے اپنے بھائی امیر امیۃ بن عبداللہ کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ ابوفدیک نے امیہ کو شکست دیدی۔ عبدالملک کو یہ خبر پہنچی تو اس نے ناراض ہو کر بصرہ سے خالد کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی بشر بن مروان کو کوفہ کے ساتھ بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ ۷۳ھ کا ہے۔

عراقین کی ولایت پر مامور کرنے کے بعد عبدالملک نے بشر کو لکھا کہ مہلب کو ازارقہ (خوارج) کے استیصال کے لیے بصرہ کے نامور اور بہا

شہسواروں کے ساتھ روانہ کردو، اور کوفہ کے بھی جنگ آزمودہ اور شجاع سپاہیوں کا ایک لشکر اس کی مدد کے لیے روانہ کردو تاکہ یہ دونوں لشکر خوارج کا تعاقب کرکے انہیں نیست و نابود کردیں۔

بشر کو یہ بات ناگوار گزری کہ عبدالملک نے مہلب کو براہ راست سالار لشکر مقرر کیا اور وہ اس سے جلنے لگا۔ عبدالملک کے حکم کی تعمیل میں بشر نے کوفہ اور بصرہ سے مہلب کی مدد کے لیے دو فوجیں روانہ کیں، مگر بصرہ سے ایسے آدمی چھانٹے جو میدان جنگ سے فرار ہو جائیں۔ اور کوفہ کی فوج کے سردار عبدالرحمٰن بن مخنف سے کہہ دیا کہ تم مہلب کے حکم کی تعمیل نہ کرنا اور اسے حقیر و ذلیل کرنے کی کوشش کرنا۔

رامہرمز پہنچ کر یہ دونوں خوارج کے آمنے سامنے مقیم ہو گئے، ابھی دس روز ہی گزرے تھے کہ بصرہ سے بشر بن مروان کے انتقال کی خبر آئی۔ اہل کوفہ و بصرہ کی بڑی تعداد اس خبر کو سنتے ہی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئی بشر کے قائم مقام خالد بن عبداللہ نے ہر چند انہیں واپس بھیجنے کی کوشش کی اور عبدالملک کی سزا و عقوبت سے ڈرایا مگر کوئی نہ مانا۔

آخر حجاج بن یوسف ثقفی کوفہ اور بصرہ کی ولایت پر مامور ہو کر آیا اس نے پہلی ہی تقریر میں ان کے حواس درست کردیے اور تین دن کے اندا اندر میدانِ جنگ کی طرف روانگی پر مجبور کردیا۔ اس کی تفصیل حجاج کی امارت عراق کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اہل کوفہ و بصرہ جب مہلب اور ابن مخنف کے پاس دوبارہ پہنچے تو

ان دونوں سپہ سالاروں نے خوارج کو رامہرمز سے نکال دیا اور وہ سابور چلے گئے۔ مہلب اور ابن مخنف ان کے تعاقب میں سابور پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ مہلب کا یہ دستور تھا کہ جب وہ خوارج کے مقابلہ میں نکلتے تو اپنے لشکر کے گرد خندق کھود لیتے، انہوں نے ابن مخنف کو بھی یہی رائے دی مگر ابن مخنف نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج نے ان کے لشکر پر شبخون مار کر شکست دیدی۔ اور انہیں قتل کر دیا۔ مہلب سابور میں ایک سال تک مقیم رہے اور خوارج سے لڑتے رہے۔ پھر یوم بستان کے معرکہ میں انہوں نے خوب داد شجاعت دی۔

اس وقت کرمان پر خوارج کا قبضہ تھا اور فارس مہلب کے ہاتھ میں تھا۔ خوارج کے لیئے بڑی دقت یہ تھی کہ فارس سے انہیں رسد وغیرہ کی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ خوارج کرمان آکر مقیم ہو گئے۔ مہلب نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، اور کرمان کے ایک شہر جیرفت میں آکر ٹھہرے۔ یہاں کئی بار خوارج سے لڑائی ہوئی۔ آخر جب تمام فارس پر مہلب کا قبضہ ہو گیا تو حجاج نے یہاں اموی حکام کا تقرر کیا اور دارابجرد اور اصطخر کی آمدنی خوارج سے جنگ کے لیے وقف کر دی۔

خوارج سے معرکہ آرائی کا سلسلہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ حجاج نے براء بن قبیصہ کو مہلب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ خوارج کا زیادہ سخت مقابلہ ہونا چاہیے اور اس سلسلہ میں کوئی عذر قبول نہ کیا جائیگا۔

مہلب نے حجاج کا پیغام پہنچتے ہی کل لشکر کو صف آرائی کا حکم دیا۔

مہلب کے سات بیٹے اپنے اپنے دستوں کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف بڑھے۔ فوجیں فوجوں کے ساتھ بھڑیں، اور ہتھیار ہتھیاروں کے ساتھ ٹکرائے صبح سے دوپہر تک ہولناک لڑائی ہوتی رہی۔ دوپہر سے عصر تک فریقین نے آرام کیا۔ عصر کے بعد میدانِ جنگ گرم ہو گیا اور دونوں طرف کے بہادر دادِ شجاعت دینے لگے، یہاں تک کہ رات کی تاریکی دونوں فوجوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

براء بن قبیصہ ایک بلند ٹیلہ پر بیٹھا ہوا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے مہلب سے کہا میں نے تمہارے بیٹوں سے زیادہ جنگ آزمودہ اور تمہارے سپاہیوں سے زیادہ جری کسی کو نہیں دیکھا، اور تمہارے حریفوں سے زیادہ ثابت قدم اور بہادر بھی کسی کو نہیں پایا۔ خدا کی قسم تمہاری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ مہلب نے براء کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ براء نے اپنی چشم دید شہادت سے مہلب کی معذوری حجاج کے سامنے بیان کر دی۔

اس کے بعد مہلب مسلسل اٹھارہ مہینے خوارج سے لڑتا رہا۔ مگر خوارج کا زور کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔ اسی دوران میں خوارج کے لشکر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔

قطری کی فوج کے ایک افسر "مقعطر ضبی" نے ایک دوسرے خارجی کو قتل کر ڈالا۔ یہ دوسرا خارجی بھی اپنی جماعت کا معزز آدمی تھا۔ مقتول کے حامیوں نے قطری سے مقعطر کو قصاص میں قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ قطری

نے کہا قاتل سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے وہ عالم اور دین دار آدمی ہے۔ میں اُسے قتل نہ کرونگا۔ اس بات پر ان میں جھگڑا بڑھا۔ ایک بڑے گروہ نے قطری کی بیعت توڑ کر عبدربہ الکبیر کو اپنا سردار بنا لیا۔ قطری اور عبدربہ الکبیر کے ساتھیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور خوارج آپس ہی میں ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

حجاج بن یوسف کی رائے یہ تھی کہ اِس وقت ان پر حملہ کر دیا جائے مگر مہلب نے کہا جب تک یہ خود ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے ہیں ہمیں اپنی قوت خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خوارج پورے ایک مہینے تک آپس میں گتھے رہے آخر قطری اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف چلا گیا اور کرمان پر عبدربہ الکبیر قابض ہو گیا۔

مہلب نے اب عبدربہ الکبیر پر فوج کشی کی، اور اُسے جیرفت میں محصور کر دیا۔ خوارج نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ مہلب نے اُنہیں راستہ دیدیا۔ مگر دور جانے پر اُنہیں روک لیا۔ یہاں فریقین میں ہولناک لڑائی ہوئی۔ خوارج اس زور شور سے لڑے کہ مہلب نے اقرار کیا کہ اس سے پہلے اتنی سخت جنگ سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ لیکن آخر کار خوارج نے شکست کھائی اور ان کی اکثر فوج میدان جنگ میں کھیت رہی۔ مہلب کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ خوارج کی عورتیں باندیاں بنالی گئیں۔ کیونکہ خوارج بھی عام مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے۔

مہلب کی قدر افزائی اس فتح عظیم کی خبر مہلب نے ایک قاصد کے

ذریعہ حجاج کو بھیجی۔ حجاج نے قاصد سے مہلب کے بیٹوں کے اوصاف پوچھے تو اس نے بلیغانہ انداز میں ہر ایک کی خصوصیات بیان کیں۔ حجاج نے کہا' ان میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ قاصد نے جواب دیا:

"یہ سب ایک چوڑی زرہ کی مانند ہیں جس کا کنارہ نہیں ملتا"

حجاج نے مہلب کو لکھا کہ جن لوگوں نے میدان جنگ میں عمدہ خدمات انجام دی ہیں' ان کو ان کی خدمات کا صلہ دو' جو لوگ ان خدمات میں ممتاز رہے' ان کو انعام واکرام سے سرفراز کرو، جسے لائق سمجھو کرمان کا حاکم اور فوج کا سپہ سالار مقرر کرو، اور خود مجھ سے کوفہ آکر ملو۔

مہلب نے اپنے بیٹے یزید بن مہلب کو کرمان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

مہلب کوفہ پہنچا تو حجاج نے اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی۔ دربار منعقد کر کے مہلب کو اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ مہلب کی تعریف وتوصیف کی اور درباریوں سے کہا:۔

"اے اہل عراق! مہلب تمہارا آقا ہے اور تم اس کے غلام ہو"

پھر لقیط بن تعمیر کا مشہور قصیدہ جس کا پہلا شعر یہ ہے:۔

وقلدوا امرکم للہ درکم　　رحب الذراع بامر الحرب مضطلعا

(خدا تمہارا بھلا کرے انہوں نے تمہارا سردار اس شخص کو بنایا ہے جو بہادر اور فن جنگ کا ماہر ہے)

سنا کر کہا اے مہلب تمہارے اوصاف اس قصیدے کے مضمون کے مطابق ہیں[1]

قطری کا قتل

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ازارقہ کا پہلا سردار قطری اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف نکل گیا تھا۔ عبد ربہ الکبیر کی ہلاکت کے بعد، حجاج نے سفیان بن ابرد کو اسحاق بن محمد بن اشعث کے ساتھ ایک بڑی فوج دے کر قطری کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ سفیان نے طبرستان کے کسی درہ میں قطری کو جا گھیرا۔ قطری کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ تنہا اپنی جان بچانے کی کوشش میں سرگرداں تھا کہ گھوڑے سے گر کر کسی گھاٹی میں جا پڑا اور زخمی ہو گیا۔ کچھ اہل کوفہ نے اُسے دیکھ پایا اور قتل کر دیا۔

قطری کے قتل کے بعد، سفیان نے اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کر کے انہیں قصر قوس میں گھیر لیا۔ یہ لوگ جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو جان پر کھیل کر نکلے۔ اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے سب کے سب مقتول ہوئے یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔

قطری کے قتل سے خوارج کے فرقہ ازارقہ کی سرگرمیاں جو بیس سال سے ملک کے امن و امان کو برباد، اور ملت کو عروج کی شاہراہ سے ہٹائے ہوئے تھیں، ختم ہو گئیں۔

ہنگامۂ صالح و شبیب

ازارقہ کا فتنہ ابھی نہیں دبا تھا کہ جزیرے میں ایک نئی شورش شروع ہو گئی صالح بن سرح تمیمی ایک عالم و زاہد شخص تھا جس کے شاگردوں اور معتقدوں کا سلسلہ موصل اور جزیرے کے علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک دن صالح

اپنی جماعت کو جمع کر کے کہا :-

"بنی اُمیّہ کے مظالم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں، اور عدل و انصاف مٹتا جا رہا ہے۔ حکّامِ وقت نے جور و جفا پر کمر باندھ رکھی ہے۔ حق کا پاس اور خدا کا خوف انہیں نہیں رہا۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے، اللہ کا نام لے کر باطل کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ایک دوسرا خارجی سوار شبیب بن نعیم شیبانی بھی اسی زمانہ میں بنی اُمیّہ کے خلاف خروج کی تیاریاں کر رہا تھا اُسے جب صالح کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے اس کی جماعت میں شامل ہو کر کام کرنے کی درخواست کی۔

غرض صالح اور شبیب دونوں نے صفر ۷۶ھ میں ایک سو بیس[12] رفقاء کے ساتھ مقام دارا میں بنی امیہ کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ محمد بن مروان حاکمِ جزیرہ نے عدی بن عدی کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ عدی نے پہلے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ صالح نے اُسے رد کر دیا۔ آخر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عدی نے شکست کھائی اور اس کا سامان جنگ صالح کے ہاتھ آیا۔

محمد بن مروان نے خالد بن جزد، حارث بن جعونہ کی ماتحتی میں تین ہزار کا ایک اور لشکر صالح کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مقام آمد میں فریقین میں سخت جنگ ہوئی۔ صالح نے جب دیکھا کہ غنیم پر غالب آنا مشکل ہے تو وہ اپنے لشکر کو لے کر جزیرہ اور موصل کے علاقہ سے نکل گیا اور دسکر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی کو معلوم ہوا کہ یہ فتنہ اس کی حدود میں آ گیا ہے تو اس نے تین ہزار کا لشکر دے کر حارث بن عمیرہ کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مقام مدبج میں صالح نے نوے ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر کا مقابلہ کیا۔ صالح نے شکست کھائی اور مقتول ہوا۔

صالح کے قتل ہونے کے بعد اس کے ساتھیوں نے شبیب کو اپنا امیر تجویز کیا۔ شبیب نے اچانک حارث کے لشکر پر چھاپا مار کر اُسے قتل کر دیا۔ حارث کا لشکر ہزیمت کھا کر مدائن چلا گیا۔

اب شبیب نے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر جن کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی، عام تاخت و تاراج شروع کر دی۔ حجاج نے یکے بعد دیگرے ان کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں، لیکن شبیب نے سب کو شکست دی۔

آخر شبیب کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی کہ وہ لوٹ مار کرتا ہوا، حجاج بن یوسف کے دارالامارت کوفہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ بے باکانہ قصرِ امارت کی طرف بڑھا اور اپنے گرز سے قصر کے دروازہ پر ضربیں لگائیں۔ پھر جامع مسجد پہنچا اور وہاں کچھ لوگوں کو قتل کیا، پھر شہر کے مختلف حصوں میں کشت و خون کرتا ہوا کوفہ سے نکل گیا۔

حجاج نے پے درپے عراقی فوجوں کو شبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکیں، شاہی فوجوں کے مقابلہ میں شبیب کی یہ کامیابیاں دیکھ کر عراق کے کچھ شورش پسند بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

کچھ دن بعد پھر شبیب نے آٹھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے ارادہ سے مدائن کا رخ کیا۔ بابل مہروذ کے زمیندار نے حجاج کو شبیب کی نقل و حرکت کی خبر دی۔ حجاج نے فوراً اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا:-

اے لوگو! تم اپنے مال و دولت کی حفاظت اور ملک کی مدافعت کی خاطر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ورنہ میں یہ کام ایک ایسی قوم کے سپرد کر دونگا جو تم سے زیادہ صبر آزما اور اطاعت گزار ہوگی۔ وہ تمہارے دشمن سے مقابلہ کریگی، اور تمہارے حصہ کا مال غنیمت بھی حاصل کریگی۔

حجاج کی اس تقریر سے اہل کوفہ میں جوش پھیل گیا، اور عراقیوں کی بہت بڑی تعداد نے شبیب سے جنگ کرنے کے لیے اپنے نام پیش کیے۔ لیکن حجاج نے عراقیوں پر بھروسہ نہ کیا، اور عبدالملک کو کل حالات سے مطلع کر کے شامی فوج مدد کے لیے طلب کی۔ عبدالملک نے چھ ہزار منتخب شامی فوج سفیان بن ابرد کلبی اور حبیب بن عبدالرحمٰن کی زیر سرگردگی کوفہ کی حفاظت کے لیے روانہ کر دی۔ ابھی شامی فوج راستہ ہی میں تھی کہ حجاج نے پچاس ہزار عراقیوں کا لشکر عظیم عتاب بن ورقاء کی ماتحتی میں شبیب کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ حجاج نے رخصت کرتے وقت کہا "اگر تم لوگوں نے پہلے کی طرح بزدلی کا اظہار کیا تو تمہیں ظالم حاکموں کے حوالہ کر دونگا، اور لشکر گراں سے پیس ڈالونگا"

ساما یا کے قریب شبیب اور عتاب کا مقابلہ ہوا۔ عراقی بہادری کے ساتھ لڑے مگر خوارج کی جان کی بازی نے جلد ہی ان کے پیر اکھاڑ دیے مقام حیرت ہے کہ ایک ہزار خارجیوں نے پچاس ہزار عراقیوں کو شکست فاش دی۔ عتاب بن ورقا اور اس کا دوسرا بہادر ساتھی زہرین حویہ میدانِ جنگ میں مقتول ہوئے۔

اس دوران میں حجاج کے پاس شامی افواج پہنچ چکی تھیں اور وہ عراقیوں کی امداد سے مستغنی ہو گیا تھا اُس نے ایک تقریر میں اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"اے اہل کوفہ جو شخص تمہارے ذریعہ غلبہ حاصل کرنا چاہے خدا کرے وہ کبھی غالب نہ ہو اور جو تمہاری مدد سے کامیابی حاصل کرنا چاہے، خدا کرے وہ کبھی کامیاب نہ ہو۔ تم ہمارے سامنے سے دفع ہو جاؤ اور کسی لڑائی میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہو، جاؤ حیرہ میں جا کر یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ بود و باش اختیار کرو۔"

شبیب ساما یا سے سور آیا اور وہاں سے مقام حمام اعینؒ میں آ کر مقیم ہوا۔ حجاج نے حارث بن معاویہ ثقفی کو ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ جو عتاب کے لشکر میں شامل نہ تھے اُسے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ شبیب نے حارث کو قتل کر دیا اور کوفہ کے کنارے آ کر مقیم ہوا۔

اس مرتبہ حجاج خود شامی افواج کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ سے نکلا دونوں

طرف فوجیں صف آرا ہو چکیں تو حجاج نے شامیوں کا دل بڑھانے کے لیے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا:-

"اے اہل شام تم مطیع و فرمانبردار اور بہادر و جان نثار لوگ ہو دیکھو ان ناپاک دشمنوں کا باطل تمہارے حق کو مغلوب نہ کر دے۔ اپنی آنکھیں بند کر لو، گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور اپنے نیزوں کی انیاں دشمنوں کی طرف بڑھا دو"۔

آخر مقابلہ شروع ہوا شامی پتھریلی زمین کے سنگریزوں کی طرح زمین سے چمٹ گئے، اور خارجیوں کو نیزوں پر لے لیا۔ خارجی بھی اپنی روایتی بہادری کے ساتھ لڑے سارے دن ہولناک لڑائی جاری رہی۔ اور فریقین ایک دوسرے کی بہادری کا لوہا مان گئے۔

آخر خالد بن عتاب نے شبیب پر عقب سے حملہ کیا۔ اس کے بھائی "مصاد" اور اس کی بیوی "غزالہ" کو قتل کر دیا اور اس کے خیمہ میں آگ لگا دی۔ شبیب نے یہ حالت دیکھی تو اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ آیا۔ حجاج نے مقابلہ بند کر دیا اور شبیب کو موقع نکل جانے کا دیدیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شبیب نے شکست کا منہ دیکھا۔ حجاج نے کہا "خدا کی قسم آج سے پہلے کبھی شبیب کا مقابلہ ہی نہیں کیا گیا"۔

شبیب پہلے انبار گیا۔ پھر دریائے دجلہ کو عبور کر کے اہواز پہنچا پھر فارس ہوتا ہوا کرمان آیا، اور ستانے کے ارادہ سے مقیم ہو گیا۔ شبیب جہاں کہیں بھی پہنچا شامی فوجیں بھی اس کے تعاقب میں وہیں پہنچیں۔

اور فریقین میں ہولناک معرکے ہوئے۔

شبیب آرام سے فارغ ہو کر کرمان سے لوٹا تو اہواز میں دجیل کے پل پر سفیان بن ابرد سے اس کی آخری معرکہ آرائی ہوئی۔

دریا کے ایک کنارے پر سفیان شامی فوجوں کو لیے پڑا تھا، اور دوسرے کنارے پر شبیب۔ شبیب اپنی عادت کے مطابق دریا کو پار کر کے اپنے حریف پر حملہ آور ہوا۔ دونوں فوجیں بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ سارے دن لڑتی رہیں۔ شام ہوتے خارجیوں نے شامیوں پر تلواروں اور نیزوں سے سخت حملہ کیا اور انہیں چور چور کر دیا۔ سفیان نے شامیوں کے قدم ڈگمگاتے دیکھے تو انہیں تیر باری کا حکم دیا۔ خوارج نے پوری طاقت سے شامیوں پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ شبیب چاہتا تھا کہ سفیان پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دے مگر تاریکی اس قدر چھا گئی تھی کہ ایک دوسرے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لیے شبیب نے لڑائی کو ختم کر دیا اور رات گزارنے کے لیے اپنی قیام گاہ کو واپس ہوا۔

شبیب دریا کا پل عبور کر رہا تھا کہ ایک گھوڑی کو دیکھ کر اس کا گھوڑا بدکا اور شبیب دریا میں گر کر غرق ہو گیا۔ گرتے وقت اس نے کہا: لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا اور جب وہ غوطہ کھا کر ابھرا تو اس کی زبان سے نکلا: ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ [1]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۶۷

اس طرح اس بہادر کی شمع حیات جس سے ہمیشہ گھر میں آگ لگتی رہی دریائے دجیل کے پانی میں گل ہوگئی۔

فتوحات

اگرچہ یہ زمانہ فتنہ و فساد کا تھا، باہمی اختلافات کی گھنگھور گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں، تاہم جب کبھی موقع ملا مسلمانوں کی برق بار تلوار دشمنوں پر چمکی، اور ان کی حریص نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

مشرقی فتوحات

مہلب بن ابی صفرہ جب خوارج کا زور توڑ چکا، تو حجاج نے اسے خراسان کا والی مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۸۰ھ میں اس نے نہر بلخ کو پار کیا اور کش میں جا کر مقیم ہوا۔ مہلب کے ساتھ پانچ ہزار فوج تھی اور اس کے رفیق ابوالادہم زمانی کے ساتھ جو ایک شجاع اور مدبر افسر تھا، تین ہزار فوج تھی۔

مہلب کش میں مقیم تھا کہ شاہِ ختل کا چچیرا بھائی اس سے آکر ملا۔ اسے ختل سے لڑنے کی ترغیب دی۔ مہلب نے اپنے بیٹے یزید کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یزید اور شاہ ختل کا چچیرا بھائی برابر اپنی فوجیں ڈالے پڑے تھے کہ شاہ ختل نے اپنے چچیرے بھائی پر شبخون مارا۔ یزید نے اپنے لشکر کو آگاہ کرنے کے لیے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ شاہِ ختل کا چچیرا بھائی سمجھا کہ مسلمانوں نے اس کے ساتھ بدعہدی کی اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس افراتفری میں شاہ ختل نے اپنے چچیرے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

یزید بن مہلب نے شاہِ ختّل کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شاہ نے مجبور ہو کر جزیہ پر مصالحت کر لی۔ یزید اپنے باپ مہلب کے پاس لوٹ گیا۔

مہلب نے اپنے دوسرے بیٹے حبیب کو شاہ بخارا کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ شاہ بخارا چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں میں کئی مرتبہ لڑائیاں ہوئیں۔ مگر کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ حبیب واپس لوٹ آیا۔

مہلب کش میں دو سال تک مقیم رہا۔ بعض مشیروں نے پیش قدمی کی رائے دی۔ مگر مہلب نے کہا۔ جو فتوحات ہو چکی ہیں، وہی کافی ہیں۔ اب اگر میں اپنی فوج کو صحیح سلامت لے کر مرو پہنچ جاؤں تو یہی غنیمت ہے۔ مہلب سے اہل کش نے جزیہ پر صلح کر لی۔

مہلب کش ہی میں مقیم تھا کہ مرو سے اپنے بیٹے مغیرہ کی (جو مرو میں اس کا قائم مقام تھا) خبر وفات پہنچی۔ مہلب کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹے یزید کو مرو کا عامل بنا کر روانہ کیا اور زر جزیہ وصول کرنے کے بعد خود بھی جلد ہی مرو کے ارادہ سے روانہ ہو گیا۔

وفاتِ مہلب

مہلب ابھی مرو روز ہی پہنچا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ جب اس کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو جمع کر کے کہا: "میں اپنے بعد یزید کو خاندان کا سرپرست بناتا ہوں، تم سب اس کی تابعداری کرنا۔" پھر اس نے کچھ تیر منگائے اور انہیں رسی سے بندھوا دیا، اور اپنی اولاد سے پوچھا کیا تم انہیں توڑ سکتے ہو؟ آل مہلب نے جواب

یا "نہیں" مہلب نے کہا اگر انہیں الگ الگ کر دیا جائے تو توڑ سکتے ہو؟
ں مہلب نے جواب دیا "ہاں توڑ سکتے ہیں" مہلب نے کہا بس اتحاد
ر اختلاف میں یہی فرق ہے۔ تم سب کو مل جل کر رہنا چاہیے۔ پھر مہلب
نے حسب ذیل وصیتیں کیں:۔

"میں تمہیں خوف خدا اور صلۂ رحم کی وصیت کرتا ہوں، اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، مال میں زیادتی ہوتی ہے اور قوت بڑھتی ہے۔ بے رحمی اور ظلم سے منع کرتا ہوں کہ اس کا نتیجہ آخرت میں دوزخ اور دنیا میں قلت و ذلت ہے۔ ایک دوسرے کی اطاعت و فرماں برداری اور اتحاد و اتفاق کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ دیکھو جو کچھ کہو اس سے زیادہ کر دکھاؤ۔ زبان سے بات نکلتے وقت خوب سوچ لو اور زبان کی لغزش کے نتائج سے ڈرو۔ کیونکہ آدمی کا قدم لڑکھڑائے تو وہ سنبھل سکتا ہے اور زبان لڑکھڑائے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

اپنے پاس آنے جانے والوں کے حقوق کا خیال رکھو، ان کی صبح شام کی آمد و رفت تمہاری یاد دہانی کے لیے کافی ہے۔ سخاوت کو بخل پر ترجیح دو۔ بھلائی کو عزیز رکھو اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تم کسی عربی سے بھلائی کا وعدہ بھی کرو گے تو وہ تمہارے لیے اپنی جان قربان کر دیگا

لڑائی کے موقع پر تدبر اور چالاکی سے کام لو۔ کیونکہ یہ بہادری سے زیادہ مفید ہے۔ جب لڑائی شروع ہوتی ہے تو تقدیر الٰہی ہی اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تدبیر سے کام لے اور کامیاب ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اپنا فرض صحیح طور پر انجام دیا اور کامیاب ہوا۔ اور ناکام ہو تو کہا جاتا ہے کہ کوشش میں کسر نہیں چھوڑی مگر تقدیر میں کامیابی نہ تھی۔ تم قرآن مجید کی تلاوت کو ضروری سمجھو، سنتِ رسول اللہ کی تعلیم حاصل کرو، اور بزرگانِ دین کے طور طریقوں پر کاربند ہو۔ دیکھو اپنی مجلسوں میں فضول گفتگو نہ کیا کرو۔

مہلب کی یہ وصیتیں ہر نوجوان کے لیے بہترین نصیحتیں ہیں، جو زندگی کی کٹھن منزل میں مشعلِ راہ کا کام دے سکتی ہیں۔

ذی الحجہ ۸۳ھ میں مہلب نے انتقال کیا۔ عبد الملک نے اس کی وصیت کے مطابق اُس کے بیٹے یزید بن مہلب کو خراسان کا حاکم برقرار رکھا۔ یزید نے اپنے زمانہ حکومت میں نیزک کے قلعہ باذغیس کو فتح کیا۔ یہ قلعہ نہایت مضبوط و مستحکم تھا۔ نیزک جب اس میں داخل ہوتا تو تعظیماً اس کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ یزید نے جب اس پر قبضہ کر لیا تو نیزک نے درخواست کی کہ اسے اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جانے کا موقع دیا جائے۔ یزید نے درخواست منظور کر لی۔ اس قلعہ میں قیمتی خزانے اور سامان کے ذخیرے تھے۔ یہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

آلِ مہلب کی معزولی

آلِ مہلب کے عظیم الشان کارناموں اور ان کی داد و دہش کی وجہ سے ان کا اثر و اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ حجاج نے اس کو خطرے کی نظر سے دیکھا اور عبدالملک بن مروان سے کہا کہ یہ خاندانِ "زبیریہ" ہے۔ یزید کو خراسان جیسے ملک کی حکومت پر برقرار رکھنا مصلحت نہیں۔ مگر عبدالملک نے حجاج کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ جب حجاج نے یزید کی معزولی پر دیا زور دیا تو لکھا کہ یزید کو معزول کر کے اس کے بھائی مفضل کو خراسان کا حاکم مقرر کر دو۔

چنانچہ ۸۵ھ میں یزید ولایت خراسان سے معزول ہوا اور اس کا بھائی مفضل اس کا جانشین مقرر ہوا۔ یزید جب خراسان سے خوارزم فتح کرتا ہوا عراق لوٹا تو وہ جس شہر سے گزرتا تھا، وہاں اس کے اعزاز میں راستہ میں پھولوں کا فرش بچھایا جاتا تھا[1]

مفضل نے اپنے زمانۂ حکومت میں بادغیس پر فوج کشی کی اور اسے فتح کیا پھر اس نے آخرون اور شومان پر حملہ کیا۔ یہاں مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ مفضل بیت المال میں روپیہ جمع نہ کرتا تھا۔ بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا اسے فوراً تقسیم کر دیتا تھا۔

حجاج نے جب یزید کو معزول کر کے مفضل کو اس کا جانشین منتخب کیا تو یزید نے مفضل سے کہہ دیا تھا کہ حجاج نے میری مخالفت کے ڈر سے تمہیں میرا جانشین مقرر کیا ہے۔ تم اپنا فرمانِ تقرر نقش بر آب سمجھو۔ یزید کی یہ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۳۔

رائے بالکل درست نکلی۔ ابھی مفضل کو حکومت کی مسند پر فائز ہوئے نو مہینے ہی گزرے تھے کہ اس کی معزولی کا فرمان آ گیا اور قتیبہ بن مسلم باہلی اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس جلیل القدر فاتح کے کارنامے آئندہ بیان کیے جائیںگے۔

افریقی فتوحات یزید کے عہد کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ۶۲ھ میں کسیلہ بن مکرم بربری نے عقبہ بن نافع کو شکست دے کر تمام شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ قیروان کی اسلامی نو آبادی بھی اس کے رحم و کرم پر تھی۔ ۶۹ھ میں جب عبدالملک بن مروان کو ادھر توجہ کرنے کا موقع ملا تو اس نے زہیر بن قیس بلوی کو افریقہ کا والی مقرر کیا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ قیروان پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

زہیر بن قیس قیروان پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ کسیلہ قیروان چھوڑ کر ممش جا چکا ہے۔ زہیر نے تین دن شہر کے باہر آرام کیا۔ پھر کسیلہ کے عقب میں روانہ ہو گئے۔ ممش کے قریب پہنچ کر مسلمانوں کا بربریوں سے مقابلہ ہوا کسیلہ کے ساتھ بربریوں کے علاوہ رومیوں کی بھی بہت بڑی جمعیت تھی۔ دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ فریقین جان توڑ کر لڑے۔ آخر کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ کسیلہ اور اس کے ساتھ بڑے بڑے بربری اور سردار میدان جنگ میں کام آئے۔

اس فتح کے بعد زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقہ کی طرف روانہ ہوئے ادھر رومیوں نے برقہ کو خالی پا کر جزیرہ صقلیہ سے بہت بڑی تعداد میں فوج لے کر برقہ پر حملہ کر دیا تھا۔ زہیر برقہ کے قریب پہنچے تو انہیں اس آفت ناگہانی کی

خبر ہوئی۔ اگرچہ وہ جنگ کے ارادہ سے نہ نکلے تھے لیکن اپنی مٹھی بھر جماعت کو لے کر مردانہ وار مقابلہ پر آگئے۔ رومیوں اور مسلمانوں کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا۔ زہیر اور ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔ رومیوں نے لوٹ کھسوٹ کر قسطنطینہ کا راستہ لیا۔

عبدالملک کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو اسے بڑا رنج ہوا، مگر چونکہ وہ عبداللہ بن زبیر سے لڑائی میں مشغول تھا اس لیے کچھ نہ کر سکا۔ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد ۷۳ھ میں عبدالملک نے ایک عظیم الشان لشکر مرتب کیا اور حسان بن نعمان غسانی کو افریقہ کا والی بنا کر اس لشکر کے ساتھ افریقہ روانہ کیا۔

حسان پہلے قیروان پہنچے اور وہاں سے تیاریوں کے بعد، قرطاجنہ پر حملہ آور ہوئے۔ قرطاجنہ کا بادشاہ افریقہ کا سب سے بڑا بادشاہ تھا مسلمانوں کو اس سے مقابلہ کرنے کا ابھی تک اتفاق نہ ہوا تھا مسلمان قرطاجنہ پہنچے تو وہاں رومیوں اور بربریوں کی بے شمار فوج کو مقابلہ کے لیے تیار پایا۔ فریقین میں خونریز جنگ ہوئی۔ آخر رومی اور بربری میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے کچھ سسلی کی طرف فرار ہو گئے اور کچھ نے اسپین کی راہ لی۔ حسان نے قرطاجنہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور برقہ پر رومیوں کی غارتگری کا پورا بدلہ لیا۔

حسان کو معلوم ہوا کہ کچھ رومی اور بربری 'صطفورہ' اور 'بنیزرت' میں جمع ہو کر دوبارہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حسان نے فوراً ان کو جا لیا اور شکست

فاش دی۔ اس کے علاوہ حسان نے اور بھی جہاں کہیں رومیوں اور بربریوں کی طاقت پائی اُسے کچل دیا۔ حسان کی ان فتوحات سے مسلمانوں کا اُٹھا ہوا اقتدار پھر افریقہ میں قائم ہوگیا۔ اب حسان کی فوج تھک گئی تھی۔ زخمیوں کی تعداد بھی کافی تھی، اس لیے حسان قیروان لوٹ گئے۔

جب کچھ دن آرام کر کے فوج تازہ دم ہوگئی تو حسان نے معلوم کیا۔ کہ افریقہ کے بادشاہوں میں سے کوئی طاقتور بادشاہ تو باقی نہیں رہ گیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ملکہ دامیہ جو کاہنہ کے نام سے مشہور ہے اور جبل اوراس میں حکمراں ہے۔ اب افریقہ کی سب سے بڑی طاقت ہے کسیلہ کے قتل کے بعد تمام بربریوں نے اسی کو اپنا سردار تجویز کیا ہے۔ اگر اُسے قتل کر دیا گیا تو افریقہ میں امن وامان ہو جائیگا۔

حسان مناسب جمعیت کے ساتھ کاہنہ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ کاہنہ نے اس خیال سے کہ حسان قلعوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ باغایہ کے مضبوط قلعہ کو گرا دیا۔ لیکن حسان آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور نہر نینی پر ملکہ کاہنہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز معرکہ کے بعد مسلمانوں نے شکست کھائی۔ کثیر تعداد قتل ہوئی اور کچھ گرفتار ہوگئے۔ اس شکست سے افریقہ کے اسلامی مقبوضات پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور حسان کو برقہ لوٹ آنا پڑا۔

عبدالملک اس زمانہ میں خوارج سے ہنگامہ آرا تھا۔ اس لیے حسان کی مدد نہ کرسکا۔ ملکہ کاہنہ پانچ سال تک افریقہ پر قابض رہی مگر اس نے اہل افریقہ سے اچھا برتاؤ نہ کیا، اس کے ظلم وستم سے سب تنگ آگئے ۔ ۸۲ھ

میں جب حالات بہتر ہوئے عبدالملک نے کثیر تعداد میں فوج اور سامان حسان کے پاس بھیجا۔ اور اسے کاہنہ سے مقابلہ کرنے کے لیے افریقہ جانے کا حکم دیا۔

ملکہ کاہنہ نے پہلی لڑائی میں جن لوگوں کو قید کر لیا تھا، ان میں ایک نوجوان "خالد بن یزید قیسی" بھی تھے۔ خالد بن یزید کو ان کی بعض خوبیوں کی وجہ سے ملکہ کاہنہ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ حسان نے فوج کشی سے پہلے ایک خط دریافت حالات کے لیے خفیہ طور پر خالد کے نام بھیجا۔ خالد نے جواب دیا کہ اس وقت بربری منتشر ہو چکے ہیں حملہ کے لیے اچھا موقع ہے کاہنہ کو کسی طرح اس پیام وسلام کی خبر ہو گئی اس نے اس خیال سے کہ مسلمان سیم و زر اور مال و دولت کے لالچ میں بار بار افریقہ پر حملہ کرتے ہیں، افریقہ کے سب قلعوں کو برباد اور تمام ملک کو ویران کر دیا۔

ملکہ کی اس حرکت سے اس کی تمام رعایا اس کے خلاف ہو گئی جب حسان اپنی فوج لے کر افریقہ میں داخل ہوا تو بربریوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور ملکہ کے مقابلہ میں اس کا ساتھ دیا حسان جب قابس، قفصہ قسطیلیہ اور نفزادہ پر قبضہ کرتا ہوا دارالحکومت کے قریب پہنچا تو ملکہ کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم خالد کے ساتھ اسلامی فوج کے سپہ سالار کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کرا لو میں اب زندہ نہ بچ سکونگی، چنانچہ اس کے دونوں بیٹوں نے اپنی جان بخشی کرا لی اور حسان کے پاس ہی رہ گئے آخر ملکہ کاہنہ اور حسان کی فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا مسلمان کامیاب ہوئے اور ملکہ کاہنہ گرفتار ہو کر قتل ہوئی۔

اس شکست کے بعد مسلمان پھر تمام افریقہ پر قابض ہو گئے اور اس سرزمین میں اُن کا کوئی حریف نہ رہا۔ حسان نے امن عام کا اعلان کر دیا۔ بارہ ہزار بربر اسلامی فوج میں بھرتی ہوئے اور ان کا سردار کاہنہ کے دونوں بیٹوں کو بنایا گیا۔ حسان اب قیروان سے واپس آ گئے اور عبدالملک کی موت تک وہیں مقیم رہے۔ اس دوران میں اُنھوں نے اشاعت اسلام کی طرف توجہ کی اور بربریوں کی بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔[۱]

شمالی فتوحات

افریقہ کے میدانوں کے علاوہ شام کے ساحلی شہروں میں بھی مسلمانوں کی رومیوں سے معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ ۷۰ھ میں جب عبدالملک مصعب بن زبیر کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا رومیوں نے یکایک شام کے ساحلی شہروں پر حملہ کر دیا۔ عبدالملک نے مصلحت وقت دیکھ کر رومیوں سے ایک ہزار دینار فی ہفتہ پر صلح کر لی، لیکن جیسے ہی اسے اندرونی شورشوں سے نجات ملی اس نے 'شواتی' اور 'صوائف' کی دوبارہ تنظیم کی اور بلاد روم پر فوج کشی شروع کر دی۔ پہلے قیساریہ میں عبدالملک نے رومیوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کر لی۔ پھر ۸۱ھ میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالملک نے قالیقلا کو فتح کیا۔ پھر ۸۳ھ میں عبیداللہ نے مصیصہ کو فتح کیا۔ مصیصہ کی فتح کے بعد وہاں پہلی مرتبہ مسلمانوں کو آباد کیا گیا اور ایک قلعہ تعمیر کر کے تین سو سپاہیوں کو اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔

ولی عہدی

مروان نے اپنے بعد ترتیب وار عبدالملک اور عبدالعزیز بن مروان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ۸۵ھ میں عبدالملک نے

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۴۲ و ۳۴۳ ایضاً۔

اپنے بھائی عبدالعزیز کو جو اس زمانہ میں مصر کے والی تھے، معزول کر کے اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔

عبدالملک نے اس معاملہ میں قبیصہ بن ذویب سے جو اس کا پرائیوٹ سکریٹری تھا مشورہ کیا تو اُس نے توقف کرنے کا مشورہ دیا لیکن روح بن زنباع جذامی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ کام بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ ابھی عبدالملک عبدالعزیز کی تدبیریں ہی سوچ رہا تھا کہ عبدالعزیز کی موت کی خبر آگئی۔ اب عبدالملک نے ترتیب وار اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد مقرر کیا اور حکام کو ان کی بیعت کے لئے لکھا سب نے بیعت کر لی۔ البتہ فقیہِ مدینہ اور مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا:۔

"میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا"

والیِ مدینہ ہشام بن اسمٰعیل نے حضرت سعید بن مسیب کو مجبور کیا اور جب وہ نہ مانے تو انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور شہر میں تشہیر کر کے قید کر دیا۔

عبدالملک کو خبر پہنچی تو اس نے ہشام کو ملامت کی اور لکھا:۔

"سعید کا دل ہماری طرف سے صاف ہی ہے مار پیٹ کی بجائے اُن کے ساتھ اپنائیت اور محبت کا سلوک کرنا چاہیئے"۔

وفات عبدالملک

وسط شوال ۸۶ھ میں عبدالملک بن مروان نے دمشق میں انتقال کیا۔ جب اس کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو حسب ذیل وصیت کی:۔

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ یہ

بہترین زیور، اور سب سے محفوظ جائے پناہ ہے، بڑوں کو چھوٹوں پر مہربانی کرنا چاہیئے اور چھوٹوں کو بڑوں کا حق پہچاننا چاہیئے مسلمہ کا خیال رکھنا اور اس کی رائے پر عمل کرنا کیونکہ وہ تمہارا قوتِ بازو ہے۔ حجاج کا احترام کرنا کہ اس نے تمہارے لیئے حکومت کا میدان صاف کر دیا ہے۔ ایک ماں کے نیک بیٹے بنے رہنا اور آپس میں محبت سے رہنا۔ شریفوں کی طرح لڑائی سے منہ نہ پھیرنا، کیونکہ موت اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔ نیکی کا منار بننا کیونکہ اس کا ثواب اور اس کی یاد باقی رہتی ہے، بھلائی شریفوں ہی کے ساتھ کرنا۔ وہی اسے یاد رکھتے ہیں اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خطاکاروں کی خطاؤں کو نگاہ میں رکھنا اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کر دینا اور اگر خطا پر اصرار کریں تو بدلہ لینا"

وفات کے وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ کل مدت خلافت اکیس سال ڈیڑھ ماہ، اور ابن زبیر کی شہادت کے بعد سے تیرہ سال چار مہینے ہوئی۔ دمشق میں باب جابیہ کے باہر دفن کیا گیا۔

تدفین کے وقت اس کے بیٹے ہشام نے یہ شعر پڑھا:۔

فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما

(قیس کا مرنا کسی ایک شخص کا مرنا نہیں ہے، بلکہ یہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے)

ولید نے کہا لغو گفتگو نہ کرو، بلکہ اوس بن حجر کا یہ شعر پڑھو:۔

اذا مقرم منا ذرا حد نابہ تخمط منا ناب آخر مقرم

(جب ہمارے کسی سردار کے دانت کی تیزی کند ہو جاتی ہے تو
دوسرے سردار کے دانت تیز ہو جاتے ہیں[۱])

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کی زندگی کا اس قسم کے گرم جذبات سے ہی پتہ چلتا ہے۔

خاندان عبدالملک

عبدالملک نے آٹھ بیبیوں سے نکاح کیے۔ اُن کے نام مع اُن کی اولاد کی تفصیل کے درج ذیل ہیں :۔

(۱) ولادہ بنت عباس : اس کے بطن سے ولید، سلیمان اور مروان اکبر پیدا ہوئے۔

(۲) عاتکہ بنت یزید بن معاویہ : اس کے بطن سے یزید، مروان اصغر معاویہ اور اُم کلثوم پیدا ہوئے۔

(۳) اُم ہشام بنتِ ہشام مخزومی : اس سے ہشام پیدا ہوا۔

(۴) عائشہ بنتِ موسیٰ تیمی : اس سے ابوبکر بکار پیدا ہوا۔

(۵) اُم ایوب بنت عمرو بن عثمانؓ : اس سے حَکَم پیدا ہوا۔

(۶) اُم مغیرہ بنت مغیرہ بن خالد مخزومی : اس سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔

(۷) شقرا بنت مسلمہ طائی۔

(۸) اُم ابیہا بنت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب۔

بیبیوں کے علاوہ امہاتِ اولاد سے چند بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۹۔

یہ ہیں: عبداللہ، مسلمہ، منذر، عنبسہ، محمد، سعید، خیر اور حجاج۔

سیرت عبدالملک

عبدالملک بن مروان علم وفضل، فہم وتدبر، ہمت وجرأت اور شجاعت وبسالت کے اوصاف سے متصف تھا۔ ۶۵ھ میں جب وہ تخت شام پر متمکن ہوا ہے، عالم اسلامی پر اضطراب واختلاف کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں مگر جب ۸۶ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہوا، امن وامان کے سورج کی کرنیں حکومت اسلامیہ کے چپہ چپہ کو منور کر رہی تھیں۔

اس کے علم وفضل کے متعلق ابوالزناد اور شعبی کی رائیں پہلے بیان کی جا چکی ہیں، اس کی جرأت وشجاعت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے ۶۶ھ میں جب وہ مختار ثقفی سے جنگ کرنے کے لیے جا رہا تھا اُسے ایک رات متواتر چار حوصلہ شکن خبریں ملیں، پہلے کسی قاصد نے اطلاع دی کہ عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلہ میں مارا گیا۔ پھر خبر آئی کہ اس کا ایک نامور افسر عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں کام آیا۔ اور مصعب بن زبیر اپنی فوجیں لے کر سرزمین فلسطین میں داخل ہو گئے۔ پھر کوئی مخبر خبر لایا کہ شہنشاہ روم کا لشکر سرحد شام کے شہر مصیصہ میں داخل ہو چکا پھر کسی نے یہ مژدہ سنایا کہ دمشق کے بدمعاشوں نے شہر میں غدر مچا اور اعراب نے حمص اور بعلبک میں لوٹ مار شروع کر دی ہے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ عبدالملک ان خبروں کو سُن کر ذرا پریشان نہ ہوا بلکہ اس رات وہ زیادہ خوش اور بشاش نظر آیا۔[1]

---

[1] مسعودی ج سوم صفحہ ۲۱۳۔

اس کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ۷۱ھ میں جب اُس نے مصعب بن زبیر کے مقابلہ میں عراق جانے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے احباب سے مشورہ کیا۔ بعض مشیروں نے کہا بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر جیسی با اثر طاقت سے نہ ٹکراؤ تم اپنے مقبوضہ صوبوں پر قناعت کرو۔ اور عبداللہ بن زبیر کے لیئے ان کے مقبوضہ علاقے چھوڑ دو۔ لیکن عبدالملک نے حقارت کے ساتھ اس رائے کو ٹھکرا دیا۔ پھر بعض خیر خواہوں نے عرض کیا، اگر جنگ کرنا ہی ہے تو کسی سپہ سالار کو بھیج دیا جائے، اور امیر المومنین دارالحکومت میں رہ کر اس کی امداد کرتے رہیں۔ عبدالملک نے اس رائے کو بھی قبول نہ کیا۔ اور کہا "مصعب جیسے بہادر شخص کے مقابلہ کے لیئے مجھ جیسے آزمودہ کار جنگجو کا میدان میں جانا ضروری ہے"۔

آخر کار جب وہ اس خطرناک مہم پر روانہ ہونے لگا تو اس کی بیوی عاتکہ بنت یزید بے اختیار رونے لگی، اُس کو روتے دیکھ کر اس کی سہیلیاں بھی رونے لگیں۔ عبدالملک نے کثیر عزۃ کے دو شعر پڑھے اور بلا پس و پیش میدانِ جنگ کو روانہ ہو گیا۔ اور آخر کار کامیاب و بامراد واپس آیا[1]۔

تاریخ اس پر یہ نکتہ چینی کرتی ہے کہ اس نے اپنے حریفوں کے مقابلہ میں سخت گیری اور عہد شکنی کو روا رکھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص کو امیر عراقین مقرر کیا، جس نے ہزارہا انسانوں کو خاک و

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۲۵۔

خون میں تڑپایا اور عمرو بن سعید کو امان دے کر دھوکہ سے قتل کر دیا۔
مگر اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عبدالملک ایک سلطان تھا، خلیفۂ راشد نہ تھا، سلطنت کی قبا کا گنہگاروں اور بے گناہوں کے خون سے رنگین ہونا ایک معمولی بات ہے، پھر عبدالملک کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ تھے جنہیں اپنی اغراض ذاتی کی تکمیل کے لیئے اسلام کی مرکزیت کو پارہ پارہ کرنے میں کبھی باک نہ ہوا اور بادشاہوں کے تاج وتخت سے کھیلنا اُن کا مفید شغلہ رہا۔ چنانچہ وہ خود کہا کرتا تھا کہ "ہر زمانہ کے حکام کا رویّہ اس زمانہ کی رعایا کے طرز عمل کے مطابق ہوتا ہے مجھے جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اگر حضرت عمرؓ کو ان سے واسطہ پڑتا تو وہ بھی یہی طرز عمل اختیار کرتے۔
بہر کیف عبدالملک کا یہ بہت بڑا احسان ہے خواہ اس کا اپنا مقصد یہ ہو یا نہ ہو کہ اُس نے پھر ایک ایسی مضبوط اسلامی عربی حکومت کی بنیادیں استوار کر دیں۔ جو دشمنانِ اسلام کی اغراض فاسدہ کی تکمیل کی راہ میں حصار بن کر کھڑی ہو گئی اور جس کے زیر سایہ مدت دراز تک اعلائے کلمۂ اسلام، علوم اسلامیہ کی اشاعت اور تمدن اسلامی کی حفاظت و ترویج کی خدمات انجام دی جاتی رہیں۔
فتوحات اسلامیہ کے علاوہ جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ خاص عبدالملک کے عہد میں جو دینی و تمدنی کام انجام دیئے، ان میں بعض قابل ذکر ہیں:-
تعمیر کعبہ | بناءِ ابراہیمی کے ۲۷۵ سال بعد نبوت محمدیہ سے پانچ سال

قبل قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کرکے اُسے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس تعمیر کے وقت سرمایہ کی کمی کی وجہ سے حجر اسمٰعیل کی طرف بنیاد ابراہیمی سے چند ہاتھ چھوڑ کر دیوار اُٹھائی گئی۔ نیز دروازہ بھی قدآدم اونچا رکھا گیا، تاکہ قریش کی بغیر اجازت اس میں کوئی داخل نہ ہوسکے۔

۶۴ھ میں جب یزید بن معاویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لیے حصین بن نمیر کو بھیجا تو اس نے خانہ کعبہ پر سنگباری کرائی۔ اس سنگ باری سے خانۂ کعبہ کی دیواریں جھک گئیں۔ نیز آگ لگ جانے کی وجہ سے غلاف کعبہ اور عمارت کعبہ کا چوبی حصّہ بھی جل گیا۔

یزید کی موت کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر کا حجاز میں پورا تسلط ہوگیا تو آپ نے ایرانی مصری اور رومی کاریگروں کو بلا کر خانہ کعبہ کو منہدم کرکے دوبارہ اس کی تعمیر شروع کرائی۔ آپ کو اپنی خالہ محترمہ حضرت عائشہ سے جناب رسول اکرم صلعم کی یہ حدیث پہنچی تھی کہ اگر قریش جدید الاسلام نہ ہوتے تو میں کعبہ کو بنیاد ابراہیمی پر لے آتا اور حجر اسمٰعیل (کعبہ کا چھوٹا ہوا حصّہ) کو بھی اس میں داخل کر دیتا" لہٰذا تعمیر جدید میں کعبہ کا چھوٹا ہوا حصّہ بھی داخل کرلیا۔ اس کے علاوہ آپ نے زمین سے ملا کر آمنے سامنے دو دروازے قائم فرمائے، تاکہ زائرین ایک طرف سے آئیں اور دوسری طرف سے نکل جائیں اور عمارت کی بلندی میں بھی نو ہاتھ کا اضافہ کر دیا۔

۷۳ھ میں جب حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہوگئے اور حجاج

بن یوسف حجاز کا والی مقرر ہوا تو اس نے حجر اسمٰعیل کو پھر خانۂ کعبہ سے خارج کر دیا۔ دروازہ جدیدہ کو تیغہ لگا کر بند کر دیا، دروازہ قدیم کو اونچا کر دیا۔ یوں خانۂ کعبہ پھر بنا، قریش کے مطابق ہوگیا۔

خانۂ کعبہ کی موجودہ عمارت وہی ہے۔ تینوں طرف بنا، عبداللہ بن زبیر اور شمالی جانب تعمیر حجاج بن یوسف ثقفی۔

اِسلامی دینار کا اجراء اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی درہم اور رومی دینار چلتے تھے۔ ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے درہم ڈھلوائے۔ یہ درہم ایرانی دراہم کے نمونہ پر ڈھالے گئے۔ لیکن ان کا نقش "الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ قرار دیا گیا اس کے بعد حضرت عثمانؓ امیر معاویہؓ اور عبداللہؓ بن زبیر نے بھی اپنے اپنے عہد میں درہم ڈھلوائے۔ ۷۶ھ میں عبدالملک بن مروان نے خالد بن یزید بن معاویہ کے مشورہ سے دینار بھی ڈھلوائے۔

بات یہ ہوئی، کہ عبدالملک کے پاس سے قیصر روم کے نام جو خطوط جاتے تھے اُن کی پیشانی پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلعم کی رسالت کا ذکر ہوتا تھا۔ قیصر روم نے عبدالملک کو لکھا کہ یہ ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا ہے جسے میں پسند نہیں کرتا۔ اگر اسے بند نہ کیا گیا تو میں اپنے ہاں کے دیناروں پر تمہارے نبی کی شان میں غیر مناسب الفاظ کندہ کرا کر بھیجونگا۔

قیصر روم کی اس دھمکی کا جواب عبدالملک نے اس طرح دیا کہ رومی

دیناروں کا داخلہ ممالک اسلامیہ میں بند کر دیا اور اسلامی دینار جاری کیے۔

حجاج بن یوسف کی نگرانی میں عراق میں اسلامی ٹکسال قائم کی گئی اور دوسروں کو سکہ ڈھالنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چنانچہ سمیر نامی ایک یہودی نے سکہ ڈھالا تو اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ سمیر نے دراہم و دنانیر کا وزن کرنے کے لیئے کانٹا ایجاد کیا کہ اس کارگزاری پر حجاج کے عتاب سے بچ جائے مگر حجاج نے اُسے قتل کرا دیا۔

عبدالملک کی ٹکسال سے جو سکہ جاری ہوا، اس میں ایک رُخ قل ھو اللہ احد اور دوسرے رُخ لآ الٰہ الا اللہ نقش ہوتا تھا۔ دونوں رُخ حاشیہ پر ایک حلقہ بنا ہوتا تھا۔ ایک حلقہ میں تاریخ اور مقام درج ہوتا تھا اور دوسرے میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ لکھا ہوتا تھا[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۶۱ و تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۲۳۰

ولید اوّل بن عبد الملک

سنہ ۸۶ھ تا سنہ ۹۶ھ

ولید عبد الملک بن مروان کا بڑا بیٹا تھا، جو ولادہ بنت عباس بن جزء عبسی کے بطن سے سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوا آغوش ناز و نعمت میں پلا بڑھا۔ اس لیئے علم و فضل سے بے بہرہ رہا۔ مگر آئین جہاں بانی اور اصول حکمرانی سے پورے طور پر واقف تھا، مزاج میں سختی تھی۔

باپ کے دفن سے فارغ ہو کر سیدھا مسجد میں پہنچا اور خطبہ دیا۔ پہلے عبد الملک کی خوبیاں بیان کیں، پھر کہا:-

لوگو! تمہارے لیئے حکومت کی اطاعت اور جماعت کے ساتھ اتحاد ضروری ہے جو شخص جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ شیطان کا بھائی ہے۔ لوگو جو شخص مخالفت کا اظہار کریگا اُس کا سر توڑ دیا جائیگا اور جو اُسے چھپائیگا وہ اسی مرض میں ہلاک ہو جائیگا۔"

ولید کا عہد دولت بنی اُمیہ کی پیشانی کا نور ہے۔ عبد الملک حکومت کے راستہ کے تمام کانٹے صاف کر چکا تھا۔ خوارج کا فتنہ دب چکا تھا، شیعہ اہل بیت کے جذبات سرد ہو چکے تھے، بنی اُمیہ کی رقیب طاقتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھیں۔ اس لیئے ولید کو اطمینان کے ساتھ داخلی انتظامات اور

خارجی اقدامات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملا۔

خوش قسمتی سے اُسے محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ بن عبدالملک جیسے عظیم الشان فاتحین ہاتھ آ گئے، جنہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے یورپ اور ایشیا کے میدانوں کو روند ڈالا۔

ان چاروں سپہ سالاروں کی فتوحات کی تفصیل علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہے۔

فتوحات

محمد بن قاسم ایران کی ساسانی حکومت اور سندھ کی بدھ حکومت میں جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں دوستانہ تعلقات تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں تو سندھی فوجیں بھی ایرانی فوجوں کے دوش بدوش مسلمانوں سے لڑیں۔ ساسانی حکومت کے خاتمہ کے بعد بہت سے ایرانی سرداروں نے سندھ میں بود و باش اختیار کر لی اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان کے علاوہ بعض عرب سردار بھی حکومت وقت سے باغی ہو کر سندھ میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔

ان وجوہ سے کرمان و مکران پر قابض ہونے کے بعد سے مسلمانوں اور سندھیوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم اندرون ملک میں گھس کر مسلمانوں کو سندھ پر قبضہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بیوہ مسلمان عورت کی مظلومانہ فریاد نے ادھر متوجہ کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جزیرۂ سراندیپ میں کچھ عربوں کا جو بغرض تجارت وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، انتقال ہو گیا۔ راجہ سراندیپ ایک نیک دل اور صلح پسند شخص تھا اور مسلمانوں سے تعلقات پیدا کرنے کا خواہاں تھا۔ اس نے حجاج اور ولید بن عبد الملک کو خوش کرنے کے لیئے ان عرب تاجروں کے اہل و عیال کو ایک جہاز میں سوار کرا کر عراق روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بہت سے قیمتی تحفے بھی ولید کے دربار میں پیش کرنے کے لیئے روانہ کیئے جب یہ جہاز دیبل کے قریب پہنچا تو سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے جہاز پر حملہ کر کے تمام مال و متاع لوٹ لیا اور عرب عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا

عرب عورتیں اور بچے جب اس طوفان بلا میں گھرے تو ایک عورت کی زبان سے بے اختیار یہ فریاد نکلی "اے حجاج ہماری مدد کر"۔ حجاج کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی اور اس مظلوم عورت کی فریاد سنائی گئی تو اُس نے کہا "میں ابھی مدد کو پہنچتا ہوں"۔

حجاج نے پہلے مصالحت سے کام نکالنا چاہا۔ داہر کو لکھا کہ آپ کے آدمیوں نے ہماری عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا ہے ہم انہیں واپس کرا دو۔ مگر داہر شریر آدمی تھا۔ اُس نے جواب دیا یہ سمندری قزاقوں کا کام ہے میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اب فوج کشی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ حجاج نے عبداللہ اسلمی

کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سرحد سندھ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عبداللہ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ دوسری بار حجاج نے بدیل بن طہفہ بجلی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ بدیل میدان کارزار میں گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے

تیسری بار حجاج نے اپنے نوجوان بھتیجے محمد بن قاسم کو سرحد سندھ کا والی مقرر کیا اور چھ ہزار شامی فوج دے کر سندھ کی مہم پر مامور کیا۔ محمد بن قاسم پہلے مکران آیا اور ضروری انتظامات کے لیے وہاں کچھ روز ٹھہرا سترپور و پنج گور کی طرف بڑھا اور اُسے فتح کیا۔ پھر ارمابیل (ارمن بیلہ) کو فتح کیا، پھر مضافات دیبل میں آکر مقیم ہوا۔ محمد بن قاسم نے اپنے ہتھیار اور سامان رسد (جن میں سوئی تاگا تک موجود تھا) سمندر کے راستہ روانہ کر دیے تھے۔ جس دن وہ پہنچا اسی دن یہ اشیار بھی پہنچ گئیں۔

فتح دیبل

محمد بن قاسم نے دیبل پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اپنی فوج کے آگے خندق کھودی اور بہادران اسلام کی صفیں ترتیب کے ساتھ قائم کر دیں۔ منجنیقیں بھی مناسب مقامات پر نصب کر دی گئیں۔ ان میں وہ منجنیق بھی تھی جسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے اور "عروس" کے نام سے مشہور تھی۔ مسلمان عرصہ تک دیبل کا محاصرہ کیے پڑے رہے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

دیبل ایک تیرتھ گاہ تھا۔ وسط شہر میں ایک بہت بڑے مندر میں بدھ کا بُت تھا۔ مندر کی شاندار عمارت پر ایک بہت اونچا مینار بنا ہوا تھا

مینار کے برج پر ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا نصب تھا۔ جب ہوا چلتی یہ جھنڈا سارے شہر پر لہراتا۔ ایک دن مسلمانوں نے تاک کر منجنیق سے نشانہ لگایا تو مندر کے مینار کی برجی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور وہ مقدس سرخ جھنڈا زمین پر آ رہا۔ اہل شہر نے اسے بدشگونی سمجھا اور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ مسلمانوں نے جوش و خروش کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا۔ کچھ نوجوان رسیوں کی کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے اور شہر کو بزور شمشیر فتح کیا۔ راجہ داہر کا حاکم موقع پا کر بھاگ گیا۔

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا، اور ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ کفرستان ہند میں خدائے واحد کی یہ پہلی عبادت گاہ تھی۔

دیبل سے محمد بن قاسم بیرون کی طرف بڑھا۔ حاکم بیرون نے اپنے سفیر بھیج کر حجاج سے پہلے ہی مصالحت کر لی تھی۔ بیرون میں محمد بن قاسم مصالحانہ داخل ہوا، اور وہاں اس کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔ محمد بن قاسم آگے بڑھا اور شہر پر شہر فتح کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دریائے سندھ کے اس پار ایک دریا کو عبور کر کے سربیدس (شری ویدس) پر حملہ آور ہوا۔ سربیدس کے راجہ نے خراج پر صلح کر لی۔ یہاں سے محمد بن قاسم سہبان کی طرف چلا اور اسے فتح کیا۔

اب محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کی راستہ میں ایک دستہ سدوستان (سہوان) کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ اہل سدوستان نے امان مانگی اور خراج پر صلح کر لی۔ دریائے سندھ پر پہنچ کر محمد بن قاسم نے دریا پر پل باندھا

ور دریا کو پار کرکے راجہ راسل کی حدودِ سلطنت میں داخل ہوا۔
راجہ داہر دریائے سندھ کے کنارے، سندھ کے دوسرے راجاؤں کے ساتھ عظیم الشان لشکر لیے پڑا تھا۔ دریائے سندھ کو پار کرتے ہی محمد بن قاسم کا اپنے اصل حریف سے مقابلہ ہوا۔ سندھی فوج کے آگے ہاتھی صف باندھے کھڑے تھے۔ خود راجہ داہر بھی درمیان میں ایک سفید ہاتھی پر سوار فوج کی کمان کر رہا تھا۔ دونوں فوجوں میں خونریز لڑائی ہوئی۔ آخر فتح کا سہرا محمد بن قاسم کے سر بندھا اور داہر میدان جنگ میں مقتول ہوا۔
راجہ داہر کا قاتل اس کارنامہ پر ان الفاظ میں اظہار فخر کرتا ہے:-

الخیل تشہد یوم داہر والقنا	ومحمد بن القاسم بن محمد
انی فرجت الجمع غیر معرج	حتی علوت عظیمہم بمہند
فترکتہ تحت العجاج مجندلا	متعفر الخدین غیر موسد

داہر سے لڑائی کے دن گھوڑے، نیزے اور محمد بن قاسم بن محمد اس امر کے گواہ تھے کہ میں بغیر پیچھے ہٹے میدان کو صاف کرتا ہوا بڑھتا رہا یہاں تک کہ میں نے دشمن کے سردار (داہر) کو شمشیر ہندی سے چت کردیا۔
میں نے اُسے اُس وقت چھوڑا جب وہ غبار کی چادر میں لپٹا پچھڑا پڑا تھا۔
اس کے دونوں رخسار خاک آلود تھے اور اس کے سرہانے کوئی تکیہ بھی نہ تھا،
داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم کا سندھ کے شہروں پر قبضہ ہوتا چلا گیا پہلے وہ رور پہنچا۔ یہاں داہر کی ایک بہادر رانی مسلمانوں سے انتقام لینے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ محمد بن قاسم نے پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور سنگباری

شروع کردی، رانی کو جب شکست کا یقین ہو گیا تو وہ اپنی سہیلیوں اور باندیوں کے ساتھ ستی ہو گئی۔ قلعہ کا قیمتی سامان بھی اس نے چتا کی آگ میں جلا دیا۔

یہاں سے محمد بن قاسم نے برہنا باد (برہمن آباد) کا قصد کیا۔ برہمن آباد میں داہر کی باقی ماندہ فوج داہر کے بیٹے جے سنگھ کی زیرہدایت لڑائیوں کی تیاریوں میں مصروف تھی محمد بن قاسم نے اسے بزور شمشیر فتح کیا اور وہاں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر دیا۔ جے سنگھ کسی طرف نکل گیا۔

برہمن آباد سے محمد بن قاسم رور اور بغرور کے ارادے سے نکلا۔ راستہ میں اہلِ ساوندری ملے اور صلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے دعوت کھلانے کی شرط پر صلح کر لی۔ اہل ساوندری نے مسلمانوں کی دعوت کی اور بعد میں مسلمان ہو گئے

محمد بن قاسم بسمد پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے بھی اہل ساوندری کی طرح صلح کر لی۔ آخر محمد بن قاسم رور پہنچا۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ یہاں مسلمان کئی مہینے تک محاصرہ کیئے پڑے رہے۔ اہل شہر جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لیئے تیار ہیں کہ ہمیں امان دی جائے اور ہمارے بت خانے کو مسمار نہ کیا جائے۔ محمد بن قاسم نے اس شرط کو قبول کر لیا اور مندر کو کنیسہ اور آتش کدہ کے حکم میں شمار کیا۔ محمد بن قاسم نے رور میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی۔

فتح ملتان

یہاں سے روانہ ہو کر محمد بن قاسم نے سکر کو فتح کیا۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ راجہ ملتان نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور شہر بند ہو بیٹھا۔ مسلمان بہت

عرصہ تک شہر کا محاصرہ کیئے رہے آخر ایک ملتانی کے مشورہ سے انہوں نے وہ نہر بند کر دی جس سے اہل ملتان سیراب ہوتے تھے۔ مجبور ہو کر راجہ ملتان ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔

ملتان بھی بدھ مت کی بہت بڑی تیرتھ گاہ تھی۔ یہاں کے مندر کی یاترا کے لیئے دور دور سے یاتری آتے تھے اور بدھ کے بت پر بیش قرار چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ یہ سب دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ صرف سونے کی مقدار اتنی تھی کہ ایک مکان میں جو دس گز لمبا اور آٹھ گز چوڑا تھا اُسے جمع کیا گیا تو وہ بھر گیا۔ اسی لیئے عربوں میں ملتان "سونے کی کان" سے مشہور ہو گیا۔ حجاج نے حساب لگایا تو فتوحات سندھ پر ساٹھ لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے، اور صرف مال غنیمت کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ہوتی تھی۔ اُس نے کہا "اس مہم میں ساٹھ لاکھ درہم کا فائدہ رہا اور ہم نے اپنا انتقام الگ لے لیا"۔ محمد بن قاسم ملتان ہی میں مقیم تھا کہ حجاج بن یوسف کی وفات کی خبر پہنچی۔

محمد بن قاسم رودر اور نیعرور کی طرف لوٹا جنہیں وہ فتح کر چکا تھا۔ یہاں سے اُس نے ایک لشکر سلیمان کی طرف بھیجا۔ اہل سلیمان نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس شہر شت کی طرف توجہ کی یہاں کے باشندوں نے بھی اطاعت قبول کی پھر محمد بن قاسم کیرج آیا یہاں کے راجہ دوہر نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور قتل ہوا۔ ان عظیم الشان فتوحات کے بعد جنہوں نے اسلام کی روشنی سے سندھ کے بیابانوں کو جگمگا دیا۔ ولید بن عبدالملک کا

انتقال ہو گیا۔ بقیہ واقعات سلیمان بن عبد الملک کے عہد کے حالات میں بیان ہونگے[1]

قتیبہ بن مسلم

۸۶ھ میں حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم کو مفضل بن مہلب کی جگہ خراسان کا والی مقرر کیا تھا۔ قتیبہ نے خراسان پہنچتے ہی جہاد کی اہمیت اور فضیلت پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ بہت سے راہ خدا میں جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ قتیبہ ان مجاہدین کو ساتھ لے کر ترکستان کے فتنہ انگیز اور باغی سرداروں پر فوج کشی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ قتیبہ طالقان پہنچا تو بلخ کے سردار بھی اس سے آملے۔ جب قتیبہ نے دریائے جیحون کے اس پار قدم رکھا تو صغانیان کے بادشاہ نے تحائف و ہدایا کے ساتھ استقبال کیا اور سونے کی کنجی اسکی خدمت میں پیش کر کے اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ قتیبہ نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ شاہ صغانیاں نے اپنے علاقہ کو قتیبہ ہی کی نگرانی میں دیدیا۔ کیونکہ اس کا پڑوسی شاہ آخرون و شومان اس کو بہت پریشان کرتا تھا۔

یہاں سے قتیبہ نے آخرون و شومان (طخارستان) کا قصد کیا۔ شاہ آخرون و شومان کو جب اپنے حریف شاہ صغانیان کی اطاعت کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی فدیہ پیش کر کے صلح کر لی۔

اس کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا اور اپنے بھائی صالح کو مفتوحہ علاقہ کی نگرانی اور لشکر کی سالاری کے لیے چھوڑ آیا۔ صالح نے نصر بن سیار کی مدد

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۵، ۲۰۶ و فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

کاشان اور فرغانہ کے شہر اورشت سبغیز اور اخشیکت فتح کیے۔

۸۷ھ میں قتیبہ کے پاس نیزک دایک تورانی امیر) آیا اور صلح کی درخواست کی۔ صورت یہ ہوئی کہ نیزک کے پاس کچھ مسلمان قید تھے قتیبہ نے اُنہیں رہا کرنے کے لکھا اور اُسے دھمکی دی۔ نیزک نے انہیں رہا کر دیا۔ قتیبہ نے اُسے لکھا۔ اب اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو ہمارے پاس چلے آؤ۔ ورنہ ہم تمہیں گرفتار کر لینگے۔ نیزک نے اس حکم کی بھی تعمیل کی چنانچہ قتیبہ نے اس سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ بادغیس پر حملہ نہ کریگا۔

اسی سال قتیبہ نے دریائے جیجون کو عبور کیا اور بخارا کے شہر بیکند پر جو جیحون کے کنارے واقع تھا حملہ آور ہوا۔ اہل بیکند نے صغد اور قرب وجوار کی دوسری قوموں سے مدد مانگی۔ چنانچہ بہت بڑی جماعت ان کی مدد کے لیئے آپہنچی اور مسلمانوں کو گھیر کر ان کے راستے بند کر دیئے۔ دو مہینے تک یہ کیفیت رہی کہ نہ قتیبہ کا کوئی قاصد اسلامی علاقہ میں جا سکا۔ اور نہ وہاں کا کوئی پیغامبر قتیبہ کے پاس پہنچ سکا۔ حجاج بھی اس صورت حالات سے بہت پریشان ہوا۔ اس نے قتیبہ کی کامیابی کے لیئے مسجدوں میں دعائیں کرائیں۔ آخر محصور مسلمانوں نے ایک دن جان توڑ حملہ کیا۔ کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شہر کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں بے دریغ قتل اور قید کر دیا۔ پھر بھی کچھ لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور دروازے بند کر لیئے۔ قتیبہ نے حکم دیا کہ فصیل کو توڑ دیا جائے۔ اہل بیکند کو جب یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہیں تو اُنہوں نے صلح کی

درخواست کی قتیبہ نے یہ درخواست قبول کرلی۔ اور اپنی طرف سے وہاں ایک عامل مقرر کرکے لوٹ آیا۔

ابھی قتیبہ پانچ فرسخ ہی گیا تھا کہ معلوم ہوا اہل بیکند نے بغاوت کی اور اپنے عامل کو قتل کرادیا۔ قتیبہ فوراً واپس لوٹ آیا اور فصیل شہر کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ اہل بیکند نے پھر صلح کی درخواست کی مگر قتیبہ نے اُسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور زبردستی شہر میں داخل ہوکر دشمن کے جوانوں کو چن چن کر قتل کیا۔ ایک کانا شخص جس نے اہل شہر کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا گرفتار ہوکر قتیبہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کہا میں اپنی جان کے فدیہ میں پانچ ہزار ریشمی تھان جن کی قیمت دس لاکھ درہم ہے پیش کرتا ہوں۔ مگر قتیبہ نے کہا کہ اب کوئی مسلمان تیرے دھوکہ میں نہ آئیگا۔ اور اُسے قتل کرادیا۔ بیکند میں مسلمانوں کو اسلحہ، سونے چاندی کے برتن اور دوسرا مال غنیمت اس قدر کثرت سے ہاتھ آیا کہ خراسان میں کبھی ہاتھ نہ آیا تھا۔ اس کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا۔

۸۸ھ کے موسم بہار میں قتیبہ پھر مناسب تیاریوں کے ساتھ مرو سے روانہ ہوا۔ نہر جیجون کو پار کرکے نوشکنت پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی۔ یہاں سے قتیبہ اشنہ پہنچا، یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کی درخواست کی۔ قتیبہ نے ان کی درخواست بھی منظور کی۔ ان مہمات سے فارغ ہوکر قتیبہ نے مرو کا ارادہ کیا۔

ادھر ترک، صغد اور اہل فرغانہ نے دو لاکھ کی تعداد میں جمع ہوکر شاہ چین کے بھانجے کورلغابون کی سالاری میں قتیبہ کے لشکر کے پچھلے حصہ (ساقہ) پر حملہ کردیا

قتیبہ اسلامی لشکر کے ساتھ آگے نکل چکا تھا۔ امیر ساقہ عبدالرحمٰن بن مسلم نے اپنے بھائی قتیبہ کو اس حملہ کی اطلاع دی اور خود اپنی مختصر جمعیت کے ساتھ بڑی بہادری سے دشمن کے لشکرِ عظیم کا مقابلہ کیا۔ قتیبہ بھی خبر ملتے ہی لوٹ پڑا آخر مسلمانوں نے ترک، صغد اور اہل فرغانہ کے متحدہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔ اس لڑائی میں رئیس بادغیس نیزک نے مسلمانوں کی بڑی جان نثاری کے ساتھ حمایت کی۔ قتیبہ ترمذ کے راستہ سے مرو لوٹ آیا۔

فتح بخارا

۸۸ھ میں قتیبہ نے پھر بخارا کے قصد سے دریائے جیحون کو عبور کیا۔ خرقانہ سفلی پہنچا تو دشمنوں کی بہت بڑی جماعت سے مقابلہ ہوا۔ قتیبہ نے ان کو شکست دی اور بخارا کے قریب پہنچ گیا۔ شاہِ بخارا "وردان فذا" کو قتیبہ کے حملہ کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ قتیبہ بخارا کو فتح نہ کر سکا اور مرو واپس لوٹ آیا۔

حجاج کو اس ناکامی کی اطلاع پہنچی تو اس نے قتیبہ کو لکھا تم نے وردان فذا کے مقابلہ میں جو کمزوری دکھائی ہے اس کی خدا سے معافی مانگو اور میرے مجوزہ نقشہ کے مطابق بخارا پر دوبارہ حملہ کرو۔ چنانچہ قتیبہ ۸۹ھ میں دوبارہ بخارا کے قصد سے مرو سے روانہ ہوا۔ شاہِ بخارا نے اپنے پڑوسیوں صغد اور ترک سے مدد مانگی لیکن ابھی یہ مدد پہنچنے نہ پائی تھی کہ قتیبہ نے بخارا کا محاصرہ کر لیا۔

جب صغد اور ترک مدد کو آ گئے تو اہل بخارا کی ہمت قوی ہو گئی اور وہ بھی مقابلہ کے لیے نکلے۔ اس لڑائی میں دشمن ایسی بہادری سے لڑے کہ ایک مرتبہ اسلامی فوج کے ایک حصہ کو دھکیلتے ہوئے قلب لشکر میں

پہنچ گئے۔ مسلمان عورتیں رونے لگیں اور انہوں نے اپنے مردوں کے گھوڑوں کو مار مار کر میدانِ جنگ کی طرف دھکیل دیا۔

عورتوں کے اس اقدام سے مردوں کو بڑی غیرت آئی۔ انہوں نے پلٹ کر دشمن پر سخت حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ دشمن نے ایک اونچے ٹیلہ پر پناہ لی۔ اس ٹیلہ اور مسلمانوں کے لشکرگاہ کے درمیان ایک نہر حائل تھی۔ قتیبہ نے للکار کر کہا "کوئی ہے جو دشمن کو اس ٹیلہ سے ہٹا دے"۔ بنی تمیم کے دو سردار وکیع اور تمیم اپنے قبیلہ کے جوانوں کو لے کر مردانہ وار نہر کو پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن نے شکست فاش کھائی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ بالآخر بخارا مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

اس لڑائی میں شاہ ترک خاقان اور اس کا بیٹا بھی زخمی ہوا۔ شاہ صغد، شاہِ بخارا کی اس شکست سے ایسا مرعوب ہوا کہ اس نے میدان جنگ ہی میں قتیبہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ قتیبہ نے فدیہ پر صلح کر لی۔ اس کامیابی کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا اور حجاج کو فتح کی خوشخبری بھیجی[1]

نیزک کی بغاوت اور اس کا قتل

بادغیس کا رئیس نیزک اب تک قتیبہ کے ساتھ تھا۔ اس نے مسلمانوں کی روزافزوں کامیابیاں دیکھیں تو ڈرا اور قتیبہ سے اجازت لے کر طخارستان واپس آیا۔ یہاں آ کر اس نے بلخ، مروروذ، طالقان، فاریاب، جوزجان اور کابل کے رئیسوں کو اپنے ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کیا۔ قتیبہ کو خبر ملی تو اس نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کو بارہ ہزار فوج دے کر بروقان روانہ کیا اور

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۷۔

وہاں اُسے ٹھہر کر انتظار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جاڑوں کا زمانہ ختم ہوتے ہی مناسب تیاریوں کے ساتھ باغی سرداروں کی سرکوبی کے لیے خود روانہ ہوا۔

پہلے طالقان پہنچا۔ یہاں ایک خونریز لڑائی کے بعد نیزک طالقان کو شکست دی۔ اہل طالقان کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ہاتھ سے ماری گئی پھر قتیبہ فاریاب کی طرف بڑھا وہاں کے حکمراں نے اطاعت قبول کرلی پھر جوزجان کا رخ کیا، وہاں کا حکمراں پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور اہل شہر نے اطاعت قبول کرلی پھر بلخ ہوتا ہوا نیزک کی تلاش میں اپنے بھائی عبدالرحمن سے خلم کی گھاٹی میں جا ملا۔ نیزک اسی گھاٹی میں چھپا ہوا تھا۔ یہ گھاٹی بہت پرپیچ اور دشوار گزار تھی۔ نیزک کو جب قتیبہ کی آمد کی خبر ملی تو اس نے گھاٹی کے دہانہ پر کچھ آدمی متعین کردیے اور پشت پر ایک محفوظ قلعہ میں فوجی دستہ کو چھوڑ دیا اور خود بغلان کی طرف نکل گیا۔

اس گھاٹی میں داخلہ کی قتیبہ کو کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، اور اس کے سوا نیزک تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ قتیبہ اسی شش و پنج میں تھا کہ ایک پہاڑی نے قتیبہ کے پاس آکر وہ پوشیدہ راستہ بتا دیا جو گھاٹی کی پشت پر جاکر قلعہ میں نکلتا تھا۔ قتیبہ نے ایک دستہ اس پہاڑی کے ساتھ کردیا۔ ان لوگوں نے یکایک اہل قلعہ پر حملہ کردیا۔ کچھ قتل ہوئے اور کچھ بھاگ گئے۔

اب قتیبہ اپنی فوج کے ساتھ خلم کی گھاٹی میں داخل ہوا اور سمنجان پہنچا، یہاں کچھ دن ٹھہر کر نیزک کی تلاش میں آگے بڑھا۔ نیزک نے وادی فرغانہ کو عبور کرکے اپنا سامان شاہ کابل کے پاس بھیج دیا اور خود کرز میں آکر پناہ گزین

ہوا۔ قلعہ کرز بہت محفوظ تھا۔ ایک راستہ کے سوا جس میں چوپائے داخل نہ ہو سکتے تھے کوئی راستہ وہاں تک پہنچنے کا نہ تھا۔ قتیبہ دو مہینے تک اس کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ اس محاصرہ کے زمانہ میں نیزک کی فوج میں چیچک کی بیماری پھیل گئی اور سامانِ خوراک کا بھی قحط پڑ گیا۔ دوسری طرف قتیبہ کو بھی موسم سرما کے قریب آجانے کی وجہ سے پریشانی پیدا ہوئی۔

قتیبہ نے ایک شخص سلیم کو جس پر نیزک کو اعتماد تھا، نیزک کے پاس بھیجا اور اس سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو نیزک کو سمجھا بجھا کر اس کے پاس لے آئے سلیم نیزک کو جان بخشی کی اُمید دلا کر قتیبہ کے پاس لے آیا۔ قتیبہ نے نیزک اور اس کے ساتھیوں کو قید کر دیا اور حجاج سے ان کے معاملہ میں مشورہ طلب کیا نیزک نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی تھی اور دوسرے حکمرانوں کو بھی اپنے ساتھ بغاوت پر آمادہ کیا تھا اس لیے حجاج نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ نیزک اور اس کے سات سو ساتھی قتل کر دیے گئے۔ البتہ جبغو یہ جو طخارستان کا اصل حکمران اور نیزک کا آقا تھا اور اب نیزک کے ہاتھوں میں قید تھا آزاد کر دیا گیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر قتیبہ مرو کی طرف لوٹ گیا۔ یہ واقعہ ۹۱ھ کا ہے۔

۹۳ھ میں قتیبہ نے خوارزم شاہ سے صلح کر لی۔ صورت یہ ہوئی کہ خوارزم شاہ ایک کمزور بادشاہ تھا۔ اس کا بھائی امور سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا اور اسے عضوِ معطل بنا دیا تھا۔ خوارزم شاہ جب اپنے بھائی کی زیادتیوں سے تنگ آگیا تو اُس نے قتیبہ کو لکھا کہ اگر آپ مجھے میرے بھائی کے پنجۂ ظلم سے نجات دلا دیں تو میں آپ کی اطاعت قبول کر لوں۔

قتیبہ مرو سے روانہ ہو کر ہزار سپ میں مقیم ہوا۔ خوارزم شاہ نے ایک وفد قتیبہ کے پاس بھیج کر شرائطِ صلح کی تکمیل کرلی۔ قتیبہ نے اس کے بھائی خرزاد اور اس کے دوسرے مخالفین کو قید کر کے اس کے پاس بھیج دیا۔ خوارزم شاہ نے سب کو قتل کرادیا۔ اور ان کا مال و متاع قتیبہ کے پاس بطور نذر کے بھیج دیا۔

فتح سمرقند

خوارزم شاہ سے مصالحت کے بعد قتیبہ نے بعض مشیروں کی رائے سے سمرقند کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ پہلے قتیبہ نے خاموشی کے ساتھ اپنے بھائی عبدالرحمن کو سمرقند کی طرف روانہ کردیا۔ پھر تین چار دن بعد اہل خوارزم و بخارا کو اپنے ساتھ لے کر خود بھی اپنے بھائی سے جا ملا۔

صغد (اہل سمرقند) نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو شہر بند ہو بیٹھے۔ مسلمان ایک مہینہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے جب صغد پریشان ہوئے تو انہوں نے اپنے پڑوسی حکمرانوں بادشاہ شاش، خاقان چین اور حاکم فرغانہ وغیرہ کو لکھا کہ "آج ہم، کل تمہاری باری ہے" یہ وقت ہے کہ تم ہماری جو مدد کر سکتے ہو کرو، ورنہ عرب تمہارے قبضہ میں ایک چپہ زمین نہ چھوڑینگے۔

صغد کے پیغام پر ان بادشاہوں نے غور کیا۔ آپس میں مشورہ ہوا کہ عربوں کو کامیابی اس لیئے ہو رہی ہے کہ ان کے مقابلہ پر معمولی لوگ جا رہے ہیں جب تک معزز شاہزادے اور بہادر شہ سوارِ قوم میدان میں نہ آئینگے دشمنوں کا زور نہ ٹوٹیگا۔ چنانچہ خاقان چین کے لڑکے کی زیر قیادت ایک زبردست فوج جس میں شہزادے اور امیر زادے بڑی تعداد میں شریک تھے مسلمانوں پر شبخوں

مارنے کے لیے بھیجی گئی۔

قتیبہ کو اس فوج کے آنے کی خبر ملی تو اس نے چھ سو بہادروں کا ایک دستہ صالح بن مسلم کی سرکردگی میں ان کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا۔ صالح نے اپنی جماعت کے تین حصے کیے، دو حصے دائیں بائیں گھاٹیوں میں چھپا دیئے اور ایک حصہ کو لے کر امدادی فوج کے راستہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

آدھی رات گزرنے کے بعد دشمن کی فوج آئی اور مسلمانوں کو دیکھتے ہی حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے سختی کے ساتھ اس کو روکا۔ تھوڑی دیر بعد بقیہ مسلمان بھی دائیں بائیں کی گھاٹیوں سے نکل کر عقاب کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ دشمنوں نے اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا مگر فتح نے آخر مسلمانوں کے قدم چومے، بڑی تعداد شہزادوں اور رئیس زادوں کی میدان جنگ میں کھیت رہی۔ باقی فرار یا گرفتار ہوئے۔

امدادی فوج کی اس شکستِ فاش کی خبر صغد کو پہنچی تو ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ادھر قتیبہ نے منجنیقیں نصب کر کے قلعہ پر سنگباری شروع کر دی، جس سے اس کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ بہادرانِ اسلام ڈھالوں کو اپنے چہروں کی آڑ بنائے ہوئے قلعہ کی منہدم فصیل تک پہنچ گئے۔ اب بجز اطاعت کے صغد کے لیے چارہ نہ تھا۔ غوزک نے ان شرائط پر شہر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

(۱) اہل سمرقند بائیس لاکھ سالانہ خراج ادا کرینگے۔ (۲) تین دن تک مسلمانوں کی دعوت کرینگے (۳) بت خانوں اور آتشکدوں پر مسلمانوں کو

تیار ہوگا۔ (۴) مسلمان مسجد تعمیر کر کے نماز ادا کیا کرینگے۔

چنانچہ مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ شرائط صلح کے مطابق قتیبہ نے بتوں کو جلانے کا حکم دیا۔ غوزک نے کہا میں تمہیں خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ انہیں نہ جلاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ قتیبہ نے کہا کہ اگر یہ خیال ہے تو میں انہیں اپنے ہاتھ سے نذر آتش کرونگا۔ چنانچہ بتوں کو پگھلایا گیا تو ان میں سے پچاس ہزار مثقال سونا نکلا۔ اپنے معبودوں کی اس بیچارگی کو دیکھ کر صغد (اہل سمرقند) کی تعداد کثیر اسی وقت مشرف باسلام ہو گئی۔ قتیبہ نے سمرقند میں مسجد تعمیر کی۔ اور مجاہدین کے ساتھ نماز ادا کی اور خطبہ دیا۔ اس کامیابی کے بعد قتیبہ نے عبداللہ بن مسلم کو سمرقند کا حاکم مقرر کیا اور کچھ فوج اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر مرو لوٹ آیا۔

۹۴ھ میں قتیبہ نے پھر دریائے جیحون کو پار کیا۔ بیس ہزار اہل بخارا و خوارزم کو شاش کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اسے فتح کیا۔ خود فرغانہ کی طرف بڑھا اہل خجند نے جمع ہو کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ پھر قتیبہ کاشان پہنچا اور اسے بھی فتح کیا۔ ان فتوحات کے بعد مرو واپس آگیا۔

چین پر حملہ اور خاقان سے صلح

۹۶ھ میں قتیبہ نے چین پر حملہ کر کے خاقان چین کی فتنہ پردازیوں کے انسداد کا ارادہ کیا۔ مرو سے اس مرتبہ جو لشکر روانہ ہوا اس کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تھے۔ عورتوں اور بچوں کو سمرقند چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہاں اسلامی نو آبادی

لہ فتوح البلدان ص ۴۱۰ و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۸

قائم کرنے کا ارادہ تھا اور بعد قتیبہ سے فرغانہ کی طرف روانہ ہو گئے فرغانہ پہنچ کر قتیبہ نے وہاں سے کاشغر تک پہاڑی راستہ کو درست کرایا اور تجربہ کار سردار کبیر کو کاشغر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کاشغر چین کا سرحدی شہر ہے کبیر نے کاشغر کو فتح کیا، پھر چین کے علاقہ میں دور تک گھستا چلا گیا۔

خاقان چین مسلمانوں کی اس جرأت سے گھبرا گیا۔ اس نے قتیبہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے پاس کسی معزز شخص کو بھیجو تاکہ میں اس سے تمہارے مقاصد اور مذہب کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ قتیبہ نے ہبیرہ بن شمرج کلابی اور دوسرے چند عقلمند اور خوش بیان لوگوں کو امیرانہ شان و شکوہ کے ساتھ خاقان چین کے دربار میں بھیجا۔ یہ لوگ کئی روز تک وہاں رہے اور خاقان چین اور اس کے درباریوں کی ان سے بار بار ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری ملاقات میں خاقان نے کہا "تم عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو جاؤ اور اپنے سپہ سالار سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جانے ہی میں خیر ہے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا لشکر بہت تھوڑا ہے، میری فوج تمہیں کچل کر رکھ دیگی۔ ہبیرہ نے جواب دیا:-

"اے شہنشاہ اس لشکر کو کون تھوڑا کہہ سکتا ہے جس کا ایک سرا کوہستان چین میں ہو اور دوسرا مرغزار شام میں۔ رہی قتل کی دھمکی تو ہمارا اعتقاد ہے کہ موت اپنے وقت پر ہی آئیگی۔ لہذا اگر وہ میدان جنگ میں آئے تو اس سے بہتر کیا بات ہے!"

خاقان چین وفد اسلامی کی اس جرأت سے مرعوب ہو گیا۔ اس نے کہا

تمہارا سپہ سالار کن شرائط پر صلح کر سکتا ہے۔ ہبیرہ نے کہا۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ جب تک تمہاری زمین روند نہ ڈالے' خاندان شاہی کے ارکان کے مہریں نہ لگادے اور جزیہ وصول نہ کرلے واپس نہ ہوگا۔

خاقان نے کہا ہم تمہارے سردار کی قسم پوری کر دینگے۔ پھر اس نے سونے کے چند طشتوں میں مٹی، کچھ نقد و سامان اور چار شہزادے قتیبہ کے پاس روانہ کیے۔ قتیبہ نے خاقان کی صلح کی پیشکش کو قبول کرلیا۔ مٹی کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ شہزادوں کے مہریں لگا کر واپس کر دیا اور نقد و سامان جزیے کے طور پر قبول کر لیا[1]

اس کامیابی کے بعد قتیبہ مرو واپس لوٹ گیا۔ اس غزوہ کے آغاز میں ہی قتیبہ کو ولید بن عبدالملک کے انتقال کی خبر موصول ہو چکی تھی۔

موسیٰ بن نصیر

ظلمت کدۂ یورپ کو شمعِ توحید سے روشن کرنے کا سہرا موسیٰ بن نصیر اور اس کے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کے سر ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں تمام بر اعظم افریقہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں موسیٰ بن نصیر افریقہ کے والی کی حیثیت سے قیروان میں مقیم تھا۔ بر اعظم افریقہ کے سامنے یورپ کے جنوبی و مغربی حصہ میں ایک جزیرہ نما ہے جسے اسپین یا اندلس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سمندر کی دس میل چوڑی دھجی اسے افریقہ

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۱۹

سے جدا کرتی ہے۔ اس ملک کی زمین سرسبز و شاداب اور زرخیز اس کی آ
و ہوا معتدل اور اس کی کانیں قیمتی دھاتوں سے لبریز ہیں یہی سبب
ہے ہمیشہ نئے نئے فاتحین کے حملوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ پہلے اہل فونیشیا کے
نے اپنے عروج کے زمانہ میں اس پر تسلط قائم کیا۔ پھر اہل قرطاجنہ نے کو
رلمن الملک بجایا، پھر روم الکبریٰ کی شہنشاہیت کا ایک حصہ بنا۔ آخر میں
جب گاتھ قوم رومی سلطنت کو تہ و بالا کرتی ہوئی آگے بڑھی تو اس نے
کے اندر اندلس میں اپنی حکومت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ یہ شہنشاہیتیں
ہوتی رہیں اور مٹتی رہیں مگر فاتحین کا مقصد ایک ہی رہا۔ اور وہ یہ کہ مفت
کو غلام بنا کر اس ملک کی دولت و ثروت پر قبضہ جمائیں اور رنگ لیاں منا

ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں جب گاتھ قوم کی حکومت پورے
شباب پر تھی، ملک کی اندرونی حالت ابتر تھی۔ ملک میں غلامی عام تھی۔ او
غلاموں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔ یہ بغیر اپنے آقاؤں کی اجازت
شادی بیاہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غلام اپنا خون پسینہ ایک کر کے جو دول
حاصل کرتے تھے وہ ان کے آقاؤں کے عیش و عشرت میں کام آتی تھی
ملک کا متوسط طبقہ گراں قدر محصولوں کے بار سے دبا ہوا تھا۔ امراء و پا
بڑی بڑی زمینداریوں کے مالک تھے۔ امراء کے محل اور پادریوں کی خا
حسین عورتوں سے پری خانہ بنی ہوئی تھیں۔ ملک کی حکومت پر پادریو
کا بڑا اثر تھا۔ پادری بادشاہ کو بھی تخت حکومت سے برطرف کر سکتے تھے
وجہ تھی کہ یہودی اقلیت کی حالت ناقابل بیان تھی۔ سترہویں کونسل

ایک حکم کے مطابق ان کی تمام جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں اوران کو با مشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔

سلطنت کی اصلاح کی صورت یہی تھی کہ بالادست طبقہ کے اقتدار کو توڑا جائے اور زیردست طبقہ کی معاشرتی حالت درست کی جائے۔ مگر پادریوں کا اقتدار جو انجیل مقدس کے احکام کی رو سے قائم تھا اُسے ہاتھ لگانا آسان کام نہ تھا۔ جس زمانہ میں مسلمان مصر و شام کے میدانوں اور بحر روم کے ساحلوں پر رومی طاقت سے ٹکر لے رہے تھے۔ اندلس میں شاہ "وٹیزا" تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ مظلوم و مقہور رعایا "تنگ آمد بجنگ آمد" کے اصول کے مطابق ہر ملک میں ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔ اندلس میں بھی زیردست طبقہ کی سرد آہوں کا دھواں کبھی کبھی فتنہ و فساد کے شعلوں کی صورت اختیار کرلیتا تھا۔ ایک مدبر بادشاہ کے لئے یہ صورت حال کچھ کم پریشان کن نہ تھی۔ اب سے ان عرب بہادروں کے نعرہائے تکبیر کی آواز بھی سہمانے لگی جن کے شوقِ شہادت کو سمندر کی یہ مختصر سی نہر سرد نہ کرسکتی تھی۔

وٹیزا نے ملک میں اصلاحات جاری کرنے کی مہم شروع کردی مگر پادریوں کے اختیارات کو ہاتھ لگانا ایسا جرم تھا جس کی سزا تخت و تاج سے دست برداری ہی ہوسکتی تھی۔ چنانچہ وٹیزا کو یہود نوازی کے جرم میں تخت سے اُتار دیا گیا اور اس کی بجائے ایک کار آزمودہ سپہ سالار رذریق (راڈرک) کو تخت نشین کیا گیا۔ رذریق نے پادریوں کے اختیارات بحال کردیے اور مذہب کی حمایت اور امراء کی اعانت کے بھروسہ پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ

اپنے دورِ حکومت کا آغاز کیا۔

مراکش کے شمالی ساحل پر قلعۂ سبتہ ایک صلحنامہ کی رو سے ایک یونانی سردار یولیان (کاونٹ جولین) کے قبضہ میں تھا۔ سبتہ تاریخی اعتبار سے سلطنتِ روم کا علاقہ تھا، مگر جب رومی حکومت کا افریقہ سے خاتمہ ہو گیا تو اس نے اپنے تعلقات اندلس کی عیسائی حکومت سے قائم کر لینا مصلحت سمجھا۔ چنانچہ یولیان کا شمار سلطنتِ اندلس کے امراء میں ہونے لگا اور سابق شہنشاہ وٹیزا نے اپنی بیٹی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی۔

قوم گاتھ میں یہ دستور تھا کہ امراء اور سرداروں کی اولاد شاہی محل میں پرورش پاتی تھی۔ ظاہر تو کیا جاتا تھا کہ ان کو آداب شاہی کی تعلیم و تربیت دینی مقصود ہے۔ مگر اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ بطور یرغمال رہیں۔ چنانچہ یولیان کی نازک اندام و مہ جبین لڑکی فلورنڈا بھی قصر شاہی کی زینت تھی۔ رذریق کے سر پر جو شیطان سوار ہوا تو اس نے جور بیکر فلورنڈا کے دامنِ عصمت کو داغدار کر دیا۔ لڑکی نے اپنے باپ کو اس مصیبت کی اطلاع دی اور لکھا کہ جس قدر ہو سکے مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے چھڑاؤ۔

لڑکی کی آبروریزی کے ساتھ ساتھ یہ قدیم شاہی خاندان کے خون کی بھی ہتک تھی۔ یولیان کو یہ خبر ملی تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ وہ فوراً اندلس روانہ ہو گیا اور رذریق کے دربار میں باریاب ہوا۔ اس نے بڑی عقلمندی سے اپنے غم و غصہ کو چھپایا اور اپنی بیوی کی سخت علالت کا بہانہ کر کے فلورنڈا کی واپسی کی درخواست کی۔ عذر ایسا تھا کہ رذریق کسی صورت انکار نہ کر سکتا

تھا۔ اس نے فلورنڈا کو باپ کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی اور رخصت کرتے وقت باپ بیٹی کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

رذریق نے یولیان سے رخصت کرتے وقت فرمائش کی کہ شکار کے واسطے مجھے اعلیٰ قسم کے بازوں کی ضرورت ہے تم ضرور بھیجنا۔ یولیان نے جواب دیا "میں آپ کے لیے ایسے باز لے کر آؤنگا جو آپ نے عمر بھر نہ دیکھے ہونگے"[۱]

یولیان دربار قیروان میں

سبتہ پہنچتے ہی یولیان نے رذریق سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اشبیلیہ کے اسقف کو ہمراہ لے کر افریقیہ کے اسلامی دار الحکومت قیروان پہنچا اور وہاں والیٔ افریقیہ موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کی۔ موسیٰ نے بڑے احترام کے ساتھ اپنے معزز مہمان کا استقبال کیا اور اس سے تکلیف کرنے کی وجہ پوچھی۔

یولیان نے اپنی داستان مصیبت موسیٰ کو سنائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اندلس پر حملہ کر کے ایسے ظالم و حشی بادشاہ کو تخت سلطنت سے اُتار دے۔ اس نے ہسپانیہ کی بل کھاتی ہوئی ندیوں، لہلہاتے سبزہ زاروں انگوروں، زیتونوں۔ شاندار شہروں اور خوبصورت محلوں اور قدیم خاندان گاتھ کے زر و جواہر سے لبریز خزانوں کا تذکرہ بڑے دلفریب انداز میں کیا۔ اس نے کہا، وہ سرزمین ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں تمہیں صرف یہی کرنا پڑیگا کہ جاؤ اور ملک پر قبضہ کر لو۔ رہنمائی اور فوج کے لیے جہازوں کی فراہمی کی ذمہ داری بھی یولیان نے خود ہی قبول کی۔

---

[۱] مسلمانان اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) ص ۹ -

موسیٰ اندلس پر قبضہ کرنے کے خواب پہلے ہی دیکھ رہا تھا، اس امداد غیبی نے اس کے رہوار شوق پر تازیانہ کا کام کیا تاہم وہ بہت محتاط و مدبر سپہ سالار تھا۔ اس نے خیال کیا کہ کہیں یہ دعوت کسی سازش کا نتیجہ نہ ہو۔ موسیٰ نے یولیان سے کہا کہ اتنی بڑی مہم کے لیے دربار خلافت سے منظوری حاصل کرنی ضروری ہے، لیکن فی الحال میں ایک مختصر جمعیت آپ کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ آپ انہیں اپنے جہازوں میں ساحل اندلس پر پہنچا دیجیے تاکہ یہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں۔ موسیٰ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ مسلمان خود اپنی آنکھوں سے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر سکیں۔

چنانچہ موسیٰ نے اپنے ایک سردار طریف کو پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ یولیان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ طریف یولیان کے جہازوں پر سوار ہو کر ۹۱ھ میں اندلس کی جنوبی راس کے کنارے بندرگاہ الخضراء (جزیرہ) پر اترا اور مال غنیمت سے مالا مال واپس آیا۔ اس نے یولیان کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ اندلس پر قابض ہو جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔

اس دوران میں دربار خلافت سے اجازت بھی آ گئی۔ مگر خلیفہ ولید نے لکھا تھا کہ اسلامی فوج کی حفاظت پورے طور پر کی جائے اور فی الحال کوئی بڑی مہم نہ بھیجی جائے۔

طارق کی روانگی اندلس

موسیٰ نے اپنے پرجوش و بلند ہمت سپہ سالار طارق بن زیاد مراکشی کو جو طنجہ کا گورنر تھا، اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ طارق بن زیاد اپنے نائب مغیث الرومی اور

مددگار کاؤنٹ یولیان کو ساتھ لے کر سات ہزار کے لشکر کے ساتھ جس میں اکثر بربری اور کمتر عربی تھے، ساحلِ افریقہ سے روانہ ہوا۔ لشکر اسلام کی کشتیاں سمندر کی موجوں کو چیرتی ہوئی جلد ہی اندلس کے دلکش نظر فریب ساحل سے جا لگیں۔ اندلس کی وہ مشرقی ساحلی چٹان جسے سب سے پہلے مجاہدین اسلام کی قدمبوسی کا فخر حاصل ہوا جبل الطارق کے نام سے موسوم ہوئی اور معمولی تغیر کے ساتھ آج بھی جبرالٹر کہلاتی ہے۔ یہ واقعہ رجب سنہ ۹۲ھ کا ہے۔

طارق نے سب سے پہلا کام ساحل اندلس پر اترتے ہی یہ کیا کہ جن کشتیوں میں اس کی فوج سوار ہو کر آئی تھی، انہیں آگ لگا دی۔ اس طرح اسلامی فوج کے سامنے فتح یا شہادت کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہ رہا۔ اتفاقاً رذریق کا ایک مشہور سپہ سالار تدمیر (تھیوڈومر) زبردست فوج لیے ہوئے اسی نواح میں اترا ہوا تھا۔ تدمیر نے خبر ملتے ہی نو وارد حملہ آوروں پر حملہ کیا مگر شکست فاش کھائی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اس نے سخت پریشانی و حیرانی کے عالم میں رذریق کو یہ اطلاع دی۔

"اے بادشاہ ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ میں ان کا نام جانتا ہوں اور نہ وطن، نہ اصل و نسل میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے آ گئے ہیں۔ آسمان سے گرے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں" [1]

۱۔ اخبار الاندلس (ترجمہ ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ از ایس پی اسکاٹ) ج ۱، ص ۲۱۶

شاہِ رذریق کو جس وقت یہ خبر وحشت اثر پہنچی وہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے بمبلونہ کے نواح میں مقیم تھا وہ فوراً دار السلطنت طلیطلہ آیا اور وہاں سے قرطبہ آکر اطراف ملک سے فوجیں فراہم کرنی شروع کردیں۔

طارق اس دوران میں برابر پیش قدمی کرتا رہا اور الجزائر اور شذونہ کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا وادی لکہ[1] میں پہنچ گیا۔ جلد ہی رذریق بھی ایک لاکھ کا لشکر جرار ساتھ لے کر قرطبہ سے روانہ ہوا اور طارق کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ رذریق کی عظیم الشان تیاریوں کا حال سن کر طارق نے اپنے سردار موسیٰ سے مزید فوجی امداد طلب کی تھی چنانچہ موسیٰ نے پانچ ہزار کی جمعیت اور روانہ کردی اس طرح طارق بن زیاد کا کل لشکر بارہ ہزار ہو گیا تھا۔

آخر کار ۲۸۔ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ جولائی سنہ ۷۱۱ء کو شہر شذونہ کے پاس "وادیِ لکہ" کے کنارے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ سپہ سالار اسلام طارق بن زیاد نے مجاہدین اسلام کے مختصر گروہ کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"اے لوگو میدانِ جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ صداقت پر استقلال کے ساتھ جمے رہنے ہی میں کامیابی ہے۔ تعداد اور سامان جنگ کے لحاظ سے اس جزیرہ میں تمہاری کچھ حیثیت نہیں، اگر تم نے ذرا کم ہمتی سے کام لیا تو صفحۂ ہستی پر تمہارا نام بھی نظر نہ آئیگا۔ لیکن اگر تم نے جرأت

---

[1] اخبار الاندلس (ترجمہ ہسٹری آف دی مورس ان یورپ انا لیس پی اسکاٹ) ج ا ص ۲۱

وہمت دکھائی تو اس ملک کی دولت وثروت تمہاری جوتیوں کی
خاک ہوگی۔ امیر المومنین نے تمہاری بہادری وجاں بازی پر
اعتماد کر کے تمہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ اسلام کے لئے
اس جزیرہ میں بھیجا ہے۔ خداوند قدوس اس مقدس مہم میں جس
کا ذکر رہتی دنیا تک باقی رہیگا اور جسے عالم آخرت میں بھی بھلایا
نہ جائیگا، تمہاری مدد کریگا۔ میدانِ جنگ میں میرا قدم تم سب سے
آگے رہیگا۔ میں سردار قوم رذریق پر حملہ کرونگا۔ تم بھی میرے ساتھ
دشمن پر پل پڑنا۔ اگر میں دشمن کو ہلاک کرنے سے پہلے راہِ خدا
میں شہید ہو جاؤں تو کسی اور کو اپنا سردار بنا کر فتح ونصرت
سے ہمکنار ہونا۔"

شاہ اندلس، رذریق بڑی شان وشوکت کے ساتھ میدان جنگ میں
آیا۔ وہ نہایت پرتکلف ہاتھی دانت کی گاڑی میں سوار تھا جس میں چاندی
کا کام ہو رہا تھا، سفید رنگ کے خچر شاہی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔ بادشاہ کے
سر کا سنہری تاج نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا اور ملبوس شاہی کے جواہرات ستاروں
کو شرمار ہے تھے۔ قوم گاتھ کے شاہزادے اور اندلس کے امراء ورؤسا اپنے اپنے
لشکروں کے ساتھ جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تھی اس لڑائی میں شریک
تھے سب سے آخر میں کئی ہزار بار برداری کے جانوروں پر وہ رسّے لدے ہوئے
تھے جن سے دشمن کے جنگی قیدیوں کو باندھنا تھا۔ دوسری طرف سروں پر
سفید عمامے باندھے، چمکدار زرہ بکتر پہنے، تلوار حمائل کیے اور نیزہ ہاتھ میں لیے

بارہ ہزار جیالے مسلمان تھے۔ اُدھر فخر و ناز کے ساتھ گردنیں اکڑی ہوئی تھیں۔ اِدھر عجز و انکسار کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں سر جھکے ہوئے تھے۔ اُدھر اپنی زبردست عسکری طاقت پر اعتماد تھا، اِدھر صرف اپنی قوت ایمانی پر بھروسہ تھا۔ وہ اپنے وطن کی سرزمین میں لڑ رہے تھے جہاں انہیں ہر وقت ہر قسم کی مدد مل سکتی تھی۔ یہ اپنے وطن سے دور، سمندر پار، بے یار و مددگار تھے۔ ایک ہفتہ تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر ۵ شوال المکرم ۹۲ھ کی صبح کو فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ اندلسی عیسائی بڑی بہادری کے ساتھ لڑے مگر عربی اور بربری مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ مجاہدین اسلام کی تکبیروں نے تثلیث پرستوں کے دلوں کو ہلا دیا۔ پہلے وہ لوگ بھاگے جو زبردستی یا لالچ دے کر میدان میں لائے گئے تھے اور پھر عام بھگدڑ شروع ہوگئی۔ عیسائی اس قدر گھبراہٹ کے عالم میں بھاگے کہ انہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ پس پشت دریا ہے۔ ہزاروں مغرورین مسلمانوں کی تلوار آبدار کا شکار ہوئے اور ہزاروں دریا کی متلاطم موجوں کی نذر ہو گئے۔

شاہ رذریق بھی بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب گیا اور اس کی لاش بہہ کر سمندر میں چلی گئی۔ اس کے مرصع جوتے اور گھوڑا دوسرے دن دریا کے کنارے ملے۔ مگر اہل کلیسا اور عام عیسائی اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ سمندر کے کسی جزیرے میں ٹھہرا ہوا ہے جہاں سے وہ اپنے زخموں کے اچھا ہو جانے کے بعد آئیگا اور کافروں کے مقابلہ میں عیسائیوں کا سردار بنیگا، رذریق کے واپس آنے کا انتظار صدیوں تک کرتے رہے۔[1]

---

[1] مسلمانان اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) ص ۱۸۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مال غنیمت آیا کہ اس کا اندازہ
نہیں ہو سکتا۔ مفرورین کے گھوڑے ہی اتنے تھے کہ ساری فوج کے لیے
کافی ہو گئے۔ دراصل اس لڑائی نے تاریخ اندلس کا ورق الٹ دیا اور
آٹھ دن کے ان مسلسل معرکوں نے آٹھ صدیوں کے لیے اندلس کی قسمت
کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔

طارق بن زیاد نے ایک قاصد فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے
اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کے پاس قیروان بھیجا۔ موسیٰ نے بنظر احتیاط جس
کی دربار خلافت کی طرف سے پوری تاکید کی گئی تھی، طارق کو لکھا کہ وہ
آگے پیش قدمی نہ کرے، وہ خود اس کی مدد کے لئے آ رہا ہے

پیش قدمی

وادیٔ لک کی فتح کے بعد کارآزمودہ طارق نے اپنے
دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا تھا اُسے معلوم ہوا کہ بقیۃ
السیف اندلسی استیجہ میں جمع ہوئے ہیں، وہ فوراً استیجہ پہنچا۔ یہاں اندلسی
بہت بہادری کے ساتھ لڑے آخر کار شہر مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ اس کے
علاوہ طارق نے جنوبی اندلسیہ کے دوسرے شہر بھی فتح کر لیے۔ طارق کو
موسیٰ کا حکم نامہ ملا تو اس نے سرداران فوج سے مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ
رائے دی کہ اس وقت پیش قدمی جاری رکھنا ضروری ہے اندلسیوں کو
اگر ذرا دم لینے کا موقع دیا گیا تو وہ اپنے پراگندہ شیرازہ کو مجتمع کر لینگے اور
مسلمانوں کا کام بہت دشوار ہو جائیگا۔ کاؤنٹ یولیان نے بھی اس رائے
کی پرزور تائید کی چنانچہ طارق نے اپنی فوج ظفر موج کو مختلف حصوں میں

تقسیم کرکے علیحدہ علیحدہ سرداروں کی ماتحتی میں جزیرہ نما میں پھیلا دیا۔ طارق نے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ صرف ان لوگوں سے لڑیں جو ہتھیار باندھے ہوئے ہیں۔ غیر مصافی لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں اور رعایائے اندلس کے دینی و مذہبی خیالات کا احترام کریں[1]۔

فتح قرطبہ

طارق نے اپنے بہادر نائب مغیث الرومی کو سات سو سواروں کے ساتھ قرطبہ فتح کرنے کے لیئے بھیجا۔ حاکم قرطبہ جو شاہی خاندان کا ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا، شہر بند ہو بیٹھا۔ خوش قسمتی سے مغیث کو ایک چرواہے نے وہ جگہ بتادی جہاں قلعہ کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ اتفاقاً اسی رات سخت طوفان بادوباراں آیا اور خوب اولے برسے۔ مسلمانوں نے اس موقع سے بہت فائدہ اٹھایا۔ طوفان کے زور شور نے ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کو دبا دیا۔ اور وہ خاموشی کے ساتھ فصیل کے شکستہ حصے کے نیچے جا پہنچا۔ ایک منچلا نوجوان انجیر کے درخت پر چڑھ گیا جو فصیل کے شگاف کے نیچے اگا ہوا تھا۔ وہاں سے وہ فصیل پر چڑھ گیا، پھر اس نے اپنی لانبی دستار نیچے لٹکا کر اپنے ساتھیوں کو فصیل پر کھینچ لیا۔ طوفان سے بچنے کے لیئے محافظ سپاہی کسی محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔ مسلمان نوجوان شہر میں داخل ہو گئے اور محافظین کو قتل کرکے شہر کا دروازہ اپنے ساتھیوں کے لیئے کھول دیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔

حاکم قرطبہ شہر کو چھوڑ کر سینٹ جارج کے گرجا میں جا چھپا۔ یہ گرجا ایک

---

[1] اخبار الاندلس (از ایس پی اسکاٹ) ج ۱ ص ۲۲۷۔

مضبوط قلعہ تھا جس کے گرد ایک خندق بھی تھی۔ اس گرجا میں قریب ہی کے ایک پہاڑی چشمہ سے نیچے ہی نیچے ہو کر پانی پہنچتا تھا۔ مغیث نے چشمہ کی نالی کو بند کرا دیا۔ محصورین نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور حاکم شہر مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ فتح کے بعد مسلمانوں نے قرطبہ میں یہودیوں کو آباد کیا۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔

فتح مرسیہ

ایک فوج رذریق کے چالاک اور بہادر سپہ سالار تھوڈے میر (تدمیر) کے مقابلہ کے لیے مرسیہ بھیجی گئی۔ اس کا دارالسلطنت اریولیہ تھا، جو ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا۔ تدمیر بہت عرصہ تک مرسیہ کے پہاڑی دروں میں لڑتا رہا لیکن جب اس کی تمام فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کام آگئی تو وہ اریولیہ میں قلعہ بند ہو بیٹھا اور اس نے بڑی ذہانت سے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ اس نے اریولیہ کی عورتوں کو مردانہ لباس پہنایا اور انہیں خود اور نیزوں کے زیورات سے آراستہ کیا۔ ان کے سر کے بال ٹھوڑی کے نیچے اس طرح لٹکا دیا گیا کہ وہ ڈاڑھیاں معلوم ہوں۔ اس کے بعد ان قلعہ داروں کا پہرہ فصیل پر جما دیا۔

جب مسلمان تعاقب کرتے ہوئے شہر کی فصیل کے نیچے پہنچے تو انہوں نے شہر کو محفوظ پایا۔ تدمیر اب صلح کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر ایلچی کے لباس میں مسلمانوں کے لشکر میں آیا۔ اس نے سپہ سالار لشکر سے کہا۔ شہر عرصہ دراز تک محاصرہ کو سنبھال سکتا ہے مگر ہمارے سردار کی خواہش یہ ہے کہ سپاہیوں کی جانیں بیکار ضائع نہ ہوں۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ باشندگان

شہر کو مع اسباب و سامان کے اس شہر سے نکل جانے دیجئے اور صبح ہوتے بغیر لڑے اس پر قابض ہو جائیے۔

اسلامی سپہ سالار نے یہ شرائط منظور کرلیں اور صلحنامہ پر اپنی مہر ثبت کرکے مصنوعی ایلچی کے حوالہ کیا۔ اب تدمیر نے کہا میں ہی اس شہر کا حاکم تدمیر ہوں پھر قلم لے کر اپنے بھی دستخط کر دیئے۔ صبح کی پو پھٹتے ہی شہر کے پھاٹک کھول دیئے گئے۔ مگر شہر میں سے بجز تدمیر اور اس کے ایک خادم کے کوئی سپاہی نہ نکلا۔ غول کے غول بوڑھے مردوں اور عورتوں اور بچوں کے تھے، جو اپنا ساز و سامان لے کر باہر نکل رہے تھے۔

مراکشی سپہ سالار نے تدمیر سے پوچھا۔ آپ کے مسلح سپاہی کہاں ہیں جو فصیلوں پر صف بستہ تھے؟ تدمیر نے کہا وہ سپاہی یہ عورتیں ہیں جو غول در غول چلی جا رہی ہیں۔ مراکشی سپہ سالار تدمیر کی اس ذہانت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے تدمیر کو علاقہ مرسیہ کا حاکم مقرر کر دیا اور وہ صوبہ اسی ذہین افسر کے نام پر برسہا برس صوبہ تدمیر کہلاتا رہا۔[1]

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد اسٹینلی لین پول لکھتا ہے:۔

" اس ابتدائی زمانہ میں بھی مراکشی (مسلمان) سچی بہادری کے اصول کو جانتے اور برتتے تھے۔ ان لوگوں نے اسی وقت وہ استحقاق بہادر ہونے کا حاصل کر لیا تھا جس نے بعد کی کئی صدیوں تک فتحمند اہلِ ہسپانیہ کو اس پر مجبور کیا کہ انہیں بہادران غرناطہ اور

---

[1] مسلمانان اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) ص ۲۱۔

شرفاء کے نام سے پکاریں"۔

فتح طلیطلہ

طارق خود دارالسلطنت اندلس طلیطلہ کی طرف بڑھا تھا۔ یہ شہر بہت بلندی پر واقع تھا اور دریائے ٹیگس اسے گھیرے ہوئے تھے اس کی فصیلیں اتنے بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی تھی کہ گویا چٹانیں لاکر رکھ دی گئی ہیں۔ ان تمام قدرتی اور صنعتی تحفظ کے باوجود عیسائیوں پر مسلمانوں کا اس قدر رعب غالب آگیا تھا کہ طارق کی آمد کی خبر سنتے ہی باشندگان شہر جبل شارات کے پار جلیقیہ یا استوریہ (اسٹریاس) کو بھاگ گئے۔ فوج محافظ کے سپاہیوں نے ان بھاگتے ہوئے شہریوں کو جو قیمتی اشیاء سے لدے پھندے تھے خوب لوٹا۔ اہل کلیسا نے کلیساؤں کے قیمتی ذخائر محفوظ مقامات پر چھپادیئے۔ رئیس الاساقفہ اپنے رفقاء کے ساتھ گرجا کی انتہائی بیش قیمت اشیاء کو ساتھ لے کر روم کی طرف بھاگ گیا۔ اور بقول اسکاٹ اپنے پیچھے اپنے ماتحتوں کو چھوڑ گیا کہ کفار کے ہاتھ سے انعام شہادت حاصل کریں۔

مسلمان جب شہر کے قریب پہنچے تو انہیں کوئی مزاحمت کرنے والا نظر نہ آیا مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کرلیا اور اپنے دستور العمل کے مطابق امن عام کا اعلان کردیا جن لوگوں نے شہر چھوڑ کر جانے کا ارادہ کیا انہیں اجازت دیدی گئی اور جنہوں نے شہر میں رہنے کا ارادہ کیا ان سے خفیف ٹیکس کی ادائیگی کی شرط پر کامل حفاظت کا وعدہ کیا۔

اگرچہ مفرورین بہت کچھ مال و دولت اپنے ساتھ لے گئے تھے تاہم جو

مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ بے اندازہ تھا۔ شاہی محل کا ایک کمرہ ان خزانو
سے لبریز تھا جو سلطنت "وزیگا تھ" کے عروج کے زمانہ میں دار السلطنت میں جمع
ہوئے تھے۔ سونے کی زنجیریں، ناتراشیدہ ہیرے، مرصع ہتھیار، قیمتی زرہ بکتر
جواہر آلود کپڑے تو تھے ہی ان کے علاوہ شاہان گاتھ کے چوبیس تاج تھے جو ہر
تاجدار کے مرنے کے بعد ملکی رسم کے مطابق بطور یادگار بیت الملوک میں محفوظ
کر دیئے گئے تھے۔

طارق نے شہر کو اسلامی فوج اور یہودی حلیفوں کے ہاتھ میں دے کر آگے کا
رُخ کیا۔ کچھ ہی فاصلہ پر مسلمانوں نے چند عیسائی مفرورین کو گرفتار کیا جو حضرت
سلیمان علیہ السلام کی تاریخی میز لے جا رہے تھے۔ یہ میز خالص سونے کی تھی اس
کے گرد نیلم، یاقوت، موتی اور زبرجد کے جھالر لٹکے ہوئے تھے، اس کے چار
تخت جو سر تا پا زمرد میں مغرق تھے مشہور یہ تھا کہ یہ میز بیت المقدس کی لوٹ
میں "ٹی ٹس" کے ہاتھ لگی تھی اور اب طلیطلہ کے بڑے گرجا میں اس پر کتاب
مقدس رکھی جاتی تھی[1]۔

طارق شمال مغربی سرحدی صوبہ جلیقیہ کے شہروں کو فتح کرتا ہوا اس
تک گیا۔ وہاں سے ۹۳ھ میں سالماً غانماً طلیطلہ واپس آیا۔

موسیٰ کا ورودِ اندلس طارق کی روانگی کے چودہ مہینے کے بعد والی
موسیٰ بن نصیر اندلس کی مہم میں بذات خود
حصہ لینے کے لیے افریقہ سے روانہ ہوا، اور رمضان المبارک ۹۳ھ میں

[1] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۳۔

ساحلِ اندلس پر لنگر انداز ہوا۔ کاؤنٹ یولیان نے موسیٰ کا استقبال کیا اور مشورہ دیا کہ وہ طلیطلہ جانے کے لیئے مغربی راستہ اختیار کرے تاکہ مغربی صوبوں کے اہم شہر فتح کر سکے موسیٰ کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ ابھی اپنے اشہب ہمت کی جولانیاں دکھانے کے لیئے میدان باقی ہے اور اس نے یولیان کی رائے کو پسند کیا۔

فتح قرمونہ موسیٰ نے پہلے ابن اسلیم کو فتح کیا۔ وہاں سے یولیان کی سرکردگی میں ایک دستہ قرمونہ کی طرف بھیجا۔ اہل قرمونہ شہر بند ہو بیٹھے تھے یولیان نے اپنے آپ کو اسلامی فوج کا شکست خوردہ ظاہر کر کے اہل قرمونہ سے پناہ طلب کی۔ اہل قرمونہ نے پناہ دیدی جب رات ہوئی تو یولیان نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان فاتحین بلامقابلہ شہر میں داخل ہو گئے۔

فتح اشبیلیہ قرمونہ سے موسیٰ نے اشبیلیہ کا رخ کیا۔ یہ اندلس کا دولتمند خوبصورت اور قدیم شہر تھا۔ ایک مہینہ تک مقابلہ کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اہل اشبیلیہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے موسیٰ نے وہاں یہودیوں کو آباد کیا۔

فتح ماردہ اشبیلیہ سے موسیٰ ماردہ (میریڈا) کی طرف بڑھے۔ یہ بھی بہت قدیم تاریخی شہر تھا۔ یہاں کی عظیم الشان عمارات، دولتمند بنگلے اور دل افروز تفریح گاہیں تمام اندلس میں مشہور تھیں یہ ایک اہم دینی مرکز بھی تھا، چنانچہ عیسائیوں نے اس کی حفاظت کے بہترین انتظامات

گئے تھے۔ اہل ماردہ نے شہر بند ہو کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ روزانہ ان کا لشکر لڑنے کے لیے نکلتا اور شام کو واپس ہو جاتا جب یہ سلسلہ طویل ہوا تو موسیٰ نے جنگی حیلہ سے کام لیا۔ رات کے وقت پہاڑی دروں میں مسلمان سپاہی چھپا دیئے گئے۔ صبح کے وقت جیسے ہی عیسائی فوج شہر سے نکلی مسلمانوں نے دروں سے نکل کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اکثر عیسائی فوج کام آئی، باقی سپاہی بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور پھر نہ نکلے۔

شہر کی فصیل اور برج چونکہ بہت مضبوط تھے اس لیے مسلمانوں کو عرصہ تک شہر کے گرد پڑا رہنا پڑا آخر موسیٰ نے ایک قلعہ شکن آلہ دبابہ بنایا۔ اس آلہ کو اس زمانہ میں ٹنک کہا جا سکتا ہے۔ کچھ بہادر سپاہی دبابہ کے اندر بیٹھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اور دبابہ سے فصیل کو توڑ دیا۔ اہل شہر نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ماردہ میں بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ راڈرک کی بیگم ایجیلونا بھی یہیں مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ سپہ سالار اسلامی نے اسے شاہانہ عزت کے ساتھ رکھا اور اپنے بیٹے عبدالعزیز سے اس کی شادی کر دی۔

بغاوت اشبیلیہ

اسی دوران میں معلوم ہوا کہ اہل اشبیلیہ نے بغاوت کر دی۔ اہل اشبیلیہ جو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے واپس آ گئے اور یہودیوں نے ان سے تعاون کر کے اسلامی محافظ فوج کو قتل کر دیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ادھر روانہ کیا۔ عبدالعزیز طوفان کی طرح اشبیلیہ پہنچا اور یہودی و عیسائی مفسدوں کو تہ تیغ کر کے شہر پر دوبارہ قبضہ

لیا۔ اس کے بعد لبلہ اور باجہ کی طرف رُخ کیا اور ان شہروں پر قبضہ کر کے پھر اشبیلیہ لوٹ آیا۔

موسیٰ اور طارق کی ملاقات

ماردہ سے موسیٰ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا طارق نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے افسر بالادست کا استقبال کیا۔ جوں ہی طارق کی نظر موسیٰ پر پڑی اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور وظائفِ احترام بجا لایا تاہم موسیٰ نے فوجی نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے بلا اجازت اندلس میں پیش قدمی کرنے پر طارق کو زجر و توبیخ کی۔ طارق نے وہ وجوہ بیان کیں جن کی بنا پر اسے فوراً پیش قدمی کرنا ضروری تھا۔ موسیٰ نے اس کے عذر کو قبول کر لیا۔[1]

بقیہ فتوحاتِ اندلس

موسیٰ اور طارق دونوں نے طلیطلہ میں اندلس کے باقی ماندہ علاقوں کو فتح کرنے کے لیے ایک جامع اسکیم بنائی۔ جب تمام فوجی انتظامات مکمل ہو گئے تو طارق کو فوج کا سپہ سالارِ اعظم بنا کر شمالی اور شمالی و مشرقی اور شمالی و مغربی صوبوں کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ روانگی کے وقت موسیٰ نے طارق کو مفید نصیحتیں کیں۔ بقول مسٹر اسکاٹ :۔

> "غیر مصافی لوگوں سے تعرض کرنے سے منع کر دیا گیا، لوٹ مار کی ممانعت کر دی گئی اور صاف کہہ دیا گیا کہ جو کوئی اس کا مجرم ہوگا اس کو سزائے موت دی جائیگی۔ رعایا کے مذہبی احساسات کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی"۔

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۹ بحوالہ ابن جریر طبری۔

کچھ تو اندلسیوں کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری کی ہیبت اور کچھ ان کے شریفانہ برتاؤ کا اثر نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کا تمام علاقہ کوہ البرتات تک جلد ہی مسلمانوں کے زیر علم آگیا۔ طارق آگے آگے صلحناموں کی بنیاد پر شہروں کو فتح کرتا جاتا تھا اور موسیٰ پیچھے پیچھے ان عہدناموں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔

فتح یورپ کا ایک رنگین نقشہ

البرتات کی بلند چوٹیوں پر کھڑے ہو کر موسیٰ نے یورپ کے علاقوں پر ایک نظر دوڑائی اور اپنے فکر عالی کے قلم سے صفحۂ دماغ پر فتح یورپ کا ایک حسین و جمیل نقشہ کھینچا۔ اسکاٹ کے الفاظ میں نقشہ یہ تھا:۔

"خلافتِ حقہ کے وارثوں کے قدموں میں یورپ کے بہترین ملک کو لا ڈالیں جناب پوپ اعظم کے مستقر میں گرجاؤں کے میناروں سے کلمۂ توحید کی آواز بلند ہو اور وہاں سے مشرق کی طرف رُخ کر کے عین بیزنطینی دار السلطنت (قسطنطنیہ) میں شام کی فوج سے معانقہ کریں اور اتنی بڑی فتوحات کی ایک دوسرے کو باسفورس کے کنارے پر مبارکباد دیں۔"

موسیٰ نے اپنی شمشیر خوں بار سے اس نقشہ میں رنگ بھرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ البرتات کے اس پار اُتر کر فرانس کے چند سرحدی شہر فتح کر لیے۔ مگر دربار خلافت کے حکم امتناعی نے اس نقشہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

موسیٰ کی اندلس سے واپسی

امیر المومنین ولید مرکز حکومت سے اس قدر دور کے ملکوں میں موسیٰ کی پیش قدمی کو خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک قاصد بھیج کر موسیٰ کو لڑائی بند

لینے اور دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، موسیٰ بادل ناخواستہ اشبیلیہ آیا۔ یہاں کچھ دن ٹھہر کر سفر کے انتظامات کیے۔ پھر ۹۶ھ میں حکومت اندلس کی باگ ڈور اپنے بیٹے عبدالعزیز کے سپرد کر کے ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

موسیٰ دربار خلافت میں پیش کرنے کے لیے بے شمار اموال و خزائن ساتھ لے کر چلا تھا۔ قطار در قطار اونٹوں پر قیمتی اسلحہ، مرصع بجواہر کپڑے اور زیب و زینت کا سامان لدا ہوا تھا۔ سونے چاندی اور جواہرات بمشکل تین گاڑیوں پر بار کیے گئے تھے تیس ہزار کنیزیں اور ایک لاکھ غلام جلو میں تھے۔

فاتح اندلس کا یہ شاندار جلوس بادیہ نشینان افریقہ کی نگاہوں کو محو حیرت کرتا ہوا جب سرحد شام پر پہنچا تو ولید بن عبدالملک بیمار تھا سلیمان بن عبدالملک ولیعہد خلافت نے موسیٰ کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ "چونکہ امیرالمومنین کے جانبر ہونے کی امید نہیں ہے لہذا وہ قدرے توقف کرے" سلیمان کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تخت نشینی کے جشن کی شان و شوکت فاتح اندلس کے پیش کردہ تحف و ہدایا سے دوبالا ہو جائے۔ موسیٰ نے ولیعہد خلافت کے حکم کی تعمیل ضروری نہ سمجھی بلکہ امیرالمومنین ولید کی زندگی کے آخری لمحات کو خوشگوار بنانا مناسب تصور کیا۔

موسیٰ دمشق میں داخل ہوا تو وہ نماز جمعہ کا وقت تھا، خلیفۃ المسلمین اپنی نوساختہ "جامع بنی امیہ" کے منبر پر خطبہ جمعہ پڑھ رہا تھا۔ موسیٰ تیس اندلسی و افریقی شاہزادوں کو جلو میں لیے ہوئے جن کے سروں پر زرنگار تاج جگمگا رہے تھے۔ جامع مسجد میں داخل ہوا اور بارگاہ خلافت میں سلام عقیدت

گزرانا۔ خلیفہ نے موسیٰ کو گلے لگا لیا اور اپنے ملبوسِ خاص سے سرفراز فرمایا۔ موسیٰ کے اشارے پر اسیر شہزادے منبرِ جامع مسجد کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ خلیفۂ وقت نے خطبہ میں ان عظیم الشان فتوحات مشرق و مغرب پر جو اس کے عہدِ حکومت میں ہوئیں، خداوند قدوس کا شکر ادا کیا اور مزید کامیابی و کامرانی کے لیے طویل دعا مانگی۔

نماز کے بعد موسیٰ نے افریقہ و اندلس کا مالِ غنیمت ولید کے سامنے پیش کیا۔ ولید نے موسیٰ کو گراں بہا انعامات سے نوازا اور اس کے بیٹوں کے لیے گراں قدر وظیفے مقرر کیے۔[۱]

مسلمہ بن عبدالملک ولید کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کا میدانِ ترکتاز شام اور ایشیائے کوچک کا سرحدی علاقہ رہا۔

حضرت معاویہ کے مجوزہ طریقہ پر وہ ہر سال موسمِ سرما میں رومی علاقوں پر فوج کشی کرتا تھا اور دنیا کی سب سے بڑی مسیحی طاقت کے دل سے اسلامی اقتدار کا رعب کم نہ ہونے دیتا تھا۔ ان حملوں میں اس کا قوتِ بازو عباس بن ولید بن عبدالملک ہوتا تھا۔

مسلمہ اور عباس نے مختلف سنوں میں حصن طوانہ، حصنِ بولق، حصن اخرم، حصن بولس، قمقم، حصن عمودیہ اور ولید، ہرقلہ اور قونیہ فتح کیے۔[۲]

ولی عہدی عبدالملک نے اپنے بعد اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا اور اپنے باپ کی وصیت کو جو عبدالملک

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۶۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۷۳ و اخبار الاندلس ص ۲۴۸۔
[۲] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۱ و ۲۰۴

کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کے حق میں کتنی منسوخ کر دیا تھا۔ ولید نے بھی اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے باپ کی تقلید کی کوشش کی اور اپنے بھائی سلیمان کو محروم کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ امراء حکومت نے حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم کے سوا اس کی اس رائے کو پسند نہ کیا۔ تاہم وہ اپنے ارادہ پر جما رہا اور اس نے سلیمان کو کسی بہانے سے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بلایا سلیمان کو بھی حقیقت حال معلوم ہو گئی۔ اس نے بیماری کا عذر کر کے انکار کر دیا۔ ولید نے اب خود سلیمان کے پاس جا کر اسے ولی عہدی سے دستبرداری پر مجبور کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ابھی اس کے انتظامات ہی میں مصروف تھا کہ موت کا طاقتور ہاتھ اس کے اور اس کے عزائم کے درمیان حائل ہو گیا۔ ولید کے اس ناکام اقدام نے حجاج بن یوسف، قتیبہ بن مسلم وغیرہ اور سلیمان کے دلوں کے دلوں میں فرق ڈال دیا جس کے نتائج ان امراء اور ان کی اولاد کے حق میں اچھے نہ ہوئے۔

وفات حجاج شوال ۹۵ھ میں عراق میں حجاج بن یوسف ثقفی امیر عراقین کی موت واقع ہوئی۔ موت کے وقت اس کی عمر چون سال کی تھی۔

حجاج بن یوسف کے سخت گیر ہاتھوں نے بنی امیہ کے ایوان عظمت کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ بیس سال تک بصرہ و کوفہ اور ان سے متعلقہ ممالک کا والسرائے رہا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں عراقین کو جو بنی امیہ کے مخالفین کا مرکز تھا، عراقی شورش پسندوں کی فتنہ پردازیوں سے پاک و صاف کر دیا۔ مگر اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے جو ظلم ڈھائے انہیں کبھی قابل تعریف نہیں کہا جا سکتا۔

حجاج کے ظلم وستم کو عذاب الٰہی سمجھنا چاہیے جو اہل عراق کی تاریخی بد اعمالیوں کی بدولت ان پر نازل ہوا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو منبر جامع کوفہ پر یہ دعا مانگتے ہوئے سُنا:۔

"اے اللہ میں نے ان لوگوں کو رازدار بنایا مگر انھوں نے میرے ساتھ خیانت کی، میں نے ان لوگوں کی خیر خواہی کی مگر انھوں نے مجھے دھوکہ دیا، اے اللہ ان پر بنی ثقیف کے کسی غلام کو مسلط کردے جو ان کے مالوں اور جانوں کا فیصلہ جاہلیت کے ظالمانہ طرز پر کرے"

پھر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ واللہ حضرت علیؓ نے اس ظالم کی جو صفات بیان کیں تھیں وہ سب حجاج میں موجود ہیں۔[1]

ان برائیوں کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ خوبیاں بھی تھیں جن کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہو وہ بے مثال سپہ سالار تھا، تمام مشرقی فتوحات اگرچہ اس کے ماتحت افسروں کے ہاتھوں انجام پائیں مگر ان میں دماغ حجاج بن یوسف ہی کا کام کر رہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان تو حجاج کے احسان کے بارے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے ساحل ہندوستان پر سندھی ڈاکوؤں کے ہاتھوں جب مسلمان عورتوں اور بچوں کا قافلہ لٹا اور ایک لڑکی نے "اَغِثْنی یا حجاج" کی فریاد بلند کی تو حجاج نے بیساختہ لبّیک کہا۔ پھر بلا توقف فتح ہند کے لئے مسلسل مہمیں روانہ کیں، آخر میں اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بھیجا اور اس شان سے بھیجا کہ لشکر کی تمام ضروریات حتیٰ کہ سوئی تاگہ تک ساتھ تھا۔ پھر اس توجہ اور اہتمام کے ساتھ اس مہم کی نگرانی کی کہ ہر تیسرے روز تازہ ترین خبریں منگا کر ہدایات روانہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب محاصرہ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲۳۔

طویل ہوا تو حجاج نے لکھا کہ "منجنیق کو ایک زاویہ کم کر کے مشرق کی جانب نصب کر کے دیبل پر سنگباری کی جائے" حجاج کے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو دیبل کے مرکزی مندر کا گنبد پاش پاش ہو گیا اور کفرستانِ ہند میں پہلی مرتبہ اسلام کا پرچم لہرایا۔[1]

حجاج کلام اللہ کا بڑا اچھا حافظ و قاری تھا۔ نومسلموں کی ضرورت کا لحاظ کر کے اس نے قرآنِ کریم پر سب سے پہلے اعراب لگوائے اور آیات و رکوع کی علامات قائم کیں۔ وہ عربی زبان کا شیریں بیان خطیب تھا۔ اس وصف میں اُسے حضرت حسن بصریؒ کا مماثل بتایا جاتا ہے۔

وفاتِ ولید

وسط جمادی الآخر ۹۶ھ میں ولید بن عبد الملک نے دیر مروان میں وفات پائی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور باب صغیر کے باہر دفن کیا گیا۔ اس کی عمر بیالیس سال چھ مہینے ہوئی اور نو سال آٹھ مہینے تخت خلافت پر متمکن رہا۔ اس نے انیس بیٹے یادگار چھوڑے

سیرت ولید بن عبد الملک

ولید بن عبد الملک اگرچہ علم و فضل سے بے بہرہ تھا، مگر سلیقۂ حکمرانی و جہانبانی میں ممتاز تھا۔ خوش قسمتی سے اس نے ایسا زمانہ پایا کہ ملک میں داخلی فتنے دب چکے تھے اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اس زریں موقعہ سے پورا فائدہ اُٹھایا اور اپنی پوری توجہ اندرونی اصلاحات اور بیرونی فتوحات کی طرف مبذول کر دی۔

ولید نے رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ تمام ممالکِ محروسہ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۵

میں سڑکیں درست کرائیں میل نصب کرائے، نہریں اور کنویں کھدوائے، مسافر خانے تعمیر کرائے، شفا خانے اور محتاج خانے جاری کیئے، ہر اپاہج کے لیئے ایک خدمتگار اور ہر اندھے کے لیئے ایک رہنما حکومت کے خرچ پر مقرر کیا۔ ضروریات زندگی کے نرخ پر بھی اس نے کنٹرول قائم کیا۔ اس کی عادت تھی کہ خود بازار میں نکل جاتا اور کسی سبزی فروش سے پوچھتا یہ سبزی کا گٹھا کس قیمت کا ہے وہ کہتا کہ ایک پیسہ کا تو ولید کہتا کہ ایک پیسہ میں یہ کم ہے اس میں اضافہ کرو۔

دینداری کی طرف بھی اس کا میلان تھا باوجود اپنے کثیر مشاغل کے ہر تیسرے دن ایک کلام مجید ختم کرتا تھا اور رمضان شریف کے مہینے میں سترہ قرآنِ کریم ختم کر لیتا تھا۔ تعلیم قرآنِ کریم کی طرف اس نے خاص طور پر توجہ کی۔ اسی کے زمانہ میں قران کریم میں اعراب لگائے گئے۔ اس نے قرار و حفاظ کے وظیفے مقرر کیئے اور حفظ قرآن مجید پر انعامات دیئے۔

اس کو تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی لیکن اس نے اپنے اس ذوق کو مساجد کی تعمیر میں صرف کیا۔ یوں تو اس نے بہت سی مسجدیں بنائیں مگر مدینہ منورہ کی مسجد نبوی اور دار الخلافہ کی جامع دمشق کی تعمیر میں جس ذہانت اور فن کاری کا ثبوت دیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔

۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد امارت مدینہ میں مسجد نبوی نئے سرے سے تعمیر ہوئی۔ امہات المومنین کے حجرے جو اس وقت تک اپنی اصلی حالت میں تھے اور دوسرے متصلہ مکانات مسجد میں شامل کر لیئے گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی حدود مسجد میں آگئی۔

مسجد کی تعمیر کے لیے شام و روم سے ماہر کاریگر بلائے گئے۔ قیصر روم کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو اس نے بھی ایک لاکھ مثقال سونا، چالیس گٹھے منبت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیج کر ولید کی خوشنودی حاصل کی۔

مسجد کے صحن میں ایک فوارہ بھی بنایا گیا جس میں بیرون شہر سے نلوں کے ذریعہ پانی لایا گیا تھا۔

مسجد دمشق فن کاری کا ایک نادر نمونہ تھی۔ اس کا تمام فرش مرصع تھا دیواریں قدآدم سنگ رخام کی تھیں۔ اس کے اوپر سونے کے ٹائل تھے جن میں جواہرات سے رنگوری بیلیں بنائی گئی تھیں، اس سے اوپر مختلف الالوان جواہرات سے دنیا کے تمام مشہور شہروں کے نقشے بنائے گئے تھے۔ محراب پر کعبہ مکرمہ کا نقشہ تھا، چھت سونے کی اینٹوں کی بنائی گئی تھی اور اس میں سونے کی زنجیروں میں قندیلیں آویزاں تھیں "محراب صحابہ" میں ایک بہت بڑا جوہر تھا جو قندیلوں کے گل ہو جانے کے بعد بھی اپنی روشنی سے مسجد کو جگمگاتا رہتا تھا۔

اس مسجد کی تعمیر میں ہندوستان، ایران، افریقہ اور روم وغیرہ کے کاریگروں نے حصہ لیا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں سے سامانِ تعمیر فراہم کیا گیا تھا۔ بارہ ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے اور آٹھ سال کی مدت میں بن کر تیار ہوئی تھی۔

علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق اس کی تعمیر و تزئین میں ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار صرف ہوئے تھے[۱] اور امام شافعیؒ نے اس کو دنیا کے پانچ عجائبات

---

[۱] البدایۃ والنہایہ ج ۹ ص ۱۶۵

ہیں شمار کیا تھا۔

ولید کے زمانہ کی فتوحات حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے بعد تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں، قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر کے کارنامے تفصیل کے ساتھ ذکر کیے جا چکے ہیں۔ ان جلیل القدر فاتحین عظام کے زیر علم مجاہدین کرام کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے چین سے اسپین تک کے علاقہ کو روند ڈالا اور حالت یہ تھی کہ

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ

سلیمان عبدالملک بن مروان کا بیٹا اور ولید کا حقیقی بھائی تھا۔ مدینہ منورہ میں محلہ بنی جذیلہ میں ۵۴ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور ملک شام میں اپنے باپ کے پاس تعلیم و تربیت پائی تھی۔ راوی حدیث بھی تھا۔ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ولید کے بعد ۱۵۔ جمادی الآخرہ ۹۶ھ کو رملہ میں وارث تاج و تخت ہوا۔

سلیمان کی صبح حکومت کا دامن بعض نامور سپہ سالاروں کے شفق گوں خون سے رنگین ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ولید نے اپنے باپ کی وصیت کے برخلاف سلیمان کو معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہا۔ امرائے حکومت میں سے حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے اس کی اس رائے کی تائید کی، مگر دوسرے امراء کے اختلاف اور موت کی پیش دستی کے سبب یہ کام انجام نہ پا سکا۔

سلیمان طبعاً ان امراء سے ناراض تھا۔ یہ لوگ بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ملت کو اپنے چند بہترین فرزندوں کا داغ سینہ پر لینا پڑا۔

حجاج کو اس بات کا بڑا ڈر رہتا تھا کہ ولید کا اس کی زندگی ہی میں انتقال نہ ہو جائے مگر اسے اس خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑا، اور وہ خود ولید سے ایک سال قبل راہی ملک عدم ہوا، مگر سلیمان نے حجاج کی بجائے اس کے نامور بھتیجے محمد بن قاسم سے انتقام لیا۔

محمد بن قاسم کا قتل محمد بن قاسم اس زمانہ میں فتوحاتِ سندھ کی تکمیل میں مصروف تھا سلیمان نے اسے معزول کر کے یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے پابزنجیر کیا اور اسے صالح بن عبدالرحمٰن کے پاس واسط (عراق) بھیج دیا۔ صالح کے بھائی آدم کو حجاج بن یوسف نے خارجیت کے جرم میں قتل کیا تھا۔ صالح نے محمد بن قاسم اور اس کے اہل خاندان کو سخت سخت تکلیفیں دے کر قتل کر دیا۔

محمد بن قاسم نے اہل سندھ کے قلوب کو اپنے حسنِ سلوک سے فتح کر لیا تھا چنانچہ اس کی مظلومانہ موت پر بقول ابن اثیر انہوں نے آنسو بہائے اور حسب بیان بلاذری انہوں نے اس کا بت بنا کر اپنے مندر میں رکھا۔[1]

حمزہ بن بیض حنفی محمد بن قاسم کا اس طرح ماتم کرتا ہے:۔

ان المروءۃ والسماحۃ والندی	بہادری، نرم دلی اور سخاوت محمد بن قاسم بن محمد
لمحمد بن القاسم بن محمد	ہی کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔ سترہ سال کی عمر میں
ساس الجیوش لسبع عشرۃ حجۃ	ہی اس نے لشکروں کی سالاری لی۔ اس کی
یا قرب ذالک سوددا من مولد	سرداری کس قدر کم عمری میں تھی!

قتیبہ بن مسلم کا قتل قتیبہ بن مسلم حاکم خراسان حجاج کا ساختہ پرداختہ تھا سلیمان کی ولی عہدی میں وہ بھی مزاحم ہوا تھا، اس لئے اس کی تخت نشینی کے بعد اسے فکر ہوا کہ کہیں سلیمان اس سے انتقام نہ لے، چنانچہ اس نے پیش بندی کے طور پر اپنا ایک قاصد سلیمان کے پاس بھیجا اور اسے سلیمان سے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۶۴ وفتوح البلدان۔

نام تین خط دیئے۔ پہلے خط میں اس نے سلیمان کو تخت نشینی کی مبارکباد دی تھی اور عبدالملک اور ولید سے اپنی وفاداری کا ذکر کیا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ وہ سلیمان کا بھی اسی طرح حلقہ بگوش رہیگا، اگر اسے معزول نہ کرے۔

دوسرے خط میں اس نے خراسان و ترکستان میں اپنی محیر العقول فتوحات کا تذکرہ کیا تھا اور سرداران ایران و شہریاران ترکستان کے دلوں میں اپنے رعب و دبدبہ کا حال لکھا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ اگر اسے خراسان سے معزول کرکے اس کے حریف یزید بن مہلب کو اس کا جانشین بنایا گیا تو وہ خلیفہ کی بیعت توڑ دیگا۔ تیسرے خط میں سلیمان بن عبدالملک کی بیعت توڑنے کا اعلان تھا۔

یہ تینوں خط ایک ساتھ قاصد کو دیئے اور کہا کہ پہلے پہلا خط خلیفہ سلیمان کو دینا اگر وہ اسے پڑھ کر یزید بن مہلب کی طرف بڑھا دے تو پھر دوسرا خط دینا، اگر وہ اسے پڑھ کر بھی یزید بن مہلب کے حوالہ کردے تو پھر تیسرا خط دینا۔

قتیبہ کا قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوا تو حسب توقع یزید بن مہلب وہاں موجود تھا۔ قاصد نے پہلا خط سلیمان کو دیا۔ سلیمان نے اسے پڑھ کر یزید کے حوالہ کردیا۔ اب قاصد نے دوسرا خط سلیمان کے حوالہ کیا۔ سلیمان اسے بھی پڑھ کر یزید کی طرف بڑھا دیا۔ اب قاصد نے قتیبہ کے ترکش کا آخری تیر نکالا اور سلیمان کی طرف بڑھایا۔ سلیمان اسے پڑھ کر لال پیلا ہوگیا۔ تاہم اس نے عاقبت اندیشی سے کام لیا۔ قاصد کو انعام و اکرام سے نوازا اور قتیبہ کی ولایت خراسان پر برقراری کا پروانہ دے کر اسے رخصت کیا۔ مگر افسوس! قتیبہ کی جلد بازی نے بنا بنایا کام خراب کردیا۔

قاصد کو روانہ کرنے کے بعد قتیبہ نے اس بدگمانی پر کہ سلیمان اسے ضرور معزول کردیگا سلیمان کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ اسے اپنے ماتحت سرداروں سے بڑی توقعات تھیں، مگر خلیفۂ وقت سے بغاوت کے معاملہ میں اس کے سرداروں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ بنی تمیم کے سردار وکیع کو اپنا سپہ سالار بنا کر وہ قتیبہ کے مقابلہ پر آگئے اور ایک معرکہ میں اُسے قتل کر دیا۔

بہر کیف قتیبہ بن مسلم جیسا فاتح اسلام جس سے شاہان عجم و ترکستان لرزہ براندام تھے۔ آپس کی بدگمانی اور مخالفت کی نذر ہوا۔

ایک خراسانی نے اس کے قتل کی خبر سن کر کہا "خدا کی قسم اگر قتیبہ جیسا فاتح ہم میں ہوتا اور مر جاتا تو ہم اسے تابوت میں رکھتے اور دشمنوں کے مقابلہ کے وقت اس تابوت کی برکت سے فتح طلب کرتے"۔ [1]

موسیٰ بن نصیر کی تعزیر

سلیمان بن عبد الملک کے خنجرِ انتقام کا تیسرا شکار فاتح افریقہ و اندلس موسیٰ بن نصیر بنا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سلیمان نے اس سے خواہش کی تھی کہ وہ دار الخلافہ میں داخل ہونے کے لیئے اس کے عہد حکومت کا انتظار کرے مگر موسیٰ نے اس کی اس خواہش کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔ سلیمان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد موسیٰ سے افریقہ کے خراج کی بقایا کا سختی کے ساتھ مطالبہ کیا۔ موسیٰ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اس نے اسے قید کر دیا۔ اور اس پر گراں قدر تاوان عائد کیا۔ ۹۷ھ میں سلیمان نے حج بیت اللہ کیا تو موسیٰ بن نصیر اسیرانہ حیثیت سے

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۷

اس کے ساتھ تھا۔ آخر مدینہ منورہ میں اسی سال کی عمر میں اسلام کے اس فرزند سعید نے سفر آخرت اختیار کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً کاملۃً شاملۃً[۱]

فتوحات

فتح قہستان و جرجان

جرجان اور طبرستان کے علاقے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں سعید بن عاص کے ہاتھ پر فتح ہو چکے تھے مگر یہ ملک پہاڑی تھا اور یہاں کے رہنے والے سرکش اور شورش پسند واقع ہوئے تھے جلد ہی یہ لوگ باغی ہو گئے بلکہ اسلام کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

سلیمان کے عہد حکومت میں جب یزید بن مہلب خراسان کی امارت پر مامور ہوا تو اس نے ادھر توجہ کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ جرجان کی طرف روانہ ہوا۔ پہلے قہستان کے علاقہ کا محاصرہ کیا۔ ترکوں نے سخت مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی، بیشمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر یزید جرجان پہنچا۔ شاہ جرجان نے دیلم سے مدد مانگی۔ دیلمی پوری طاقت کے ساتھ اہل جرجان کی مدد کے لیئے گئے اور دونوں فوجوں میں سخت معرکہ ہوا۔ اسلامی لشکر کے ایک بہادر ابن ابی سبرہ نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ ایک دن کسی ترک سردار سے ان کی مبارزت ہوئی۔ ترک نے ان کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی تلوار ان کے خود میں الجھ کر رہ گئی۔ انہوں نے اسی حالت میں پلٹ کر ترک پر جوابی حملہ کیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مبارزت سے فارغ ہو کر یہ اسلامی لشکر میں اس

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۷۴

حال میں داخل ہوئے کہ ان کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور دشمن کی تلوار ان کی کلاہِ افتخار کا طرہ بنی ہوئی تھی، یہ منظر دیکھ کر یزید بن مہلب کی زبان سے بے اختیار نکل گیا "میں نے اس سے بہتر منظر کبھی نہیں دیکھا، یہ کون بہادر ہے؟" لوگوں نے بتایا "یہ ابن ابی سبرہ ہے" یزید نے کہا "یہ بہترین شخص تھا اگر اسے شراب کی لت نہ ہوتی"۔

آخر اسی بہادر نے شاہ دیلم کا سر تن سے جدا کیا۔ شاہِ دیلم کے قتل سے غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مجبوراً شاہ جرجان کو بیش قرار فدیہ دے کر سعید بن عاص کے زمانہ کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔

اس غزوہ میں جو بیش قرار زر و جواہر مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسی میں ایک تاج بھی تھا۔ یزید بن مہلب کی خدمت میں جب وہ تاج پیش کیا گیا تو اس نے کہا کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جسے یہ تاج دیا جائے اور وہ اسے نگاہ میں نہ لائے؟ لوگوں نے کہا "ایسا کون ہو سکتا ہے؟" یزید نے ایک رضا کار محمد بن واسع کو بلایا اور اس کو یہ تاج بطور عطیہ کے پیش کیا۔ محمد نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" یزید نے قسم کھا کر کہا تمہیں ضرور لینا ہوگا۔ محمد نے تاج لے لیا اور اپنے خیمہ کی راہ لی راستہ میں اسے ایک سائل ملا اور اس نے کچھ مانگا۔ محمد نے بے تکلف وہ تاج اس کے حوالہ کر دیا۔ آخر یزید کو یہ خبر ہوئی اور اس نے مال کثیر دے کر اس سائل سے تاج واپس لے لیا۔[۱]

قسطنطنیہ پر حملہ ۹۸ھ میں سلیمان نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قسطنطنیہ کی فتح کے لیے روانہ

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۷۵، ۱۷۶

کیا۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا ایک لشکر خشکی کی راہ سے اور اسی تعداد کا دوسرا لشکر سمندر کے راستہ سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور شہر کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا مسلمان اس عزم سے گئے تھے کہ وہ شہر کو فتح کیئے بغیر واپس نہ جائینگے چنانچہ انہوں نے قسطنطنیہ کے متصل ایک نیا شہر بسا دیا اور اپنی ضروریات کے لئے غلہ اور ترکاری کے کھیت بو دیئے۔

رومیوں نے جب مسلمانوں کے یہ حوصلے دیکھے تو انہوں نے صلح کی پیشکش کی۔ مگر مسلمہ نے اس پیشکش کو رد کر دیا اور بنوک شمشیر شہر کے دروازے کھولنے کے عزم کا اعلان کیا۔ اب رومیوں نے ایک دوسری تدبیر کی۔ سلطنت روم کا اندرونی نظام ان دنوں مختل ہو رہا تھا۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ بیس سال کے اندر اندر چھ قیصر تخت نشین ہو کر معزول ہو چکے تھے۔ انہیں کسی مدبر و منتظم بادشاہ کی ضرورت تھی جو اس وقت قوم کے بیڑے کو اسلامی حملہ کے طوفان سے صحیح و سلامت لے کر نکل جائے۔ ادھر مسلمہ کی فوج میں لیون مرعشی ایک بہادر اور چالاک سردار تھا۔ جو اس مہم میں مشیر کار اور معتمد علیہ تھا۔ رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان نامہ و پیام بھی اسی کے ذریعہ ہوتا تھا رومیوں نے لیون کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور اس کو اپنا تخت پیش کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو ناکام لوٹا دے تو وہ اسے رومی بیزنطینی حکومت کا فرمانروا تسلیم کر لیں گے۔

ایک مرتبہ جب لیون مسلمہ کے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ سے واپس آیا تو اس نے مسلمہ سے کہا رومی قسطنطنیہ کو چھوڑنے کے لیئے تیار ہیں مگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ لشکر اسلامی محاصرہ اٹھا کر دور چلا جائے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنا ساز و سامان لے کر شہر سے چلے جائیں۔ مسلمہ نے کسی قدر تامل

کے بعد لیون کے اعتماد پر اس تجویز کو قبول کر لیا۔

اسلامی فوجوں کے ہٹتے ہی رومیوں نے مسلمانوں کے خوراک کے تمام ذخائر کو راتوں رات شہر میں منتقل کر لیا اور فصیل بھی جہاں جہاں سے شکستہ ہو گئی تھی اسے درست کر لیا، اور لیون کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پہ نئے سرے سے صف آرا ہو گئے۔ ایک دوسری مصیبت مسلمانوں پر یہ نازل ہوئی کہ اس سال اس قدر سردی پڑی کہ عرب اسے برداشت نہ کر سکتے تھے تاہم مسلمانوں کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا اور وہ ان مصائب میں محصور ہو کر بھی دشمن سے جنگ کرتے رہے۔[1]

سلیمان جو اسلامی لشکر کی مدد کے لیئے مرج دابق میں مقیم تھا اسی دوران میں راہی عدم ہوا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اس کے جانشین منتخب ہوئے آپ نے مسلمہ کو واپسی کا حکم دیا۔ چنانچہ اسلامی لشکر جان و مال کے کثیر نقصانات اٹھا کر ناکام واپس آگیا۔

ولی عہدی سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد اپنے بیٹے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ مگر ایوب اس کی زندگی ہی میں مر گیا۔ جب سلیمان مرض موت میں مبتلا ہوا تو اس نے رجا بن حیوۃ کے مشورہ سے اپنے چچیرے بھائی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو ولی عہد نامزد کیا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ بنی مروان حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کو خوشی سے منظور نہ کریں گے اس لیئے اس نے ولی عہدی کے متعلق اپنے وصیت نامہ کو سر بمہر

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۷۴، بحوالہ واقدی

کرکے رجا بن حیوۃ کے حوالہ کردیا اور اسے ہدایت کی کہ میرے خاندان کے افراد کو جمع کرکے جس شخص کا نام اس خط میں ہو اس کے نام کی بیعت لے لو اس طرح بنی مروان نے نام سے آگاہ ہوئے بغیر خلیفہ کے نامزد کردہ شخص کی بیعت کرلی۔

وفات سلیمان

۱۰ صفر ۹۹ھ کو جمعہ کے دن سلیمان بن عبدالملک نے مرج دابق (مضافات قنسرین) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ موت کے وقت اس کی عمر پینتالیس سال تھی مدت خلافت دو سال آٹھ مہینے ہوئی۔

سیرۃ سلیمان

سلیمان بن عبدالملک اپنے اوصاف و خصائل کے لحاظ سے اکثر خلفاء بنی امیہ سے ممتاز تھا، وہ فصیح و بلیغ تھا۔ دینداری، نیکی، حق پرستی اور اہل حق کی محبت کی طرف اس کا میلان تھا۔ کتاب و سنت کا اتباع، اور احکام شریعت کا اجرا، اس کا مطمح نظر تھا۔

اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی قیدیوں کی رہائی کے احکام جاری کیے یہاں تک کہ قید خانے خالی ہوگئے۔ رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ اور ظالم و جابر حکام کو معزول کردیا۔ اس کے ان کارناموں کی وجہ سے لوگ اسے مفتاح الخیر (بھلائی کی کنجی) کے نام سے یاد کرتے تھے[1]

اس نے احکام جاری کیے کہ نمازیں اول وقت میں ادا کی جایا کریں جامع دمشق کی بنیاد گو ولید نے اسی کی رائے سے ڈالی تھی۔ پھر اس نے اپنے

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۔

عہد میں اس کی تکمیل کی بشتہ ۹۷ھ میں وہ حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ اہل حرم کو داد و دہش سے نوازا، صرف خاندان قریش میں چار ہزار وظیفے مقرر کیے۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے لشکر گاہ میں کسی مغنی کی آواز سنی، کہنے لگا جب مرد گاتا ہے تو عورت کو اس کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے اور بدکاری کی راہیں کھلتی ہیں۔ پھر گانے والوں کو بلایا اور حکم دیا کہ انہیں خصی کر دیا جائے، اس کے بعد اس نے تحقیق کی کہ غنا، کا مرکز کہاں ہے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہے۔ اس نے وہاں کے عامل ابوبکر بن حزم کو حکم بھیجا کہ تمام مغنیوں کو خصی کر دیا جائے۔[۱]

اعلاء کلمۃ اسلام کا اسے اس قدر خیال تھا کہ اپنے بھائی مسلمہ کو قسطنطنیہ روانہ کر کے خود مرج دابق میں اس کی مدد کے لیے پڑا رہا اور اعلان کر دیا کہ جب تک قسطنطنیہ کو فتح نہ کر لیگا وہاں سے نہ لوٹیگا۔ چنانچہ اس نے مرکز خلافت سے دور مرج دابق ہی میں جان، جاں آفریں کے سپرد کی۔ مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے پاک باطن شخص کو زندگی میں اپنا وزیر اور اپنے مرنے کے بعد اپنا جانشین تجویز کیا۔ محمد بن سیرین نے فرمایا:-

"خدا سلیمان کو اپنی رحمت سے نوازے، اس کی خلافت کی ابتدا بھی خیر سے ہوئی اور انتہا بھی خیر پر، ابتدا نمازوں کی بروقت ادائیگی کے اہتمام سے ہوئی اور انتہا حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ولیعہدی کے حکم پر۔"

۱؎ البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۸۰۔

قائدینِ ثلاثہ کا معاملہ

مگر تعجب ہوتا ہے کہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کا دامن موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم جیسے فاتحین اسلام کے ساتھ بے انصافیوں کے دھبوں سے داغدار رہے۔ اس میں شک نہیں ان دھبوں کو جس قدر نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے حقیقت حال کے لحاظ سے وہ اس قدر نمایاں نہیں ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کے قتل کا جہاں تک تعلق ہے سلیمان پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا باوجود اس دھمکی کے جو آداب شاہی کے سراسر خلاف تھی۔ اس نے قتیبہ کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیا۔ مگر افسوس کہ قتیبہ کی جلد بازی اور بے اعتمادی نے اس کا کام تمام کیا۔ اب موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کا معاملہ رہ جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فاتحین روپے پیسے کے خرچ میں محتاط نہیں ہوتے۔ حضرت خالد بن ولید پر بھی اسی قسم کی گرفت کی گئی تھی۔ لیکن ایک خلیفۂ عادل کسی کی اہم خدمات کے عوض اموالِ مسلمین پر احتساب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ سلیمان نے موسیٰ سے افریقیہ کے خراج کی بقایا کا مطالبہ کیا اور جب وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اسے نظر بند کر دیا۔ بالکل قرین قیاس ہے کہ سلیمان کے اس برتاؤ میں اس کے سابق الذکر جذبۂ انتقام کو بھی دخل ہو لیکن اصولی اعتبار سے جو کچھ کیا گیا وہ اپنی جگہ صحیح تھا۔

یہ واضح رہے کہ عام مورخین نے سلیمان کے اس محاسبہ کی جو تفصیلات لکھی ہیں، وہ مغربی مورخین کے معاندانہ بیانات پر مبنی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے جو مشہور محقق مورخ ہیں، صرف اس قدر لکھا ہے:

"سلیمان موسیٰ سے ناراض تھا، اس لیے اس نے اسے نظر بند کر دیا اور کثیر رقم کا اس سے مطالبہ کیا۔ موسیٰ اس نظر بندی کی حالت میں سفر حج میں سلیمان کے ساتھ تھا کہ اس نے اسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔"[1]

پھر موسیٰ اگرچہ نظر بند تھا تاہم وہ سلیمان کا معتمد علیہ تھا اور اہم امور میں وہ اس سے مشورے کرتا رہتا تھا۔ سلیمان کے دور خلافت کا سب سے اہم کارنامہ غزوۂ قسطنطنیہ سراسر اسی کے مشوروں کا رہین منت تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وذلك كله عن مشورة موسى بن نصير حين قدم عليه من بلاد المغرب[2]	اور غزوۂ قسطنطنیہ کے یہ تمام انتظامات موسیٰ بن نصیر کے مشورے سے جب وہ بلاد مغرب سے واپس آیا عمل میں آئے

مقام حیرت ہے کہ ایک طرف بقول ابن کثیرؒ سلیمان موسیٰ کی رائے پر دو لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی جانوں کی بازی لگا دیتا ہے اور خود بھی مستقر خلافت سے دور مرج دابق میں زندگی کے آخری لمحات پورے کرتا ہے اور دوسری طرف بقول مسٹر ایس پی اسکاٹ موسیٰ کی اس کے دربار میں پوزیشن یہ ہو کہ

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۷۴ [2] ایضاً ص ۱۷۹

"موسیٰ کی جائداد ضبط ہوتی ہے، دو لاکھ دینار جرمانہ کیا جاتا ہے پھر اسے دھوپ میں پابزنجیر کھڑا کرنے کے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دربار شاہی میں کبھی نہ پھٹکے۔ اس کے بعد وہ اپنا ایک غلام کو ساتھ لے کر اپنے وطن چلا جاتا ہے جہاں وہ بدوؤں سے بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی گمنامی میں ختم ہو جاتی ہے" [1]

اب محمد بن قاسم کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیمان نے بنی عقیل (خاندانِ حجاج بن یوسف) کے ساتھ سخت برتاؤ کیا، اور مورخین نے اس کا سبب یہی لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف نے چونکہ سلیمان کی ولی عہدی کے معاملہ میں اس کی مخالفت کی تھی اس لیے ایسا ہوا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حجاج کی مخالفت کی بنا کیا تھی؟ یہ بات بالکل صاف ہے کہ سلیمان حضرت عمر بن عبدالعزیز کی پارٹی کا آدمی تھا۔ اور عمر بن عبدالعزیز اور حجاج بن یوسف کے طرز سیاست میں بُعد المشرقین تھا۔ حجاج کی رائے یہ تھی کہ عراقین میں آب شمشیر ہی فتنہ و فساد کی آگ فرو کر سکتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خون مسلم کی اس ارزانی کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ اختلاف صرف نظری ہی نہیں تھا بلکہ عملی بھی تھا۔ چنانچہ کئی مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حجاج میں ٹکر ہوئی۔

---

[1] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۱۴۹۔

جب سلیمان کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو حجاج توقیدِ حیات سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس کے اہل خاندان کو اس کے مظالم کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔ سلیمان نے بنو عقیل کو جن میں محمد بن قاسم بھی تھا صالح بن عبد الرحمن کے حوالہ کر دیا۔ صالح نے حجاج سے اپنی خاندانی کاوش کی بنا پر محمد بن قاسم کو تہ تیغ کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حجاج کے مظالم کتنے ہی ناحق کیوں نہ ہوں، محمد بن قاسم جیسے عادل نوجوان سے ان کا انتقام کسی طرح حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ

عمرؒ عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے صاحبزادے تھے۔ والدہ ماجدہ ام عاصمؒ عاصم بن عمرؓ بن خطاب کی صاحبزادی تھیں۔ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور دولت و حکومت کی آغوش میں پلے بچپن ہی سے علم و تقویٰ کی طرف میلان تھا۔ تھوڑی ہی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ باپ نے طبیعت کا میلان دیکھ کر مدینہ منورہ کے مشہور محدث صالح بن کیسان کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے بھیج دیا۔

زمانۂ طالب علمی ایک دن ان کی نماز با جماعت فوت ہو گئی۔ اُستاد نے جواب طلب کیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: "انا میرے بال سنوار رہی تھی" صالح نے عبدالعزیز کو جو اس زمانہ میں مصر کے والی تھے، واقعہ کی اطلاع دی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ عبدالعزیز نے فوراً ایک قاصد کو مصر سے روانہ کیا جس نے عمر بن عبدالعزیز سے کسی قسم کی گفتگو کے بغیر ان کے بال مونڈ دیئے۔

عبدالعزیز ایک مرتبہ حج کے لیے آئے تو مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی صالح ابن کیسان سے پوچھا کہئے بچہ کا کیا حال ہے؟ صالح نے جواب دیا "میں نے عمر سے زیادہ کسی بچہ کے دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے لبریز نہیں پایا۔"

صالح بن کیسان کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دوسرے صلحاء مدینہ

سے بھی استفادہ کیا حضرت انس بن مالک، سائب بن یزید، یوسف بن عبداللہ
بن سلام، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام و تابعین عظام
کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے فطری صلاحیت اور اکابر امت کی
صحبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے "میں تابعین میں سے بجز عمر
بن عبدالعزیزؒ کے کسی کے قول کو حجت نہیں سمجھتا!"

طالب علمی ہی کے زمانہ میں آپ کی ہمت بلند اور ارادے نیک تھے۔ حکومت
اموی کو آپ خلافت راشدہ کے سانچہ میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ داؤد بن ابی
ہند کہتے ہیں کہ ایک دن عمر بن عبدالعزیزؒ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو کسی نے
کہا "آپ کو دیکھو! آپ مدینہ میں کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرتے آئے ہیں اور یہ
ارادہ رکھتے ہیں کہ سنت فاروقی کی پیروی کریں، چہ خوش" داؤد کہتے ہیں "خدا کی
قسم اس نوجوان نے جو ارادہ کیا تھا وہ پورا کر کے دکھا دیا۔

جوان ہوئے تو عبدالملک بن مروان کی بیٹی فاطمہ سے شادی ہوئی، اور بڑے
بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے تاہم مسندِ حکومت پر فائز ہو کر بھی دولتِ دین کو
ہاتھ سے نہ دیا۔ ولید نے جب انہیں مدینہ منورہ کی گورنری پر مامور کیا تو
اس سے شرط ٹھہرالی کہ "وہ دوسرے حکام کی طرح ظلم نہ کرینگے۔

بیعتِ خلافت

۱۰ صفر ۹۹ھ کو سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا سلیمان
اگرچہ رجاء بن حیوۃ کے ذریعہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
کی بیعت لے چکا تھا لیکن رجاء کو یقین تھا کہ بنی امیہ آسانی سے عمرؒ کی خلافت
کو منعقد نہ ہونے دینگے۔ اس لیے سلیمان کے انتقال کی خبر کو رجاء نے مخفی رکھا

اور مرج دابق کی جامع مسجد میں خاندانِ حکومت کو جمع کر کے دوبارہ سلیمان کے نامزد کردہ شخص کی بیعت لی۔ جب سب نے دوبارہ بیعت کر لی تو رجاء نے آگے بڑھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بازوؤں کو پکڑا اور انہیں منبر کی طرف بڑھایا۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا اعلان ہوا تو "اِنَّا لِلّٰہ" کی دو صدائیں ایک وقت مسجد میں گونجیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لیے "اِنَّا لِلّٰہ" پڑھی کہ خلافت کا بارِ گراں ان کے کندھوں پر آپڑا تھا، اور ہشام بن عبدالملک نے اس لیے کہ وہ متوقع تختِ حکومت سے محروم رہا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آخر بادل ناخواستہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"برادرانِ ملت! نفس انسانی کی کمزوریوں سے میں بھی خالی نہیں ہوں۔ میں بھی اپنے پہلو میں ایک حریص دل رکھتا ہوں۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ جب وہ کسی ایک مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو اُس سے بالاتر مرتبہ کے حصول کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ تختِ خلافت کے حصول کے بعد اب وہ اس سے بلند مرتبہ چیز کی فکر میں ہے اور وہ منزل جنت ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ازراہِ کرم اس خواہش کی تکمیل میں میری مدد کریں۔"

مسجد سے باہر نکلے تو شاہی سواری آپ کے لیے پیش کی گئی اور بصورتِ جلوس آپ کو بیعتِ خلافت تک لیجانے کا ارادہ کیا گیا۔ اور گھوڑوں اور خچروں کی قطاروں پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ارکانِ حکومت نے

جواب دیا "شاہی سواری" آپ نے فرمایا جی نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں
گھوڑا ہی میرے لیئے زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ تمام جلوس منتشر کر دیا گیا۔
آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو اپنے خیمہ کا راستہ لیا۔ ارکانِ
نے عرض کی، حضرت "منزل خلافت" (شاہی کیمپ) میں تشریف لے چلئے
نے فرمایا "نہیں وہاں سلیمان کے اہل و عیال ہیں، انہیں تکلیف ہوگی مجھے
خیمہ کافی ہے"[1]۔

بیعت سے فراغت کے بعد گھر میں تشریف لائے تو بیحد مغموم تھے۔
نے پوچھا، حضرت آپ اس قدر متفکر کیوں ہیں؟ آپ نے جواب دیا،
بیجا نہیں، مشرق و مغرب میں اُمت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس
حقوق کی ادائیگی میرے ذمہ نہ ہو، خواہ وہ طلب کرے یا نہ کرے
پھر بیوی (فاطمہ بنت عبدالملک) سے کہا "میرے طرز زندگی
ساتھ اگر تم نباہ دیکھو تو میرے ساتھ رہو، ورنہ تمہیں اختیار ہے کہ
چلی جاؤ۔ نیک نفس بیوی سُن کر رونے لگیں، پھر بولیں "میں ہر حال میں
شریک زندگی ہوں۔"

اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نیک ارادوں کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ ا
کے پورا کرنے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا کام اُ
یہ کیا کہ مختلف صوبہ جات کے امراء کے نام حسب ذیل فرمان جاری فر
اپنے عزائم سے آگاہ کیا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۔ و البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۸۴۔

"اما بعد سلیمان اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جسے اس نے نعمتِ خلافت سے بہرہ اندوز کیا تھا، اب اس کا انتقال ہو گیا اور میں اس کا قائم مقام بنایا گیا ہوں۔ خدا نے جو ذمہ داری مجھ پر عائد کی ہے وہ بہت سخت ہے۔ اگر بیویاں جمع کرنا اور دولت سمیٹنا مجھے منظور ہوتا تو مجھ سے زیادہ کسی کے لئے اس کے وسائل مہیا نہ تھے لیکن میرا تو یہ حال ہے کہ میں خلافت کی ذمہ داری کے سلسلہ میں سخت محاسبہ سے لرزاں ہوں۔ البتہ اگر خدا نے رحم و درگزر سے کام لیا تو امید ہے کہ چھٹکارا ہو جائے۔"

اس کے علاوہ مختلف صوبجات کے امراء کو وہاں کے مخصوص حالات کے پیش نظر مخصوص احکام بھیجے۔ سلیمان بن ابی السری کے نام یہ حکم بھیجا۔

"تم مسافر خانے بنواؤ۔ جو مسلمان ادھر سے گزرے اسے ایک دن اور ایک رات وہاں ٹھہراؤ، اس کی ضیافت اور اس کی سواری کے چارہ کا انتظام مفت کرو۔ جو مسافر مریض ہو اور اپنے وطن جانا چاہیے اُسے حکومت کے خرچ پر گھر پہنچانے کا انتظام کرو۔"

عبد الحمید کے نام یہ حکم بھیجا :-

"گزشتہ زمانہ میں اہل کوفہ کو عمّال سوء کے ہاتھوں سخت مصائب والام کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ان کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا گیا ہے۔ دیکھو دین کی بنیاد عدل و احسان پر ہے۔ تمہیں سب سے زیادہ اپنے نفس کے محاسبہ کا خیال رکھنا چاہیے۔ تم اسے گناہوں کے تھوڑے بوجھ سے بھی گراں بار نہ کرو۔ خراج کے معاملہ میں پوری احتیاط برتو۔ غیر آباد زمین

سے آباد کے خراج کا مطالبہ نہ کرو۔ اس سے اسی قدر وصول کرو، جو اُس کے لیئے مناسب ہو۔ البتہ اُسے آباد کرنے کی فکر کرو۔ آباد زمین سے صرف خراج وصول کرو اور اس میں بھی نرمی اور حسن تقاضا ملحوظ رہے۔ رعایا سے ٹکسال کے مصارف، نوروز اور مہرجان تہواروں کے ہدیئے، قرآن کریم کی قیمت، پانی مہیا کرنے کا ٹیکس، مکانات کا کرایہ اور نکاحانہ وصول نہ کیا جائے۔ کوئی شخص کسی ملک کا بھی اگر مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ ہرگز نہ وصول کیا جائے"

اُمراء سے باز پرس

آپ نے صرف احکام کے اجراء ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ امراء و ولاۃ کی کمزوریوں اور غلط کاریوں پر سختی سے احتساب کیا۔

یزید بن مہلب کے ذمہ بیت المال کا ایک گراں قدر مطالبہ تھا۔ آپ نے یزید کو دارالخلافت میں طلب کر کے اس سے اس کی ادائگی کا تقاضہ کیا۔ یزید نے جواب میں کسی مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب یزید کو سلیمان کے زمانہ کی اس کی وہ تحریر دکھلائی گئی جس میں اس نے ان رقوم کا اقرار کیا تھا تو اُس نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ میرا اور سلیمان کا معاملہ واحد تھا، میں نے اپنے مخالفین کو مرعوب کرنے کے لیئے اسے لکھ دیا تھا ورنہ حقیقت میں میرے ذمہ کچھ نہیں ہے"۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کے اس جواب کو قبول نہ کیا اور اُسے قید کر دیا۔

یزید کے بیٹے مخلد کو باپ کا حال معلوم ہوا تو دربار خلافت میں حاضر

اور کہا "یا امیر المومنین اللہ نے اس اُمت پر آپ کو خلیفہ بنا کر بڑا احسان فرمایا۔ پھر ہم ہی آپ کے لطف و کرم سے کیوں محروم رہیں؟ مناسب ہے کہ کچھ گھٹا بڑھا کر معاملہ طے کر لیا جائے" حضرت عمرؓ نے فرمایا "جب تک ایک ایک کوڑی وصول نہ کر لونگا تمہارے والد کو نہ چھوڑونگا۔ یہ معاملہ حقوق مسلمین کا ہے"

یزید بن مہلب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے آخر عہد تک مقید رہا لیکن جب اس نے سنا کہ ان کا وقت آخر ہے اور زمام خلافت یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں آنے والی ہے جس سے خاندانِ حجاج سے بدسلوکی کی وجہ سے اس کی مخالفت ہے تو وہ قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چلا گیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو خط میں لکھا: "خدا کی قسم! اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو میں کبھی حکم عدولی نہ کرتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے بعد یزید خلیفہ ہوگا اور وہ میری تکہ بوٹی کر ڈالیگا۔

جراح بن عبداللہ حاکم خراسان کے متعلق آپ کے پاس شکایت پہنچی کہ وہ نومسلموں سے بھی جزیہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جزیہ کی ادائگی سے بچنے کے لیئے مسلمان ہوتے ہیں۔ نجات آخری کی خاطر نہیں۔ آپ نے کہ سے لکھا:۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین مبین کا داعی بنا کر بھیجا گیا تھا، ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں، جو شخص نماز ادا کرے تمہیں اس سے جزیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں"۔

جراح نے اس حکم کی تعمیل شروع کر دی تو لوگ گروہ در گروہ مسلمان ہونے

لگے۔ یہ حالت دیکھ کر بعض حاشیہ نشینوں نے پھر جراح کو بہکایا کہ ان لوگوں کی ختنہ کرا کر ان کے اخلاص کا امتحان کرنا چاہیئے۔ جراح نے حضرت عمرؒ سے رائے طلب کی۔ آپ نے جواب لکھا:۔

"اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا تھا۔ ختنہ کرنے والا بنا کر نہیں"

آخر کار حضرت عمرؒ نے جراح کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔[۱]

یہی نہیں بلکہ اپنے عہد سے پہلے کے عمال و امراء کے متعلق شکایات کا بھی آپ نے منصفانہ تدارک کیا، اور جن لوگوں کے حقوق ظالمانہ طور پر چھین لیئے گئے تھے، ان کو واپس دلائے، اس میں مسلم و ذمی کی کوئی تفریق نہ تھی۔

اہل سمرقند نے آپ کے پاس ایک وفد بھیج کر شکایت کی کہ قتیبہ بن مسلم نے سمرقند پر نا منصفانہ طور پر قبضہ کر لیا تھا لہٰذا ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سلیمان بن ابی السری کو لکھا کہ اہل سمرقند قتیبہ بن مسلم کے قبضہ کو نا منصفانہ بتاتے ہیں۔ تم اس معاملہ کی تحقیق کے لیئے ایک قاضی مقرر کرو جو شہادتوں پر غور کر کے ایمانداری کے ساتھ معاملہ کا فیصلہ کرے۔ اگر فیصلہ اہل سمرقند کے حق میں ہو تو مسلمانوں کو شہر چھوڑ کر اپنی قدیم لشکر گاہ میں لوٹ آنا چاہیئے تا آنکہ نئے سرے سے معاملہ طے ہو۔

سلیمان نے حکم کی تعمیل کی اور جمیع بن حاضر قاضی کو معاملہ کے تصفیہ

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۸۸ و ابن اثیر ج ۵ ص ۱۹ ملخصاً

لے لیئے مقرر کیا۔ قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ اہل سمرقند کی شکایت بجا ہے لہذا مسلمان سمرقند پہ سے قبضہ اٹھالیں اور باہر اپنی قدیم چھاؤنی میں چلے جائیں اور نئے سرے سے بزور شمشیر فتح حاصل کریں یا نیا صلحنامہ مرتب ہو۔

اہل سمرقند مسلمانوں کی اس انصاف پسندی سے بے حد متاثر ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صورت حال پر خوش ہیں۔ ہم ایسی عدل پرور قوم سے جھگڑا مول لینا پسند نہیں کرتے۔

فدک سے دستبرداری

فدک، خیبر کا ایک گاؤں تھا۔ فتح خیبر کے بعد جناب رسول اکرم صلعم نے اسے "خالصہ" قرار دے لیا تھا اس کی آمدنی کو آپ اہل بیت اور بنی ہاشم کی ضروریات میں صرف فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے باپ کے ورثہ ہونے کی حیثیت سے حضرت صدیق اکبرؓ سے اس کا مطالبہ کیا آپ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ رسول اکرم صلعم کا ارشاد ہے "انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی" البتہ میں اسے انہی مصارف میں صرف کرتا رہونگا۔ جن میں رسول اللہ صلعم صرف فرمایا کرتے تھے۔"

چنانچہ فدک کی آمدنی انہی مصارف میں صرف ہوتی رہی حتیٰ کہ مروان بن حکم نے اسے غاصبانہ طور پر اپنے خاندان کے لیئے مخصوص کر لیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ تک وہ بنی مروان کی جاگیر رہا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو آپ نے بنی مروان کو جمع کر کے فدک کی صحیح حیثیت واضح کی، پھر فرمایا کہ میں اسے بنی ہاشم کی تحویل میں تو نہیں دے سکتا

کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد میں خود ایسا نہیں کیا لیکن میں اسے انہی مصارف کے لیے مخصوص کرتا ہوں جن میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں صرف ہوتا رہا۔ [۱]

جاگیروں کی واپسی

آپ نے اپنے مولیٰ (غلام) مزاحم سے کہا۔ مجھے سابقہ خلفاء نے کچھ جاگیریں دی ہیں لیکن نہ دینے والوں کو ان کے دینے کا حق تھا اور نہ لینے والے کو ان کے لینے کا۔ میں ان کو ان کے حقداروں کو واپس کرنا چاہتا ہوں، مزاحم نے کہا۔ اور اولاد کے لیے کیا بندوبست کیا ہے؟ اس پر آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا میں انہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں" مزاحم نے اپنی خیرخواہی کے اظہار کے لیے صاحبزادہ (عبدالملک) سے اس گفتگو کا ذکر کیا اور کہا میں نے انہیں اس کام سے روک دیا ہے صاحبزادے نے جو باپ کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے مزاحم سے کہا " تم خلیفہ کے اچھے وزیر نہیں"۔ پھر باپ کے پاس پہنچے اور کہا مزاحم سے مجھے آپ کے اس ارادہ کا علم ہوا ہے، پھر اسے پورا کرنے میں کیا تامل ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا " شام کو یہ کام ہو جائیگا۔ صاحبزادہ نے کہا جلدی کیجئے آپ کو کیا خبر کہ شام تک آپ زندہ رہتے ہیں یا نہیں اور اگر زندگی رہی تو آپ اس نیک ارادہ پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ہونہار بیٹے کی اس نصیحت کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ فوراً اس پر عمل کیا اور پھر فرمایا " اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے ایسی اولاد

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵۶ بحوالہ ابوداؤد۔ والتاج الجامع ج ۲ ص ۳۵۵ بحوالہ ترمذی۔

دی جو دینی کاموں میں میری مددگار ہے۔ [1]

سبِّ علیؓ کا انسداد

لیکن اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح جو ان کے نامۂ اعمال میں سنہری حروف سے ثبت ہے، حضرت علیؓ کی شان میں بدگوئی کا انسداد ہے عرصے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ خلفاء بنی اُمیہ اور ان کے عمال خطبوں میں حضرت علیؓ پر لعن وطعن کیا کرتے تھے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے والد بزرگوار عبد العزیز بھی مصر کے والی کی حیثیت سے اس تکلیف ▪ فرض منصبی کو ادا کرنے پر مجبور تھے لیکن چونکہ دل زبان کا ہمنوا نہ تھا اس لیے اس موقع پر آپ کی آواز سٹ پٹا جاتی تھی بیٹے نے باپ کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور ان سے اس کی وجہ پوچھی امیر عبد العزیز نے کہا: بیٹا جو لوگ ہمارے ساتھی ہیں اگر انہیں علیؓ کے فضائل معلوم ہو جائیں تو کوئی ہمارے ساتھ نہ رہے اور سب ان کی اولاد کے حامی بن جائیں۔

پھر مدینہ منورہ کے دوران قیام میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے جن کا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بڑا احترام کرتے تھے انہیں سمجھایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل بدر و اصحاب بیعۃ رضوان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے، پھر کیا حضرت علیؓ ان میں شامل نہیں! اگر شامل ہیں تو خدا کی رضامندی کے مقابلہ پر تمہاری ناراضگی کے کیا معنی!

▪ بات حضرت عمرؒ کے دل میں گھر کر گئی، انہوں نے فرمایا میں اس ناروا حرکت سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر جب آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عمال کے نام حکم جاری فرمایا کہ خطبوں میں سے حضرت علیؓ پر لعن وطعن کو خارج

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۲۴۔

کر دیا جائے اور اس کی بجائے یہ آیۂ کریمہ پڑھی جائے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

حوادثِ خارجیہ و داخلیہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی توجہ حکومت کو وسیع کرنے کی طرف نہ تھی۔ آپ کی توجہ اس طرف تھی کہ اس کی داخلی کمزوروں کو دور کیا جائے اور اسے امن و امان اور عدل و انصاف سے معمور کر دیا جائے۔ اس لیے آپ کے زمانہ میں قابلِ ذکر فتوحات نہیں ہوئیں۔

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے جو عظیم الشان لشکر بھیجا تھا موسم کی ناسازگاری اور دشمن کی عیاری کے سبب وہ سخت مشکلات میں مبتلا تھا حضرت عمرؓ نے کثیر تعداد میں سامان خورونوش و حمل و نقل بھیج کر اسے واپس بلا لیا۔

۹۹ھ میں ترکوں نے آذربیجان پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو بے گناہ قتل کر دیا۔ آپ نے حاتم بن نعمان باہلی کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حاتم نے ان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتارا اور جو بچے انہیں گرفتار کر کے دار الخلافہ روانہ کر دیا۔

۱۰۰ھ میں آپ نے طرندہ کی اسلامی نوآبادی کو ملطیہ منتقل ہونے کا حکم دیا۔ طرندہ ملطیہ سے تین مراحل پر بلادِ روم میں واقع تھا ۸۳ھ میں عبداللہ بن عبدالملک نے اسے فتح کیا اور وہاں مسلمانوں کی نوآبادی بسا دی جزیرہ سے ایک فوج مسلمانوں کی حفاظت کے لیے وہاں آتی تھی لیکن برفباری کے زمانہ میں لوٹ

تی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس انتظام کو ناکافی سمجھ کر مسلمانوں کو طرندہ
کے بجائے ملطیہ میں آباد ہونے کا حکم دیا اور طرندہ کو اجاڑ دیا۔

اسی سال خارجیوں کے فتنہ پرداز گروہ نے سر اٹھایا اور عراق میں شورش
برپا کی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے والیٔ کوفہ عبدالحمید کو حکم دیا کہ خارجیوں کو نرمی اور
مہربانی کے ساتھ حق کو قبول کرنے اور فساد سے باز رکھنے پر آمادہ کیا جائے لیکن
خارجی نہ مانے اور فساد پر اڑے رہے مجبوراً عبدالحمید نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسلمہ بن عبدالملک کو جو جزیرہ میں متعین تھے عراق
جاکر اس فتنہ کو دبانے کا حکم دیا۔ مسلمہ نے حکم کی تعمیل کی اور خوارج کو شکست فاش
دی۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوارج کے سردار بسطام کو لکھا:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میرے مقابلہ میں کیوں صف آرا ہوتے ہو۔
اگر حمیت دینی تمہیں مجبور کرتی ہے تو اس جذبہ میں میں تم سے کم نہیں ہوں زبانی
گفتگو کر کے کیوں نہ فیصلہ کر لیا جائے کہ حق و صداقت کس کے ساتھ ہے۔"

بسطام نے اپنے دو نمایندوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس بھیجا حضرت
عمرؒ نے اُن کے ہر سوال کا کافی وشافی جواب دیا اور ان کے عقائد کا فساد
ان پر ظاہر کر کے مطمئن کر دیا۔ البتہ جب بسطام کے نمائندوں نے آپ سے پوچھا
کہ اپنے بعد یزید بن عبدالملک کی ولیعہدی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو
آپ نے جواب دیا میں نے اُسے ولی عہد نہیں بنایا ہے" بسطام کے نمایندوں نے
کہا "اگر آپ اُسے اُمت محمدیہ کی امانت کا اہل نہیں سمجھتے تو اس کا اعلان کیوں
نہیں فرما دیتے" حضرت عمرؒ اس مطالبہ کو سن کر خاموش ہو گئے اور تین دن

کی مہلت مانگی۔ کہا جاتا ہے کہ بنی امیہ کو خوف ہوا کہ کہیں وہ حکومت سے ان کے خاندان کو محروم نہ کردیں، اُنہوں نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور تین دن گزرنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔[1]

وفات ۲۵۔ رجب ۱۰۱ھ کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک روایت کے مطابق مرض طبعی سے اور دوسری روایت کے مطابق زہر کے اثر سے دیر سمعان میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

تکلیف زیادہ ہوئی تو کسی نے کہا حضرت کوئی دوا کر لیجیے۔ آپ نے جواب دیا بھائی اگر مجھے یقین ہو کہ صرف اپنے کان کو چھو کر میں تندرست ہوسکتا ہوں تو اتنا بھی نہ کروں، اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت سے زیادہ مجھے کیا چیز عزیز ہوسکتی ہے؟

آپ کی عمر اُنتالیس یا چالیس سال ہوئی۔ دو سال پانچ مہینے چودہ دن مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔

سیرۃ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ حکومت و سلطنت، علم و فضل، زہد و قناعت اور عبادت و ریاضت کے حیرتناک مناظر اگر آپ کو پہلو بہ پہلو دیکھنے ہوں تو سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ کا مطالعہ کیجیے۔

آپ نے دولت و ثروت کے آغوش میں آنکھ کھولی، تعیش و تنعم کے گہوارہ میں پلے بڑھے، مگر آپ نے اپنے سینہ کو علوم نبوت کا گنجینہ بنایا، اور

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۸۷

اپنے دامن دل کو دولتِ آخرت سے پُر کرنا پسند کیا۔

ہوسکتا تھا کہ آپ ابوذر غفاریؓ کی طرح دنیا کو تین طلاقیں دیدیتے یا ابراہیم ادہم کی طرح مسندِ حکومت کو ٹھکرا دیتے لیکن اگر ایسا ہوتا تو تاریخِ اسلام اس صفحۂ زریں سے خالی ہوتی جو یورپ، افریقہ اور ایشیا تین برّ اعظموں پر پھیلی ہوئی ایک مہذب و متمدن حکومت کے فرمانروا کو "خلیفہ راشد" کی صورت میں پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ حکومت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

آپ کو حکومت غیر متوقع طور پر نہیں ملی۔ آپ نے اس کے لئے شروع ہی سے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا تھا اور سنت نبوی اور سنت خلفاءِ راشدین کی روشنی میں حکومتِ اسلامیہ کے رُخ زیبا کو قیصریت و کسرائیت کے دھبوں سے پاک و صاف کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو آپ کے والد امیر عبدالعزیز نے آپ کو دمشق سے مصر اپنے دارالامارت لیجانا چاہا مگر آپ نے فرمایا "اے باپ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مجھے مصر کی بجائے مدینہ منورہ حاضر ہونے کی اجازت دی جائے میں چاہتا ہوں کہ وہاں رہ کر علماء و فقہاء کی صحبت سے استفادہ کروں باپ نے اجازت دیدی۔

ذہانت و فطانت، شوق و محنت اور ریاست کی اعانت نے مل کر آپ کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اگر آپ کے لئے تختِ حکومت مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو آپ مسندِ علم و فضل کے صدر نشین ہوتے۔

ابونصر مدنی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن سلیمان بن یسار کو عمر بن عبد العزیز کی قیام گاہ سے نکلتے دیکھا تو اُن سے پوچھا کیا آپ انہیں پڑھاتے ہیں؟ سلیمان نے جواب دیا ہاں، لیکن خدا کی قسم وہ تم سب سے زیادہ جانتا ہے، مجاہد کہتے ہیں "ہم عمر بن عبد العزیز کو پڑھانے آئے، مگر ان سے پڑھ کر اُٹھے۔"

میمون بن مہران کا قول ہے "عمر بن عبد العزیز کے سامنے علماء وقت کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے" لیث کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھ چکا ہے کہ "ہم نے جس مسئلہ کی بھی تحقیق کی عمر بن عبد العزیز کو اس کے اصول و فروع پر سب سے زیادہ حاوی پایا۔

علم وفضل کی اس دولتِ بے پایاں کو آپ کس مقصد کے لئے جمع کر رہے تھے؟ داؤد بن ابی ہند کی سابق الذکر روایت سے تصریح ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ اس لیئے تھا کہ سنتِ فاروقی کو زندہ کیا جائے اور خلافتِ راشدہ کے ٹوٹے ہوئے نظام کی دوبارہ شیرازہ بندی ہو!

خلافتِ راشدہ کا سنگِ بنیاد "شوریٰ" ہے یعنی احکام اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری جس شخص سے متعلق ہو وہ جمہور کی رائے سے منتخب ہوا ہو۔ نصف صدی سے زیادہ مدت گزر گئی تھی کہ یہ بنیاد متزلزل ہو چکی تھی۔ ہر خلیفہ اپنے بعد حکومت کے لیئے ایک یا ایک سے زیادہ ولی عہد مقرر کر جاتا تھا۔ خود حضرت عمر بن عبد العزیز کا تقرر بھی اسی طرح ہوا تھا۔

آپ نے سب سے پہلے اس بنیاد کو درست کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے

مسلمانوں کو جمع کرکے اعلان کیا:

* لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے کے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کردی گئی ہیں۔ میری اطاعت کا جو طوق جبر یہ تمہاری گردنوں میں ڈالا گیا ہے میں اسے خود اتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو۔

آپ کی اس تقریر پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں "ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے، ہم آپ کی خلافت پر راضی ہیں" اس کے بعد آپ نے اپنے خطبۂ خلافت میں اپنے نظامِ عمل کی وضاحت کی اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

قول بغیر عمل کے دلوں میں گھر نہیں کرتا اس لیئے آپ نے اصلاحِ امت کے لیئے اپنی ذات کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ اپنی چہیتی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کا جو بقول ایک شاعر کے، ایک شہنشاہ کی بیٹی، کئی شہنشاہوں کی بہن اور ایک شہنشاہ کی بیوی تھی۔ ایک ایک چھلا اتروا کر بیت المال میں داخل کرادیا۔ فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت ہیرا دیا تھا جو انہیں بہت عزیز تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے بھی نہ چھوڑا اور صاف کہدیا۔ یا یہ ہیرا بیت المال میں داخل کردو یا مجھے چھوڑنے کے لیئے تیار ہو جاؤ۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے سے پہلے ترفہ و تنعم میں کسی سے کم نہ تھے۔ جب مدینہ منورہ کی ولایت پر تقرر ہوا تو تیس اونٹوں پر آپ کا ذاتی سامان بار تھا۔ بہتر سے بہتر قمیص پیش کی جاتی مگر فرماتے کہ اچھی مگر کھردری ہے مگر جب

خلیفہ کی حیثیت سے ملت کے سامنے آئے تو طرز زندگی ہی بدل گیا۔ کملی کی قمیص زیب بدن ہوتی تھی، پھٹتی جاتی تھی اور اس پر تھیگیاں لگتی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں جب قمیص بہت میلی ہوگئی تو مسلمہ بن عبدالملک نے بہن (فاطمہ) سے کہا لوگ عیادت کو آتے ہیں، دوسری صاف قمیص بدلوا دو۔ بہن خاموش ہو گئیں۔ جب دوبارہ بھائی نے کہا تو بولیں "دوسری قمیص ہی نہیں ہے بدلواؤں کہاں سے؟"

مسور کی دال کھانے کے لیے تجویز کی تھی کہ اس سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنسوؤں کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ بانس کی تین کھپچیاں اور اُن پر ایک مٹی کا ٹھیکرا۔ یہ آپ کا شمعدان تھا۔

آپ کی یہی سادگی تھی جس کی بنا پر ابوسلیمان دارانیؒ نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز اویس قرنیؒ خیر التابعین سے بھی زہد میں آگے ہیں اور وجہ یہ بتائی کہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس دنیا پوری آن بان کے ساتھ آئی اور انھوں نے اُسے ٹھکرایا اور اویس قرنیؒ کو دنیا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔

اسی طرح مالک بن دینار سے منقول ہے، آپ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں "مالک زاہد ہے، مالک کا زہد کیا؟ زاہد عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دنیا منہ کھولے ہوئے ان کے سامنے آئی اور انھوں نے اُس سے مُنہ موڑ لیا۔

خشوع وخضوع اور رقت قلب کا یہ حال تھا کہ جب موت کا ذکر آتا تو آپ کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھ دی واذا القوا منہا مکانا ضیقا مقرنین آپ اس قدر روئے

کہ گھگی بندھ گئی۔ آخر مجلس سے اٹھ کر گھر میں چلے گئے۔

آپ کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھ جاتے اور روتے رہتے، یہاں تک کہ آنکھ جھپک جاتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے اور یہی سلسلہ صبح تک رہتا۔ کثرت گریہ سے بعض اوقات آپ کے آنکھوں میں سرخی جھلکنے لگتی۔ عبادت کے لیئے ایک حجرہ مخصوص تھا۔ وہاں ایک موٹی کملی اور لوہے کا طوق رکھا تھا۔ جب اس میں داخل ہوتے کملی اوڑھ لیتے اور طوق گردن میں ڈال لیتے۔ جب صبح کو عبادت سے فارغ ہو کر نکلتے تو حجرہ کو تالا لگا دیتے۔ وصال کے بعد یزید نے اسے اس خیال سے کھولا کہ شاید کچھ خزانہ محفوظ کیا ہو۔ مگر دیکھا تو ایک موٹی کملی اور طوق کے سوا کچھ نہ تھا۔

اپنے بعد اپنے خاندان کی طرف توجہ کی۔ بنی امیہ نے بہت سی املاک ناحق دبا رکھی تھیں، ان سے چھین کر ان کے حقداروں کو واپس کیں۔ پھر عام منادی کرادی کہ کسی کا حق کسی نے دبا رکھا ہو تو وہ مطالبہ پیش کرے۔ ایک ذمی نے عباس بن ولید کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس نے میری زمین غصب کرلی ہے۔ شہزادہ عباس برابر بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس سے جواب طلب کیا۔ شہزادے نے کہا "امیر المومنین ولید نے مجھے اس کے متعلق فرمان لکھ دیا ہے"۔ آپ نے جواب دیا "اللہ کا فرمان ولید کے فرمان سے زیادہ ماننے کے قابل ہے!" اور حکم دیا کہ ذمی کی زمین واپس کر دی جائے۔

شاہی خاندان کے ارکان اس سلوک کے عادی کب تھے۔ مروان کی بیٹی فاطمہ زندہ تھی اور خاندان کی بڑی بوڑھی سمجھی جاتی تھی۔ سب خلفاء اس کا

احترام کرتے آئے تھے۔ بنو مروان جمع ہو کر اس کے پاس گئے اور اپنی سفارش کے لئے حضرت عمرؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت نے اسے تعظیم کے ساتھ اپنے برابر جگہ دی۔ فاطمہ نے ناراض ہو کر کہا: "اے عمر شاہی خاندان کے ارکان تمہاری حکومت کے زمانے میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ ان کی املاک چھین چھین کر دوسروں کو دیئے جا رہے ہیں، انہیں برا بھلا کہا جا رہا ہے اور تم کچھ نہیں کرتے۔"

حضرت عمرؒ نے جواب دیا "اے پھوپی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو خدا نے دنیا کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا جس سے سب کو سیراب ہونے کا حق حاصل تھا۔ پھر ابو بکرؓ نے بھی اس چشمہ کو اسی حال میں چھوڑا اور عمرؓ نے بھی لیکن بعد میں یزید، مروان، عبدالملک اور اس کے بیٹوں نے اپنے آپ کو اس سے سیراب کیا اور دوسروں کو اس سے محروم کر دیا میں اسے اس کی اصلی حالت پر لانا چاہتا ہوں۔

فاطمہ بنت مروان نے کہا میں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ اگر تمہارا ارادہ بزرگان سلف کی تقلید کا ہی تو میں تمہیں منع نہیں کر سکتی۔ پھر واپس آ کر اپنے اہل خاندان سے کہا "یہ تو سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ نہ عمر فاروق کے گھر کی بیٹی بیاہ کر لاتے نہ اُس کی اولاد میں فاروقی رنگ آتا۔"

امراء و حکام بادشاہ کے دست و بازو ہوتے ہیں، امراء کے صحیح انتخاب اور ان کی مکمل نگرانی کے بغیر کوئی بادشاہ ملک میں عادلانہ نظام قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ولاۃ و حکام کے نام بکثرت فرمان جاری کیئے۔ ان فرمانوں میں عدل و انصاف کے قیام، اخلاق کی اصلاح، تعلیم

کی اشاعت، ذمیوں اور نومسلموں کے حقوق کی حفاظت، اسلام کی تبلیغ اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی اور جہاں سختی کی ضرورت سمجھی گئی وہاں سختی بھی کی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دنیا امن وامان کا گہوارہ بن گئی گلشن اسلام میں نئے سرے سے بہار آئی اور لوگوں نے پھر ایک مرتبہ عہد نبوت کے نظر نواز مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے گھر گھر میں دینداری کا چرچا ہوا، ہزارہا ذمی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، راجایان سندھ جو مرتد ہو گئے تھے دوبارہ آغوشِ اسلام میں واپس آگئے۔ مگر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد سیر گل خوش ندیدیم و بہار آخر شد

وفات کی خبر سن کر شاہ روم نے رو کر کہا:۔

• اگر عیسیٰ مسیحؑ کے بعد کوئی شخص مُردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہوتے میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے، میں اس راہب پر تعجب کرتا ہو جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے جلیل القدر علماء امت کی رائے ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پہلی صدی ہجری کے مجدد تھے اور امام شافعی وسفیان ثوری کا قول کہ آپ پانچویں خلیفہ راشد تھے۔[1]

---

[1] یہ تمام واقعات للبدایہ والنہایہ ج ۹، الکامل لابن اثیر ج ۵ اور مروج الذہب مسعودی سے ماخوذ ہیں۔

یزید بن عبدالملک

سنہ ۱۰۱ھ تا سنہ ۱۰۵ھ

یزید بن عبدالملک بن مروان سنہ ۶۵ھ میں پیدا ہوا، اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی نامزدگی کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ جوان سال تھا اور پہلو میں جوان دل رکھتا تھا، بادہ و ساغر اور چنگ و رباب کا شغل جاری کیا اور دو کنیزوں حبابہ و سلامہ کو انیس جلیس بنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات ختم کر دیں اور دربار لہو کا نظام قدیم پھر جاری کیا۔

آلِ مہلب کی بغاوت اور اس کا استیصال

پہلے ذکر آچکا ہے کہ یزید بن مہلب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے آخری عہد میں یزید بن عبدالملک کے انتقام کے ڈر سے قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چلا گیا تھا۔ یزید نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عدی بن ارطاۃ والی بصرہ کو یزید بن مہلب کے فرار کی اطلاع دی اور اس کے خاندان کو نظر بند کرنے کا حکم بھیجا۔ عدی نے یزید بن مہلب کے تین بھائیوں مفضل، حبیب اور مروان کو قید کر دیا۔ یزید بن مہلب کا خاندان عراق میں بہت با اثر تھا۔ اس نے بہت جلد ایک لشکر گراں جمع کر لیا اور بصرہ پر حملہ آور ہوا۔ عدی بن ارطاۃ نے شکست کھائی اور بصرہ پر یزید بن مہلب کا قبضہ ہو گیا۔ دارالحکومت پر قبضہ

پر قابض ہونے کے بعد یزید نے تمام عراق و خراسان و کرمان میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور اپنی طرف سے حاکم و والی مقرر کیے۔ یزید بن عبدالملک کی بیعت فسخ کر دی۔ اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کے نام پر بنی امیہ کے خلاف لڑنے کی دعوت دی اور کہا "ان سے لڑنا ترک و دیلم سے لڑنے سے بھی زیادہ ثواب کا باعث ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ ابن اشعث کے فتنہ کا انجام دیکھ چکے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو اس بے نتیجہ خونریزی سے علیحدہ رہنے کی ہدایت کی اور فرمایا:

"یہی یزید بن مہلب کل اہل عراق کی گردنیں کاٹ کاٹ کر مروان کے پاس بھیجتا تھا اور اپنی قوم کو ہلاک کر کے ان کی خوشنودی کا طالب تھا۔ آج جب ان سے بگڑ گئی تو میدان میں جھنڈا گاڑ کر کھڑا ہو گیا اور اہل عراق سے کہنے لگا "میں ان سے لڑ رہا ہوں تم بھی ان سے لڑو۔ میں تمہیں سنت عمرین کی طرف دعوت دیتا ہوں" حالانکہ سنتِ عمرین تو یہ ہے کہ اسے بیڑیاں پہنا کر جیل میں بند کر دیا جائے۔

یزید بن عبدالملک نے اپنے بہادر بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اسی ہزار فوج دے کر یزید کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ یزید بن مہلب بھی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ بصرہ سے نکل کر واسط آیا اور وہاں سے آگے بڑھ کر مسلمہ کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ یزید کو اہل عراق پر بھروسہ نہ تھا۔ اس نے اس ٹڈی دل فوج پر نظر ڈالی اور کہا "کاش اس لشکر عظیم کی بجائے میرے ساتھ میرے گنے چنے خراسانی رشتہ دار ہوتے" آخر وہی ہوا جس کا یزید کو اندیشہ تھا۔ ابھی لڑائی شروع

ہی ہوئی تھی کہ یزید کے لشکر میں یہ خبر پھیل گئی کہ دریا کا پل جسے پار کر کے وہ آئے ہیں اُسے آگ لگا دی گئی ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی عراقی بھاگ کھڑے ہوئے یزید نے بہت کچھ روکنے کی کوشش کی مگر کوئی نہ رکا۔ یزید بن مہلب نے اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی۔ اس کے دو بھائی حبیب بن مہلب اور محمد بن مہلب بھی میدان جنگ میں مقتول ہوئے۔

اس شکست کے بعد یزید کا بھائی مفضل اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ واسط پہنچا۔ واسط میں یزید بن مہلب کا بیٹا معاویہ مقیم تھا۔ مفضل اور معاویہ دونوں نے اپنے اہل خاندان کے ساتھ بصرہ کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے سامان سفر درست کیا اور یزید بن مہلب کی ہدایت کے مطابق قندابیل کے عازم ہوئے۔ کرمان تک کا سفر اس قافلہ نے کشتیوں کے ذریعے طے کیا۔ وہاں سے خشکی کے راستہ قندابیل (سندھ) پہنچا۔

قندابیل کا امیر وداع بن حمید یزید بن مہلب کا پروردہ تھا۔ آل مہلب کو اس سے حسن سلوک کی توقع تھی۔ مگر جب وداع کو معلوم ہوا کہ مسلمہ کی طرف سے ہلال بن احوذ تمیمی مفضل کے تعاقب میں چلا آرہا ہے تو اس نے آل مہلب کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔

قندابیل کے باہر آل مہلب کا ہلال بن احوذ کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ خاندان مہلب کے تمام مرد مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہوئے۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر کے دمشق بھیج دیے گئے۔ البتہ ابو عیینہ بن مہلب اور عثمان بن مفضل بچ کر رتبیل کے پاس چلے گئے۔

اس طرح اس نامور خاندان کا (جس نے اپنے قابل فخر کارناموں سے بنی اُمیہ کی عظمت میں چار چاند لگائے) ستارۂ اقبال غروب ہو گیا۔

جب مسلمہ بن عبدالملک یزید بن مہلب کے فتنہ کا قلع قمع کر چکا تو یزید بن عبدالملک نے اُسے عراقین کا والی مقرر کر دیا۔ مسلمہ نے اپنے داماد سعید خذینہ کو حاکم خراسان مقرر کیا۔

صغد کی سرزنش

سعید ظالم و عیش پرست آدمی تھا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اہل صغد نے خاقانِ اعظم کے امدادی لشکر سے ایک بہادر سردار کورصول کی رہنمائی میں قصر باہلی پر حملہ کر دیا۔ اس قصر میں بہت سے مسلمان آباد تھے جو محصور ہو کر رہ گئے۔ حاکم سمرقند عثمان بن عبداللہ نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر عارضی طور پر کورصول سے صلح کر لی۔ اور آس پاس کے اسلامی حکام سے امداد طلب کی۔

ایک مسلمان سردار مسیب بن بشر ریاحی سات سو منتخب جنگجو سپاہیوں کو ساتھ لے کر قصر باہلی کے محصور مسلمانوں کی امداد کے لیئے پہنچ گیا۔ یہ وقت تھا کہ مسلمان یہ طے کر چکے تھے کہ اپنے اہل و عیال کو اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگا کر ایک ایک کر کے کٹ مرینگے۔ مسیب بن بشر نے اہل قصر کو خفیہ طور پر اپنی آمد کی خبر دی اور کہا کہ وہ صبح تک اور صبر سے کام لیں۔

علی الصباح مسیب نے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو لے کر ترک محاصرین پر حملہ کر دیا۔ اندر سے محصور مسلمان بھی شمشیر بکف نکل آئے۔ سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور ترک بھاگ کھڑے

ہوئے۔ اب مسیب نے مسلمانوں سے کہا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہماری طاقت کم ہے اور دشمن کا علاقہ نزدیک۔ اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلو۔ مسلمان قصر کے سازوسامان اور مال غنیمت کو ساتھ لے کر قصر باہلی سے نکل آئے مسیب کی رائے بالکل درست ثابت ہوئی۔ دوسرے دن ترک اپنی طاقت کو مضبوط کر کے واپس آئے، مگر وہاں میدان خالی پایا یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے۔[1]

اسی سال مسلمہ بن عبدالملک کو عراقین کی امارت سے معزول کر دیا گیا اور اس کی بجائے عمر بن ہبیرہ فزاری کو مقرر کیا گیا۔ عمر بن ہبیرہ نے سعید خذینہ کو خراسان کی حکومت سے معزول کر کے اس کی بجائے سعید حرشی کو مامور کیا

سعید حرشی بہادر سپہ سالاروں میں سے تھا۔ صغد و ترک کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بلاد صغد کو چھوڑ کر چینی علاقہ کی طرف نکل گئے۔ سعید حرشی نے خجندہ تک ان کا تعاقب کیا۔ ان کی جمعیت کثیر کو تہِ تیغ کیا۔ بہت سے قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر کامیاب و کامراں واپس آیا۔

۱۰۳ھ میں عمر بن ہبیرہ والی عراقین سے اختلاف ہو جانے کی وجہ سے سعید حرشی حکومت خراسان سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ مسلم بن سعید کلابی کا تقرر ہوا۔

خزر کی سرکوبی

اسی سال ثبیت بہرانی کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک لشکر خزر کی سرکوبی کے لیے آرمینیہ کی طرف بڑھا خزر نے قبچاق وارمن اور ترکوں کے دوسرے قبائل کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ مرج حجارہ میں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۲۲۲۔

ایک ہولناک معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور دشمنوں نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ دمشق میں یہ خبر پہنچی تو یزید نے جراح بن عبداللہ حکمی کو حاکم آذربیجان و آرمینیہ مقرر کر کے بھیجا اور اُسے خزر کی گوشمالی کی ہدایت کی۔

جراح بن عبداللہ حکمی، تازہ دم شامی فوج کے ساتھ ترکستان کی طرف بڑھا، پہلے برزعہ پہنچ کر دم لیا۔ پھر نہر کو عبور کر کے باب الابواب پہنچا۔ خزر اُسے خالی کر کے پہلے ہی آگے بڑھ چکے تھے۔ جراح بلا مقابلہ اس پر قابض ہو گیا جراح یہیں مقیم تھا کہ خزر اپنے شہزادہ کی رہنمائی میں ایک لشکر گراں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آئے۔ نہران کے کنارے سخت لڑائی ہوئی مسلمان فتحیاب ہوئے اور ترک شکست کھا کر لوٹ گئے۔

جراح یہاں سے چل کر حصن حصین پہنچا۔ اہل قلعہ نے بغیر لڑے قلعہ مسلمانوں کے سپرد کر دیا اور وہاں سے اپنا مال و اسباب لے کر نکل گئے اس کے بعد جراح نے بلنجر کا رخ کیا۔ یہ ترکوں کا ایک بہت مضبوط قلعہ تھا جہاں ان کی بڑی قوت مجتمع تھی۔ یہاں مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی۔ مگر فتح مسلمانوں کی ہوئی مسلمانوں نے بہت دور تک ترکوں کا تعاقب کیا۔ ان کی جمعیت عظیم کو تہ تیغ کیا اور آس پاس کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

پھر ۱۰۵ھ میں جراح نے بلنجر سے آگے بڑھ کر بلاد الان پر حملہ کیا بہت سے قلعے فتح کیے، ترکوں کی جمعیت عظیم کو قید کیا اور مال کثیر لے کر واپس لوٹا۔ جراح کی ان پے در پے کامیابیوں سے ترکوں پر اس کا رعب چھا گیا ترکستانی علاقہ میں دوبارہ امن و امان قائم ہو گیا۔ [1]

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۴۴

ولی عہدی یزید کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے ولید کو جانشین بنائے لیکن اس کے مشیروں نے کہا کہ ولید ابھی کمسن ہے خلافت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لہذا یزید نے اپنے بعد ترتیب وار اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید بن یزید کو ولی عہد سلطنت نامزد کیا۔

وفاتِ یزید ۲۵۔ شعبان ۱۰۵ھ کو یزید بن عبدالملک نے سل کی بیماری میں بلقا، (مضافات دمشق) میں انتقال کیا۔ اس کی عمر اڑتیس ۳۸ سال کی ہوئی اور چار سال ایک مہینہ تختِ حکومت پر متمکن رہا۔

ہشام بن عبدالملک

سنہ ۱۰۵ھ تا سنہ ۱۲۵ھ

ہشام بن عبدالملک بن مروان سنہ ۷۲ھ میں عائشہ بنت ہشام کے بطن سے تولد ہوا۔ باپ نے اس نام منصور رکھا کیونکہ اسی سال اس نے مصعب بن زبیر کو قتل کیا تھا۔ ماں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام ہشام تجویز کیا، اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

یزید کے انتقال کے وقت وہ رصافہ میں مقیم تھا یہیں اس کی تاجپوشی ہوئی اور عصا، و خاتم اس کی خدمت میں پیش کیئے گئے۔ پھر دمشق پہنچ کر اس نے بیعت عام لی۔

خلافت کے وقت اس کی عمر چونتیس سال تھی۔ سنہ ۱۰۵ھ سے سنہ ۱۲۵ھ تک تقریباً بیس سال وہ تخت حکومت پر متمکن رہا، وہ حلیم عفیف، مدبر اور حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ اس کے زمانہ میں بہت سے اندرونی حادثات اور بیرونی مہمات پیش آئے۔ مگر سب میں وہ کامیاب و کامراں رہا۔ وہ بنی اُمیہ کے بہترین خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔

مہمات عراق و خراسان

ہشام بن عبدالملک نے تخت نشین ہوتے ہی عراقین کی حکومت سے عمر بن ہبیرہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ خالد بن عبداللہ قسری کو مامور کیا۔

مسلم بن سعید

اس زمانہ میں مسلم بن سعید حاکم خراسان ترکوں سے برسرپیکار تھا۔ خالد قسری نے اسے اپنا کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مسلم بن سعید فرغانہ پہنچا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ خاقان اپنا لشکر لیئے اس کے مقابلہ کے لیئے آرہا ہے۔ مسلم بن سعید اسے روکنے کے لیے آگے بڑھا مسلمانوں کی ایک چھوٹی جماعت کی خاقان کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ترکوں نے ان کو سخت نقصان پہنچایا اور کئی بہادر افسروں کو جن میں مسیب بن بشر ریاحی بھی تھے قتل کر دیا۔ اسلامی فوج کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ دشمن کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اس لیئے مسلم بن سعید نے مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور کترا کر نکل گئے آٹھ روز تک برابر چلتے رہے نویں دن ایک دریا پر پہنچے۔ دریا کے اس پار اہل فرغانہ اور شاش مجتمع تھے مسلم بن سعید نے حکم دیا کہ تمام مسلمان اپنی تلواریں میان سے نکال لیں۔ آن کی آن میں تلواروں کا جنگل نظر آنے لگا مسلمانوں نے دریا کو پار کیا اور دوسرے کنارے پر اتر گئے۔ ایک دن ٹھہرے تھے کہ معلوم ہوا خاقان کا بیٹا دو لاکھ ترکوں کے ساتھ تعاقب میں چلا آرہا ہے۔ مسلم بن سعید نے فوج کو رک جانے کا حکم دیا۔ یہاں ترکوں اور مسلمانوں کا خونریز مقابلہ ہوا مٹھی بھر مسلمانوں نے ترکوں کے ٹڈی دل فوج کا منہ پھیر دیا۔ ترک و صغد کے ممتاز افسر جن میں خاقان کا بیٹا بھی شامل تھا مقتول ہوئے۔

مسلمان اگرچہ مظفر و منصور رہے۔ مگر انہیں اس جنگ میں بھوک اور پیاس کو سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی مسلم بن سعید سالارِ فوج کے لیئے

جب ایک گلاس پانی لایا گیا تو اسے دوسرے سپاہیوں نے چھین کر پی لیا۔ مسلم نے کہا کچھ ہرج نہیں یہ مجھ سے زیادہ پیاسے تھے۔

اب مسلمان بہت تھک گئے تھے اس لئے خجندہ میں آکر مقیم ہو گئے یہیں قاصد نے اطلاع دی کہ عبداللہ قسری نے مسلم بن سعید کو معزول کر کے اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو حاکم خراسان مقرر کیا ہے اور جدید والی خراسان، اسد نے اسلامی فوج کا سپہ سالار عبدالرحمٰن بن نعیم کو مقرر کیا ہے۔ مسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو اس کے چہرہ پر بل تک نہ آیا۔ اور اس نے بخوشی عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول کر لیا۔[1]

اسد بن عبداللہ

اسد بن عبداللہ ایک بہادر و دلیر افسر تھا۔ اس نے ۱۰۷ھ میں جبالِ ہرات میں غور پر فوج کشی کی۔ اہل غور نے اپنا سامان ایک گہرے غار میں چھپا دیا اور خود ہٹ گئے۔ اسد نے زنجیروں میں صندوق باندھ کر اپنے آدمیوں کو غار میں اتارا اور تمام سامان نکلوا لیا۔

۱۰۸ھ میں اسد نے پھر ختل و غور پر فوج کشی کی مسلمانوں نے بہادری کے بڑے جوہر دکھلائے اور کامیاب واپس ہوئے۔

اسد میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس میں قبائلی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے قحطان کی طرفداری اور مضر کی مخالفت برملا شروع کر دی۔ اس نے نصر بن سیار، عبدالرحمٰن بن نعیم، سورہ بن حر، بختری بن ابی درہم جیسے سرداران مضر کے کوڑے لگوائے اور ان کے سر منڈوا کر اپنے بھائی خالد

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۴۸

کے پاس عراق بھیج دیا۔

۱۰۶ھ میں بروقان میں قحطانی اور مضری قبائل میں ایک جنگ بھی ہو چکی تھی۔ اسد کے طرز عمل نے عصبیت کی آگ پر تیل کا کام دیا اور مسلمانوں میں قبائل کی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ہشام کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے خالد کو لکھا "اپنے بھائی کو معزول کر کے اس کی جگہ اشرس بن عبداللہ کو حاکم خراسان مقرر کرد

اشرس

اشرس ۱۰۹ھ میں خراسان آیا۔ وہ عالم و فاضل اور متدین امیر تھا اہل خراسان اس کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ اشرس نے سمرقند اور ماوراء النہر کے علاقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ابو الصیداء ایک بزرگ کو مامور کیا۔ ابو الصیداء کی کوشش سے ترک جوق جوق داخل اسلام ہونے لگے۔ ذمیوں کے قبول اسلام سے جزیہ کی رقم میں بہت کمی آگئی۔ عامل سمرقند ابن عمرطہ نے اشرس کو جزیہ کی کمی کی اطلاع دی۔ اشرس نے جواب میں لکھا " جزیہ کی رقم مسلمانوں کی طاقت ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمی دین کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ جزیہ سے بچنے کے خاطر مسلمان ہو رہے ہیں تم امتحان کرو جو ذمی ختنہ کرائے، فرائض اسلامی ادا کرے اور قرآن کی کوئی سورت بھی یاد کرے اُسے چھوڑ دو باقی سب سے حسب دستور جزیہ لو۔

اشرس کے اس حکم سے نومسلم برہم ہو گئے اور سات ہزار کی تعداد میں لڑنے کے لیے میدان میں آگئے۔ بہت سے نیک نہاد مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ جن میں ابو الصیداء بھی تھے۔ اشرس نے مخشر بن مزاحم کو مقابلہ کے لیے بھیجا مخشر نے ابو الصیداء اور دوسرے مسلمانوں کو جو نومسلموں کے حامی تھے دھوکہ

سے گرفتار کر کے اشرس کے پاس بھیج دیا۔ پھر نو مسلم ترکوں سے بزورِ شمشیر جزیہ وصول کیا اور ان کے سرداروں کی توہین کی۔ مجشر کے اس طرزِ عمل سے سمرقندی نو مسلم مرتد ہو گئے۔ انہوں نے ترکوں سے مدد طلب کی اور مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گئے۔

صورت حال کی نزاکت کو دیکھ کر اشرس خود مقابلہ کے لیئے نکلا۔ دریائے پار آمل کے قریب اشرس کا صغد و ترک کے متحدہ لشکروں سے مقابلہ ہوا۔ قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جائیں لیکن آخر اشرس کی ہوشیاری سے انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر اشرس آگے بڑھ کر بیکند پہنچا۔ یہاں ترکوں نے مسلمانوں کا پانی بند کر دیا۔ چنانچہ سات سو مسلمان پیاسے مر گئے۔ آخر مسلمانوں نے بڑی جدوجہد سے پانی پر قبضہ کیا اور سیراب ہو کر دشمنوں کو ان کے ٹھکانوں سے ہٹا دیا اور انہیں شکست دی۔

واقعہ کمرجہ ابھی یہ لڑائی جاری ہی تھی کہ خاقان نے اہل فرغانہ، افشینہ و نسف کو ساتھ لے کر، خراسان کی اسلامی نوآبادی "کمرجہ" کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کمرجہ کے مسلمانوں نے شہر کے دروازے بند کر لیئے خندق کا پل توڑ دیا اور شہر بند ہو کر کفار کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ ترکوں نے شہر کے گرد کی خندق کو گیلی لکڑیوں سے پُر کر کے راستہ نکالنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے اندر سے خشک لکڑیاں ڈال کر ان میں آگ لگا دی۔ ترکوں کی سات دن کی محنت ایک گھنٹہ میں ختم ہو گئی۔ ترکوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لیئے ایک سو مسلمان قیدیوں کو شہر کی فصیل کے نیچے قتل کر دیا اور ان کے سر

کاٹ کر شہر میں پھینک دیے۔ مسلمانوں نے اتنی ہی تعداد میں ترک قیدیوں کے سر کاٹ کر باہر پھینک دیئے۔ غرض مٹھی بھر مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سربکف ہو کر دو مہینے تک ٹڈی دل دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے۔

خاقان کو دورانِ محاصرہ ہی میں اطلاع ملی کہ اسلامی فوجیں فرغانہ پہنچ گئی ہیں، اس نے کمرجہ کے مسلمانوں کو پیغام بھیجا "کہ ہماری عادت یہ نہیں ہے کہ جس شہر کا محاصرہ کریں اسے بغیر فتح کیے چھوڑ دیں۔ البتہ ہم تمہارے ساتھ اتنی رعایت کر سکتے ہیں کہ تم شہر چھوڑ کر نکل جاؤ اور ہم تم سے تعرض نہ کریں" مسلمانانِ کمرجہ نے جواب دیا "ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو شہر ہمارے قبضہ میں ہو جیتے جی ہم اسے اپنے ہاتھ سے دیدیں۔ آخر کار مسلمانوں اور ترکوں میں یہ معاہدہ طے پایا کہ مسلمان بھی کمرجہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں اور ترک بھی اپنی فوجیں لے کر ہٹ جائیں چنانچہ فریقین نے ایک دوسرے سے ضمانت لی اور مسلمان کمرجہ چھوڑ کر دبوسیہ چلے گئے۔[1]

جنید بن عبدالرحمٰن ۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس بن عبداللہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کو حاکم خراسان مقرر کیا۔ جنید مضری تھا۔ اس نے اپنے تمام ماتحت حکام مضری ہی مقرر کیے۔

واقعہ شعب ۱۱۲ھ میں جنید طخارستان پر حملہ آور ہونے کے ارادہ سے نکلا۔ ترکوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ ایک کثیر فوج کے ساتھ سمرقند کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ عامل سمرقند سورہ بن حر نے جنید کو اطلاع دی

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۵۶۔

اور لکھا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ دشمن کی اس جمعیت عظیم کا مقابلہ کر سکوں آپ فوراً میری مدد کے لئے پہنچیے۔

جنید نے اپنے بارہ ہزار ساتھیوں کے ساتھ سمرقند پہنچ کر سورہ کی مدد کا ارادہ کیا۔ اس کے رفقا نے سمجھایا کہ پہلے امراء خراسان میں سے کسی نے بھی پچاس ہزار سے کم فوج کے ساتھ کبھی دریائے جیحون کو عبور نہیں کیا ہے۔ آپ مزید کمک کا انتظار کیجیے، مگر جنید نے کہا مجھے سورہ کی مدد کے لئے جلد سے جلد پہنچنا ضروری ہے۔ غرض جنید دریا کو پار کر کے "کس" میں مقیم ہوا، اور ترکوں سے مقابلہ کی تیاری کی۔ پھر وہاں سے چل کر سمرقند کے قریب ایک گھاٹی میں خیمہ زن ہوا۔ خاقان کو خبر ہوئی تو وہ ترکوں کے مختلف قبائل کی جمعیت عظیم لے کر اندھیر منہ مسلمانوں پر آپڑا۔ مسلمانوں نے باوجود قلتِ تعداد بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ترکوں کے دانت کھٹے کر دیئے لیکن دو دن کے مقابلہ کے بعد مسلمانوں نے کمزوری کے آثار پائے

جنید نے سمرقند میں جو قریب تھا سورہ بن حر کو حالات کی اطلاع دی۔ اور مدد طلب کی۔ سورہ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سمرقند سے نکل کھڑا ہوا جب جنید اور سورہ کے درمیان ایک فرسخ فاصلہ رہ گیا تو ترک بیچ میں حائل ہو گئے اور دریا کے کنارے کے جھاڑ جھنکار میں آگ لگا دی۔

سورہ نے ترکوں کو ہٹا کر جنید سے مل جانے کا عزم کیا۔ مسلمانوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے لڑائی کے گرد و غبار کی وجہ سے آگ کے شعلے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

مسلمان ترکوں کے تعاقب میں گئے تو بہت سے مسلمان اور ترک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ اس افراتفری میں سورہ امیرِ سمرقند گھوڑے سے گر گیا اور اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ سورہ کے زخمی ہونے سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوگیا۔ ترکوں نے پلٹ کر حملہ کردیا اور مسلمانوں کی اکثر فوج کا صفایا کردیا۔

اس حادثہ کی اطلاع سُن کر جُنید نے سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ ابھی گھاٹی سے نکلے بھی نہ تھے کہ ترکوں کا لشکر نمودار ہوا۔ مسلمانوں نے فوراً مقابلہ کے لئے صفیں درست کرلیں۔ چونکہ مسلمان دشمن کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے جنید نے اعلان کردیا کہ "اس معرکہ میں جو غلام کارہائے نمایاں انجام دیگا وہ آزاد ہے"۔ یہ سُن کر غلام اس بہادری سے لڑے کہ دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

جنید سمرقند پہنچا اور مصلحتِ وقت دیکھ کر مسلمانوں کے اہل و عیال کو مرو پہنچا دیا۔ جنید سمرقند ہی میں مقیم تھا کہ معلوم ہوا خاقان بخارا کے ارادہ سے نکل کھڑا ہوا ہے۔ جنید بھی فوراً بخارا کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستہ پہاڑی اور بڑا پُرخطر تھا لیکن مسلمان پوری احتیاط اور انتظام کے ساتھ اس راستہ کو طے کرگئے۔ کرمینیہ کے قریب خاقان اپنی فوج لیے نمودار ہوا مگر مسلمانوں نے ترکوں کو شکست دیدی۔ جنید بخیر و خوبی بخارا میں داخل ہوا۔ اہل بخارا نے اس مدد پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ہر مسلمان سپاہی کو شکرانہ کے طور پر دس درہم نذر کیے۔ [1]

عاصم بن عبداللہ ۔ ۱۱۶ھ میں ہشام بن عبدالملک نے جنید کو اس جرم میں معزول کردیا کہ اس نے یزید بن مہلب کی لڑکی سے

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۶۳۔

شادی کر لی تھی۔ اور اس کی بجائے عاصم بن عبداللہ ہلالی کو حاکم خراسان مقرر کرکے بھیجا۔ ہشام نے عاصم کو یہ بھی ہدایت کی کہ اگر وہ جنید پر قابو پائے تو اُسے زندہ نہ چھوڑے مگر جنید مرض استسقا میں مبتلا تھا۔ عاصم کے پہنچنے سے پہلے ہی اُس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ عاصم نے جنید کے جانشین اور اس کے عمال کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔

بغاوت حارث بن سریج

اسی سال حارث بن سریج نے خراسان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اس نے سیاہ لباس کو اپنا شعار بنایا۔ اور لوگوں کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور آزادی انتخاب خلیفہ کے نام پر بیعت کی دعوت دی۔ بہت سے مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا۔ حارث نے بلخ، جوزجان طالقان اور مرورود پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہ خراسان کے صدر مقام مرو کی طرف بڑھا۔ عاصم نے مرو کے دروازوں پر اس کا مقابلہ کیا۔ حارث کو شکست فاش ہوئی اور اس کے بہت سے ساتھی بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوب گئے حارث جان بچا کر وادی مرو سے نکل گیا۔ عاصم نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا۔

اس کے بعد عاصم نے ہشام بن عبدالملک کو لکھا "خراسان کا امن و امان اس امر کا مقتضی ہے کہ اسے ولایت عراق سے ملحق کر دیا جائے۔ اس صورت میں وقت ضرورت فوجی مدد پہنچنے میں آسانی ہوگی ورنہ مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے بغاوت و شورش جاری ہی رہیگی۔

اسد بن عبداللہ قسری

ہشام نے عاصم کی اس رائے کو پسند کیا اور خراسان کے صوبہ کو ولایتِ عراق کے ماتحت کر دیا۔ مگر

عاصم کو معزول کر کے خالد بن عبداللہ قسری والیِ عراق کے بھائی عبداللہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

عاصم کو معزولی کی خبر پہنچی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے حارث بن سریج کے پاس پیغام بھیج کر اس شرط پر صلح کر لی کہ حارث خراسان کے جس پرگنہ میں چاہے اقامت اختیار کرے اور دونوں مل کر ہشام کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔

عاصم کی اس مصالحت کو امراء لشکر نے پسند نہ کیا اور اسے حارث سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مجبوراً عاصم کو حارث کے مقابلہ پر آنا پڑا۔ حارث کو شکست ہوئی اور وہ مرو روز کی طرف چلا گیا۔

اس دوران میں اسد خراسان پہنچ گیا۔ اس نے عاصم کو گرفتار کر لیا اور بیت المال کی ایک لاکھ درم کی بقایا کا مطالبہ کیا۔ اسد نے جنید کے عمال کو بھی جنہیں عاصم نے گرفتار کر لیا تھا، رہا کر دیا۔ اسد ایک مدبر اور جنگ آزما سپہ سالار تھا۔ خراسان پہنچ کر اس نے ملک میں امن و امان قائم کرنے کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔

سنہ ۱۱۹ھ میں اسد نے ختل پر فوج کشی کی اور ان کے سب سے بڑے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بہ تعداد کثیر مالِ غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد اسد نے ختل کی وادیوں میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ ختل اپنے علاقہ کو چھوڑ کر چین کی طرف نکل گئے۔

خاقان کا قتل | اسی سال اسد کی جوزجان کے قریب خاقان سے مڈبھ

ہوئی۔ خاقان کے ساتھ حارث بن سریج بھی تھا۔ اسد نے خاقان کو شکست فاش دی اور تین فرسخ تک اس کا تعاقب کیا۔ بیشمار ترک قتل ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ اسد اپنے مستقرِ حکومت بلخ میں واپس آگیا اور خاقان اپنے علاقہ میں چلا آیا۔ خاقان نے پھر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس مقصد کے لیئے پانچ ہزار مجردوں سے حارث بن سریج کی مدد کی مگر اسی دوران میں اتفاقاً خاقان اور مشہور ترک سردار "کورصول" کے درمیان نرد کھیلتے ہوئے لڑائی ہو گئی کورصول نے خاقان کا ہاتھ توڑ دیا۔ خاقان نے قسم کھائی کہ وہ کورصول کو قتل کر کے رہیگا۔ کورصول کو خاقان کی اس قسم کی اطلاع ہوئی تو اس نے شبخون مار کر خاقان کو قتل کر دیا۔ خاقان کے قتل سے ترکوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور ان میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اسد نے ہشام کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے درگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا ۱۲۰ھ میں اسد نے بلخ میں وفات پائی۔

اسی سال ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ کو اس کے مخالفوں کی ایک سازش کی بنا پر معزول کر دیا۔ اور اس کی بجائے یوسف بن عمر ثقفی کو جو یمن کا عامل تھا۔ والیِ عراق مقرر کیا۔ یوسف بن عمر نے عراق پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خالد اور اس کے عمال کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ یوسف نے نصر بن سیار کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔

نصر بن سیار | نصر بن سیار بھی ایک مدبر عادل اور شجاع افسر تھا۔ اس نے

آتے ہی مظالم کی تحقیقات کا انتظام کیا معلوم ہوا کہ تیس ہزار مسلمان ایسے ہیں جن سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے اور اسی ہزار غیر مسلم ایسے ہیں جن کا جزیہ معاف کر دیا گیا ہے اس نے اس بدعنوانی کا ایک ہفتہ کے اندر اندر انسداد کر دیا، پھر اس نے خراج کی بدنظمی کو دور کیا۔ اندرونی اصلاحات سے فارغ ہو کر اس نے ترکوں کے علاقوں پر پے در پے فوج کشی کی۔

کورصول کا قتل

۱۲۰ھ میں جب نصر تیسری مرتبہ جہاد کے لیے شاش کی طرف نکلا تو اتفاقاً ترکوں کا سالار اعظم کورصول جو بیشتر مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر چکا تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ نصر نے اسے قتل کرا کر دریا کے کنارے منظرِ عام پر لٹکا دیا۔ کورصول کے قتل سے ترکوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اس کے ماتم میں اپنے کان کاٹ لیے اور اپنے گھوڑوں کی دم کے بال تراش دیے اور اپنے گھروں کو آگ لگا کر نکل گئے۔

حارث بن سریج کی غدارانہ سرگرمیاں برابر جاری تھیں۔ اس معرکہ میں بھی وہ کورصول کے ساتھ تھا۔ یوسف بن عمر نے نصر کو لکھا کہ وہ اس کا تدارک کرے۔ نصر نے یحییٰ بن حصین کو حارث کے استیصال کے لیے شاش روانہ کیا۔ حارث ایک ترک سردار اخرم کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا۔ اخرم جنگ میں قتل ہوا اور ترک میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس ہزیمت کے بعد فرمانروائے شاش نے نصر کو صلح کا پیغام بھیجا۔ نصر نے اس شرط پر قبول کر لیا کہ حارث کو شاش سے نکال دیا جائے۔ حارث شاش سے نکل کر فاریاب آیا اور آخر کئی سال بعد اپنی حرکات پر نادم ہو کر ۱۲۷ھ میں مسلمانوں سے آملا۔

شاش سے فارغ ہو کر نصر فرغانہ کی طرف بڑھا۔ والیِ فرغانہ نے نصر سے صلح کر لی اور اپنی ماں کو جو ایک مدبر عورت تھی شرائط کی تکمیل کے لیے نصر کے پاس بھیجا۔

آرمینیہ و آذربیجان

آرمینیہ و آذربیجان کے علاقہ بھی برسوں مسلمانوں اور ترکوں کا میدان جنگ بنے رہے یہاں کا والی جراح بن عبداللہ حکمی تھا۔ جراح نے بلنجر تک فتوحات حاصل کیں ۱۰۷ھ میں ہشام نے جراح کو معزول کر کے مسلمہ بن عبدالملک کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ مسلمہ نے حارث بن عمر طائی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ حارث نے ترکوں کے بہت سے شہر فتح کر لیے اور ان پر اپنی دھاک بٹھا دی۔

۱۰۹ھ میں مسلمہ بنفس نفیس باب اللان سے ترکی علاقہ میں بڑھا۔ خاقان بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور خاقان نے فرار اختیار کیا۔

۱۱۱ھ میں ہشام نے مسلمہ کو معزول کر کے پھر جراح بن عبداللہ کو مامور کیا۔ جراح نے تفلس کی طرف سے بلاد خزر پر حملہ کیا۔ مدینہ بیضا مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوا اور جراح سالم و غانم لوٹا۔

مسلمانوں کی واپسی کے بعد خزر نے مسلمانوں سے مقابلہ کی زور شور سے تیاری کی۔ علاقہ لان سے ترک بھی ان کے ساتھ آملے۔ جراح نے آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ مرج اردبیل میں نہایت ہولناک جنگ ہوئی جس میں جراح بن عبداللہ حکمی کام آئے۔

جراح کے قتل سے ترکوں کے ولولے بڑھ گئے۔ انہوں نے اسلامی علاقہ کی طرف رخ کیا اور موصل کے قریب پہنچ گئے۔ ترکوں کا یہ اقدام مسلمانوں کے لیئے بڑا خطرناک تھا۔ ہشام کو خبر ہوئی تو اس نے سعید حرشی کو ترکوں کے مقابلہ کے لیئے بھیجا۔ اور دوسرے مسلمان افسروں کو اس کی مدد کا حکم دیا۔ سعید ترکوں کے مقابلہ کے لیئے آگے بڑھے، ارزن پہنچے تو وہاں جراح کے باقی ماندہ ہمراہی اُن کے ساتھ ہو گئے۔ پھر خلاط پہنچے اور اسے بزور شمشیر فتح کیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کرتے ہوئے برزعہ پہنچ گئے۔

خاقان کا بیٹا اس وقت ورثان کا محاصرہ کیئے پڑا تھا حرشی نے ورثان کے محصور مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ صبر و استقامت سے کام لیں ہم جلد پہنچتے ہیں خاقان کے بیٹے کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ محاصرہ اٹھا کر چلا گیا۔ حرشی نے بلا مقابلہ شہر پر قبضہ کر لیا۔

ورثان سے حرشی اردبیل آیا، وہاں سے باجروان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریب ہی دس ہزار کی تعداد میں خزر کا لشکر خیمہ زن ہے اور ان کے ساتھ پانچ ہزار مسلمان قیدی بھی ہیں۔ حرشی نے راتوں رات چل کر پو پھٹتے خزر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ خزر اس ناگہانی مصیبت کی تاب نہ لا سکے سب مقتول ہوئے اور مسلمان قیدیوں نے رہائی پائی۔

اس شکست کے بعد پھر خزر نے اپنی قوت مجتمع کی۔ حرشی بھی اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھا، برزند کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا سخت ہولناک جنگ ہوئی قریب تھا کہ مسلمانوں کے قدم لڑکھڑا جائیں مگر خزر کے ساتھ جو مسلمان

قیدی تھے اُنہوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔ مسلمانوں کو جوش آیا اور پھر جو پلٹ کر حملہ کیا تو دشمنوں کو میدان سے بھگا کر چھوڑا۔ اس لڑائی میں مسلمان قیدیوں کے علاوہ بہت کچھ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اس کے بعد خزر نے اپنی منتشر قوت جمع کی اور اپنے شہزادہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ نہر بیلقان پر سخت جنگ ہوئی۔ فریقین نے بڑی بہادری دکھائی۔ آخرکار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ خزر کے بہت سے ساتھی مقتول ہوئے اور باقی دریا میں غرق ہو گئے۔ حرشی نے مالِ غنیمت کا خمس اور فتوحات کی اطلاع ہشام کو بھیجی۔ ہشام نے اظہارِ خوشنودی کیا۔

۱۱۲ھ میں ہشام نے سعید حرشی کو واپس بلا لیا اور اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو دوبارہ والی آرمینیہ و آذربیجان مقرر کر کے بھیجا۔ مسلمہ نے آتے ہی خاقان کے علاقہ میں اسلامی فوجیں پھیلا دیں۔ بہت سے شہر اور قلعے فتح کیے۔ بہت سے ترک قید کیے اور ماورائے بلنجر کے تمام علاقہ پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

اسی دوران میں خاقان کا لڑکا مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ خزر اور دوسرے قبائل جوشِ انتقام میں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گئے۔ اس وقت ترکوں کی تعداد بے اندازہ تھی۔ مسلمہ اس وقت بلنجر کو پار کر چکا تھا۔ وہ تدبیر سے اپنی فوج کو خطرہ سے نکال کر بسرعت تمام باب الابواب لوٹ آیا۔ مسلمہ نے جو کچھ کیا وہ اگرچہ عین مصلحت تھا تاہم اسے اس کی کمزوری پر محمول کیا گیا، چنانچہ ۱۱۴ھ میں ہشام نے مسلمہ کو واپس بلا لیا اور مروان بن محمد

کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ مروان بن محمد ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر بلاد خزر میں داخل ہوا اور تمام علاقہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک روند ڈالا بہت سے شہر فتح کیے۔ بہت سے قلعوں پر قبضہ کیا اور سریر، تومان، زریگران، حمزین، سندان، لکز اور شروان کے فرمانرواؤں سے طوعاً و کرہاً اطاعت کا وعدہ لیا اور خراج مقرر کیا۔ الغرض مروان بن محمد نے آرمینیہ و آذربیجان کے تمام علاقہ میں اسلامی طاقت کی دھاک بٹھا دی، بحر خزر کے کنارے کے تمام شہر مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گئے اور ملک خزر ذلت کے ساتھ سرحدی علاقہ کی طرف بھاگ گیا۔[1]

ایشائے کوچک

بلاد اسلامیہ کی حدود شمالیہ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان برابر چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ چونکہ یہاں عظیم الشان رومی سلطنت سے مقابلہ کا معاملہ تھا اس لیے خلفاء کی توجہ اس طرف بہت تھی "شواتی" اور صوائف کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ اور ان فوجوں کے سالار اکثر نامور فوجی افسر اور خاندان شاہی کے ممتاز اراکین منتخب کیے جاتے تھے۔ مروان بن محمد، مسلمہ بن عبدالملک، معاویہ بن ہشام اور سلیمان بن ہشام نے اس نواح میں اسلامی جرأت و بسالت کے بے نظیر نمونے پیش کیے۔ قونیہ، اخرشنہ، قیساریہ اور دوسرے بہت سے شہر اور قلعے رومیوں سے چھین کر ان کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بٹھا دی۔

ان کے علاوہ عبداللہ بطال اور عبدالوہاب بن بخت دو جانباز افسروں نے اپنی جانبازی سے دشمنوں کو حیران کر دیا۔

---

[1] یہ تمام واقعات ابن اثیر کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں۔

عبداللہ بطال نے رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ اس کی بہادری کے افسانے اس علاقہ میں زبان زد ہو گئے تھے۔ خود عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ رومی علاقہ میں چپکے سے کسی گاؤں میں پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک ماں اپنے بچہ کو یہ کہہ کر رونے سے منع کر رہی ہے "بچہ اگر تو روتا رہا تو میں بطال کو بلا لونگی۔ جب بچہ روتا ہی رہا تو ماں نے اسے گہوارہ سے نکال کر کہا "لے بطال اسے لیجا" بطال فوراً گھر میں داخل ہو گئے اور بچہ کو گود میں لے لیا۔ ماں حیران رہ گئی۔

عبدالوہاب بن بخت ایک ممتاز تابعی مجاہد تھے، وہ رومی معرکوں میں بطال کے ساتھ رہتے تھے سنہ ۱۱۳ھ میں کسی لڑائی میں بطال کے ساتھیوں نے رومیوں کے مقابلہ میں کمزوری دکھائی اور بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عبدالوہاب اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان میں پہنچ گئے۔ پھر چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا "بہادرو! ادھر آؤ جنت کا راستہ یہ ہے۔ افسوس کیا تم جنت کے راستہ سے منہ موڑتے ہو" پھر بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔[۱]

ان دونوں کی بہادری کے متعلق اور بہت سے واقعات مشہور ہیں، جن میں سے بعض مبالغہ آمیز ہیں۔

علاوہ ازیں حکومتِ اسلامیہ کے بحری بیڑے بھی، بحری راستہ سے حدود روم میں حملہ کرتے رہتے تھے، ہشام کے زمانہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خدیج امیر البحر تھا اور عبداللہ بن عقبہ افواج بحریہ کا ایک ممتاز افسر۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۳۳۰، ۳۲۱۔

شہادت زید بن علی

بنو ہاشم امر خلافت میں بنو امیہ کے پرانے حریف تھے تاہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں جو لرزہ انگیز سلوک ہوا اس نے بنو ہاشم کو عرصہ تک مہر بلب رکھا حضرت امام زین العابدین علی بن حسینؓ جنہوں نے غیروں کی جفا کاری اور اپنوں کی غداری کے ہوشربا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، انہوں نے "تختِ خلافت" کا خیال بھی کبھی دل میں نہ آنے دیا لیکن نئی نسل کے دل میں یہ جذبہ جفتہ پھر بیدار ہوا اور حصولِ خلافت کی آرزو دل سے نکل کر کبھی کبھی بالوں پر بھی آنے لگی۔

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں خانوادۂ نبوت کے ایک بزرگ حضرت زید بن علی بن حسینؓ بھی اسی قسم کی آرزو کا اظہار کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے ایک خاندانی وقف سے متعلق نزاع کے سلسلہ میں دمشق گئے خلیفہ ہشام نے ان سے ان کے درجہ کے مطابق سلوک نہ کیا۔ کچھ عرصہ تک تو اس نے انہیں ملاقات کا موقع ہی نہ دیا، جب ملاقات کے لیے بلایا تو ایک بلند بالاخانہ پر طلب کیا۔ زید بن علی فربہ جسم کے آدمی تھے انہیں چڑھنے میں کافی تکلیف ہوئی۔ بہرکیف گفتگو شروع ہوئی۔ امام زید نے دورانِ گفتگو میں کسی بات پر قسم کھائی۔ ہشام نے کہا "میں تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتا" امام زید نے فرمایا "اے ہشام اس قدر مغرور نہ ہو، دنیوی عزت و ذلت خدائے تعالیٰ کی رضامندی یا نارضامندی کی دلیل نہیں"۔ اس پر ہشام برافروختہ ہوا اور اس نے کہا "اے زید مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کی آرزو رکھتے ہو، حالانکہ تم ایک باندی

کی اولاد ہو" زید نے جواب دیا "حضرت اسمٰعیلؑ باندی کے بطن سے تھے اور اُن کے بھائی حضرت اسحٰقؑ وغیرہ آزاد عورت کے بطن سے، لیکن خدا نے انہیں ان کے بھائیوں پر فضیلت دی اور خاتم الانبیاء صلعم کو ان کی اولاد میں پیدا کیا۔ اس سے زیادہ کسی شخص کی کیا عزت ہو سکتی ہے کہ اس کے نانا جناب رسول صلعم ہوں اور اس کے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ"

اس گفتگو کے بعد ہشام نے ان کو مجلس سے چلے جانے کا حکم دیا۔

زید بن علی شام سے کوفہ آئے، اہل کوفہ اپنی پرانی عادت کے مطابق خفیہ طور پر اُن سے ملتے اور اپنی امداد و حمایت کا یقین دلا کر دعوائے خلافت پر اُبھارتے۔ انہوں نے اپنے چچیرے بھائی ابوجعفر سے مشورہ کیا۔ ابوجعفر نے کہا "اہل عراق کا ہرگز اعتبار نہ کیجیے انہوں نے ہمارے باپ اور دادا کو دھوکہ دیا" مگر زید آخر کوفیوں کے جال میں شکار ہو گئے۔ پندرہ ہزار کوفیوں نے خفیہ طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور ایک تاریخ حکومت کے خلاف خروج کے لیے مقرر کی گئی۔

یوسف بن عمر والیِ عراق کو وقت سے پہلے اس سازش کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے عامل کوفہ کو سختی سے شورش دبانے کے احکام بھیجے مبایعین زید پر جب حکومت کی طرف سے سختی ہوئی تو انہوں نے امام سے ایک حیلہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ وہ امام زید کے پاس پہنچے اور ان سے سوال کیا "آپ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ امام زید نے کہا: "اللہ انہیں اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے میں نے اپنے بزرگوں کو ان سے

حق میں کلمات خیر کہتے سنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اہل بیت نبوی خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ ان بزرگوں نے اپنے آپ کو اہل بیت پر ترجیح دی تاہم یہ کوئی کفر و اسلام کا معاملہ نہیں۔ انہوں نے اپنے عہد میں عدل سے کام لیا اور کتاب و سنت پر عمل کیا۔

کوفی بولے "پھر ہم بنو امیہ سے کیوں لڑیں، ان کی حالت بھی یہی ہے"۔
امام زید نے جواب دیا: "ان کی صورت ان سے مختلف ہے۔ یہ اپنے نفس پر اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کی دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں، تمہیں میری مدد کرنا بہتر ہے"۔

مگر یہ لوگ تو اپنے سر سے اُلّو اُتارنے کے لیے آئے تھے یہ کہہ کر چل دیئے "اگر آپ کے یہی خیالات ہیں تو ہم آپ سے بے تعلق ہیں"۔ آخر جس رات خروج کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ رات آگئی۔ کل دو سو اٹھارہ آدمی امام زید کے ساتھ میدان میں نکلے۔ ادھر یوسف بن عمر خود جمعیت کثیر لے کر مقابلہ کے لیے آگیا۔ زید کی مختصر جماعت نے جانبازی سے مقابلہ کیا۔ آخر ایک تیر امام کی پیشانی پر آکر لگا اور اس نے آپ کا کام تمام کر دیا۔

یوسف بن عمر نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کی لاش کو قبر سے نکلوا کر سولی پر آویزاں کیا۔[1]

دعوت عباسیہ حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کے علاوہ بنو ہاشم کے دو دوسرے گھرانے بھی خلافت کے خواہشمند تھے۔ یہ گھرانے حضرت

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۱۔

علیؓ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ اور حضرت عباس ابن ابی طالب کے گھرانے تھے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عبدالملک کے زمانہ میں مختار ثقفی اور بعض شیعان علیؓ نے حضرت زین العابدینؓ کے انکار کے بعد محمد بن حنفیہ کو منصب امامت پر فائز کیا تھا۔ اگرچہ بعد میں محمد بن حنفیہ نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی لیکن ان کے حامی انہی کو امام تسلیم کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ ابو ہاشم عبداللہ کو ان کا جانشین تجویز کیا گیا۔

اگرچہ حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم، رسول اللہ صلعم کے ولی اقرب تھے تاہم آپ نے اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ بن عباس نے کبھی خلافت کی آرزو نہیں کی لیکن حضرت عباس کے پوتے علی بن عبداللہ بن عباس کے دل میں یہ خواہش موجود تھی۔ یہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر حمیمہ نامی ایک گاؤں میں جو حکومت کی طرف سے ان کو جاگیر میں دے دیا گیا تھا رہتے سہتے تھے۔ سنہ ۹۸ھ میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لیے دارالخلافہ دمشق گئے۔ سلیمان یوں تو ان سے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا مگر ان کے علم و فضل اور ان کی فصاحت و طلاقت کو دیکھ کر اسے ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔ اور جب دمشق کی حدود سے نکل گئے تو انہیں زہر دلوا دیا۔ ابو ہاشم اپنی حالت کو خطرناک دیکھ کر حمیمہ میں علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں اتر گئے اور یہیں اُن کا انتقال ہوا۔ مرنے سے پہلے ابو ہاشم نے علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹے محمد کو اپنا جانشین بنا لیا اور اپنے حامیوں کو ان کی حمایت و نصرت کی وصیت کی۔

ابو ہاشم کی وصیت سے محمد بن علی کو بڑی مدد ملی۔ فرقہ کیسانیہ (حضرت محمد بن حنفیہ کے اتباع) نے جس کی تعداد عراق و خراسان میں بہت کافی تھی ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور امامت کا منصب اس طرح علویین سے عباسیین کے خاندان میں منتقل ہوگیا۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ایک مدبر و منتظم شخص تھے۔ انہوں نے تحریک امامت کا ایک نظام قائم کیا۔ کوفہ اور خراسان کو تحریک کا مرکز قرار دیا گیا۔ کوفہ اس لیئے کہ وہ شیعیان علی کا پرانا گہوارہ تھا۔ خراسان اس لیئے کہ شاہان عجم کے دستور کے مطابق وہاں کے لوگ خلافت میں وراثت کے اصول کو آسانی سے قبول کرسکتے تھے اور سلطنت سے محروم ہو جانے کے بعد ہر انقلاب کو اپنے لیئے تقدیر آزمائی کا ایک موقع تصور کرتے تھے۔

کوفہ کا قائم بالامر محمد بن علی کا خانہ زاد غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان کا ابو محمد صادق۔ محمد بن خنیس اور حیان عطار کو ابو محمد کا مددگار تجویز کیا گیا۔ ابو محمد نے بارہ کارآزمودہ داعیوں کو خراسان میں تحریک کا نقیب مقرر کیا۔ اور ان نقباء کی "مجلس خصوصی" کے ماتحت ستر داعیوں کی "مجلس عمومی" مقرر کی۔ محمد بن علی نے تحریک کو ہمہ گیر اور مؤثر بنانے کے لیئے مناسب قواعد بنائے اور وہ طریق کار تجویز کیا جس سے اس کا راز افشا نہ ہونے پائے۔

غرض بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیئے یہ تحریک نہایت نظم و ضبط کے ساتھ خفیہ طور پر شروع ہوگئی۔ بنی عباس کے داعی تاجروں اور مبلغوں کا بھیس بدل کر تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے اور بنی امیہ کے مظالم اور

بنو عباس کے حقوق کی تشہیر شروع کردی۔ خوش قسمتی سے انہیں شروع میں حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے نیک نہاد اور رحم دل خلیفہ کا زمانہ میسر آگیا۔ آپ کے اوصاف سے اُنہوں نے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور آپ کے عہد میں اس تحریک نے بلا مزاحمت نشو ونما پائی۔

یزید بن عبدالملک کے عہد میں امیر خراسان "سعید خذینہ" نے اس جماعت کے کچھ لوگوں کو مشتبہ سمجھ کر گرفتار کرلیا۔ مگر ان لوگوں نے کہا ہم تو تجارت پیشہ ہیں ہم کو سیاسیات سے کیا تعلق؟ امیر نے کچھ معززین کی ضمانت لے کر ان کو رہا کردیا۔

ہشام کے زمانہ میں بکیر بن ماہان اور دوسرے متمول لوگوں کی شرکت سے اس تحریک کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ اسد بن عبداللہ قسری نے اپنے عہد امارت میں متعدد داعیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا مگر اس سختی سے کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ تحریک کے علمبرداروں میں قربانی کا جذبہ ابھر گیا، اور تحریک کا سلسلہ جاری رہا۔

بکیر بن ماہان نے جو میسرہ کے مرنے کے بعد کوفہ کا قائم بالامر منتخب ہوگیا تھا، جب محمد بن علی کو ان قربانیوں کی اطلاع دی تو وہاں سے جواب آیا:۔

"الحمدللہ کہ تمہاری دعوت اور تمہارے پیغام کی صداقت ظاہر ہوگئی۔ ابھی یہ دعوتِ حق مزید قربانیوں کی طلبگار ہے"۔[1]

۱۲۵ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے اپنے بیٹے ابراہیم

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۵۱۔

کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ امام ابراہیم نے بھی اس تحریک کو پوری قوت سے جاری رکھا۔ ان کے عہد کے آغاز میں اس تحریک میں مشہور داعی ابومسلم خراسانی شریک ہوا۔ ابومسلم نے وقت کے مساعد حالات اور اپنی دماغی صلاحیتوں سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ اور اس خاموش تحریک کو ہنگامہ خیز انقلاب میں بدل دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئیگی۔

ولی عہدی یزید بن عبدالملک نے اپنے بعد ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا۔ ہشام نے ولید کو محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا۔ بعض امرار کی مخالفت کی وجہ سے ہشام کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ البتہ ہشام اور ولید کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ولید علاقہ اردن میں اپنی جاگیر میں چلا گیا اور ہشام کی موت تک وہیں مقیم رہا۔

وفاتِ ہشام ۶۔ ربیع الثانی ۱۲۵ھ کو ہشام بن عبدالملک نے رصافہ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر تقریباً پچپن سال تھی۔ مدتِ خلافت کچھ کم بیس سال ہوئی۔

سیرت ہشام بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک بنی اُمیہ کے ان تین ممتاز ترین خلفاء میں تھا جنہوں نے اپنے تدبر و سیاست کا نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دیا۔ ان تینوں میں سے پہلے حضرت معاویہ تھے جنہوں نے اموی حکومت کی داغ بیل ڈالی

دوسرا عبدالملک تھا جس نے اس کی گرتی ہوئی دیواروں کو دوبارہ تھام لیا۔ تیسرا یہ خود تھا، جس نے اس کی عمارت کو تکمیل تک پہنچا دیا۔

علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ "ہشام دوربین، کفایت شعار، تیز فہم اور باتدبیر بادشاہ تھا۔ سلطنت کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات اس کی نگاہوں سے مخفی نہ رہتے تھے۔ بردباری اور تحمل اس کی امتیازی صفات تھیں" [۱]

خوش قسمتی سے اسے بیس سال کا طویل زمانۂ حکومت میسر آیا۔ اس نے اپنی ان صفات سے کام لے کر حکومت امویہ کے آفتاب اقبال کو نصف النہار تک پہنچا دیا۔

ہشام کی انتظامی قابلیت کے دشمن بھی قائل ہیں۔ عبداللہ بن علی عباسی کہتا ہے "میں نے بنی امیہ کے تمام خلفاء کے دفاتر کی جانچ پڑتال کی مگر ہشام کے دفاتر راعی اور رعایا کے حق میں سب سے بہتر پائے۔"

وہ اپنے عمال کی پوری نگرانی رکھتا تھا۔ مدائنی کہتا ہے "بنو امیہ کا کوئی خلیفہ ہشام سے زیادہ عمال حکومت اور دفاتر حکومت کی نگرانی کرنے والا نہ تھا"۔ مالیات کے سلسلہ میں اس کی پالیسی بہت سخت تھی۔ مسرفانہ اخراجات کو وہ قطعاً روا نہ رکھتا تھا بلکہ جائز اخراجات میں جزرسی سے کام لیتا تھا۔ اس تشدد کی وجہ سے لوگوں میں وہ بخیل مشہور ہو گیا تھا۔

اس کی اپنی معاشرت بھی بہت سادہ تھی۔ معمولی کپڑے پہنتا تھا اور معمولی غذا کھاتا تھا۔ عقال بن شبہ کہتے ہیں: جب ہشام نے مجھے خراسان

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۳۵۱۔

کی طرف بھیجنے کے لیے بلایا تو میں نے اسے ایک سبز سوتی قبا میں ملبوس دیکھا مجھے یاد آیا کہ ولی عہدی کے زمانہ میں بھی میں نے اسے یہی قبا پہنے دیکھا تھا۔ ہشام میری نگاہوں کو تاڑ گیا اور کہنے لگا "کیا بات ہے؟" میں نے کہا ولی عہدی کے زمانہ میں میں نے آپ کو ایسی ہی قبا پہنے دیکھا تھا، یہ وہی تو نہیں ہے؟ ہشام نے قسم کھا کر کہا۔ یہ وہی قبا ہے، میرے پاس اس کے سوا کوئی اور قبا نہیں ہے[1]

اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی وہ بہت سادہ مزاج تھا۔ شاہانہ غرور و تمکنت اس کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ اپنی غلطی کو وہ بے تامل تسلیم کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی معزز شخص کو گالی دے بیٹھا۔ اس شخص نے بگڑ کر کہا "خلیفۂ وقت ہو کر آپ کو گالی دیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا تم مجھ سے اس زیادتی کا بدلہ لے لو۔ معزز شخص نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بھی تم جیسا کمینہ ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا تو کچھ مال لے کر معاف کر دو۔ اس شخص نے جواب دیا۔ یہ بھی میں نہیں کر سکتا۔ اس پر ہشام نے کہا۔ تو خدا کے واسطے معاف کر دو۔ وہ شخص کہنے لگا یہ منظور ہے۔ میں خدا کے واسطے اور تمہارے واسطے معاف کرتا ہوں۔ یہ سن کر ہشام نے اپنی گردن جھکا لی اور ندامت کے ساتھ کہا "واللہ آئندہ ایسی حرکت نہ ہوگی[2]

عیش و عشرت سے اسے لگاؤ نہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے باپ کو لکھا میرے محل میں سو نازک بدن و خوش جمال کنیزیں ہیں مگر میں کسی سے متمتع نہیں

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۷ [2] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۷

ہوتا۔ اسی طرح رقص و سرود اور لہو و لعب سے اُسے نفرت تھی جس کسی کو اس میں مبتلا پاتا اُسے سخت سزا دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو اس جرم میں اس کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ مے نوشی و عیش کوشی کا شغل رکھتا ہے۔ ہشام نے حکم دیا کہ اس کا طنبورہ اس کے سر پر توڑ دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی تو وہ شخص رونے لگا۔ ہشام نے کہا صبر سے کام لو۔ وہ شخص بولا کہ میں تکلیف کے سبب نہیں رو رہا، بلکہ اس بد ذوقی پر رو رہا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔[1]

عقیدہ و عمل کے لحاظ سے بھی ہشام ایک سچا اور پکا مسلمان تھا۔ ایک دن نماز جمعہ میں اس نے اپنے کسی بیٹے کو غیر حاضر پایا تو اس سے باز پُرس کی۔ شہزادہ نے عذر کیا کہ میری سواری ناکارہ ہو گئی تھی۔ ہشام نے کہا کیا پیدل نہیں آسکتے تھے۔ پھر ایک سال کے لیے سواری استعمال کرنے کی شہزادہ کو ممانعت کردی۔[1]

رومی و ایرانی اقوام کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے اور مفتوح قوموں سے مسلمانوں کے ملنے جلنے کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے عقائد میں پہلی سی سادگی اور پختگی رہنی مشکل تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے ہشام کے زمانہ میں جعد بن درہم نے عقیدہ "خلق قرآن" کا اظہار کیا۔ ہشام نے امیر عراق خالد بن عبداللہ قسری کے ذریعہ اسے عین بقرعید کے دن قتل کرادیا۔[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۳۵۲ ۔ [2] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶ و ۹۹

اسی طرح غیلان بن یونس نے سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں قدریہ خیالات کا اظہار کیا تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سمجھانے سے اس نے توبہ کر لی تھی۔ ہشام کے زمانہ میں اس نے پھر اپنے خیالات کا اعادہ کیا۔ ہشام نے اُسے بھی قتل کرا دیا[1]

ہشام کے زمانہ میں بڑے بڑے حوادث پیش آئے مگر مشرق اور مغرب میں اسلام کا جھنڈا ہمیشہ اونچا رہا۔ ترکستان اور آذربیجان میں ترک و تاتار کی کمر توڑ دی گئی۔ سندھ میں بغاوت ہوئی تو اس کا سختی سے استیصال کیا گیا اور مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کر کے انہیں محفوظ کر دیا گیا۔ ایشیائے کوچک میں بہت سے قلعے مسلمانوں نے رومیوں کے ہاتھ سے چھین لیے۔ شمالی افریقہ میں بربریوں نے سر اُٹھایا تو انہیں دبا دیا گیا۔ اندلس میں نظم و نسق کو درست کیا گیا اور وہاں سے کئی بار فرانس پر حملے کیے گئے۔

الغرض ہشام کا دور ہر اعتبار سے کامیاب دور کہا جا سکتا ہے مگر افسوس کہ یہ اموی حکومت کے چراغِ سحری کی جس کا روغن آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا، آخری لپک تھی۔

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶۔

ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک

سنہ ۱۲۵ھ تا سنہ ۱۲۶ھ

ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان اپنے باپ یزید بن عبد الملک کی وصیت کے مطابق، ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی سنہ ۱۲۵ھ میں اردن میں تخت نشین ہوا۔

ولید ایک عیش پسند اور آوارہ مزاج نوجوان تھا اسے نغمۂ شیریں اور بادۂ رنگین کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی ہشام نے پہلے تو اسے درست کرنے کی کوشش کی مگر جب یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو اسے ولیعہدی سے محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولیعہد بنانا چاہا۔ ابھی یہ تجویز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ ہشام نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ہشام کے اس اقدام سے ولید اس سے کھٹک گیا۔ وہ دار الخلافہ چھوڑ کر اپنی جاگیر اردن میں ایک چشمہ کے کنارے جا بسا۔ ولید کو یہیں ہشام کی موت کی خبر ملی سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ عباس بن عبد الملک بن مروان کو حکم دیا کہ فوراً رصافہ جا کر ہشام کے اہل و عیال کو نظر بند اور اس کے مال و منال پر قبضہ کرلے۔ البتہ اس نے مسلمہ کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کی ہدایت کی کیونکہ وہ اپنے باپ کے ساتھ متفق الرائے نہ تھا۔ عباس بن عبد الملک نے رصافہ پہنچ کر ولید کے احکام کی تعمیل کی۔

ولید نے ارکان دولت و امراء حکومت کو بھی نہ چھوڑا جو ولید کی برطرفی کی کوشش میں ہشام کے مددگار رہتے۔ ولید نے ان سے سخت انتقام لیا اور ان کی تذلیل و تحقیر میں کسر اٹھا نہ رکھی۔

ہشام کے دونوں ماموؤں محمد اور ابراہیم کو پابزنجیر کر کے دمشق طلب کیا وہاں ان کے کوڑے لگائے گئے۔ پھر انہیں یوسف بن عمر والیِ عراق کے پاس عراق بھیج دیا۔ یوسف نے انہیں سخت عذاب دے کر قتل کر دیا۔

سلیمان بن ہشام کو گرفتار کر کے اس کے سو کوڑے لگائے گئے۔ اور اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال مونڈ کر اُسے عمّان کی طرف جلا وطن کر دیا گیا یزید بن ہشام کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا مروح بن ولید اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی گئی۔ ولید کی اولاد میں سے بھی کئی ایک قید خانہ میں ڈال دیئے گئے۔

خالد بن عبداللہ قسری سابق والیِ عراق یمنی قبائل کا ممتاز سردار تھا۔ ولید نے اسے حکم بھیجا کہ اس کے بعد اس کے دونوں بیٹوں حکم اور عثمان کی ولی عہدی کی بیعت کرے۔ خالد نے انکار کیا تو ولید نے اس کے عصبی دشمن یوسف بن عمر ثقفی نزاری کے حوالہ کر دیا۔ یوسف بن عمر نے اسے برہنہ کر کے ایک چادر اڑھا دی اور ہولناک عذاب دے کر قتل کر دیا۔[۱]

خالد کے ساتھ اس سنگدلانہ برتاؤ سے اہل یمن اور قضاعہ میں سخت برہمی پھیل گئی، حالانکہ یہی قبائل بنو امیہ کے دست و بازو تھے۔

---

[۱] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۲۔

یحییٰ بن زید کا خروج اور شہادت

۱۲۵ھ ہی میں یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ اپنے والد زید بن علی کی شہادت کے بعد خراسان چلے آئے تھے اور بلخ میں اپنے ایک متوسل حریش بن عمر کے ہاں مقیم تھے۔ یوسف بن عمر والیِ عراق نے حاکم خراسان نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کر لو۔ نصر نے حریش کو طلب کر کے یحییٰ کی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی مگر جب نصر نے سختی کی تو حریش کے بیٹے نے یحییٰ کا پتہ بتا دیا اور نصر نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ولید کو یحییٰ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو اس نے نصر کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ انھیں خراسان سے شام بھیج دو۔

نصر نے یحییٰ کو دو ہزار درہم دے کر انھیں شام روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ یحییٰ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ابھی وہ بیہق ہی پہنچے تھے کہ انھیں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ان کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ نیشاپور لوٹ گئے اور وہاں خروج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حاکم نیشاپور عمرو بن زرارہ نے نصر کو کل حالات سے مطلع کیا۔ نصر نے اسے مقابلہ کا حکم دیا۔ عمرو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ یحییٰ کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ یحییٰ نے اپنے ستر ساتھیوں سے اسے شکست دیدی۔ عمرو بن زرارہ لڑائی میں کام آیا۔ نصر کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے سالم بن احوز کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا۔ جوزجان میں دونوں کی مڈھ بھیڑ ہوئی سخت

خونریز جنگ ہوئی۔ اتفاقاً ایک تیر یحییٰ کی پیشانی پر آکر لگا۔ یحییٰ شہید ہوئے اور ان کی لاش جوزجان میں منظر عام پر لٹکا دی گئی۔[1]

یزید کی مخالفت محولہ بالا واقعات کی وجہ سے عوام و خواص سب ولید سے بیزار ہو گئے۔ شاہی خاندان کے ارکان نے اس کے خلاف سازش شروع کر دی۔ یزید بن ولید جو اپنے اخلاق و اعمال کی وجہ سے نیک نام تھا، خلافت کے لئے منتخب کیا گیا۔ یمنی قبائل نے جن پر حکومت کی فوجی طاقت کا دارومدار تھا اس کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کرنی شروع کر دی۔

مروان بن محمد بن مروان کو جو اس وقت آرمینیہ میں تھا ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ اس نے سعید بن عبدالملک کو لکھا "لوگوں کو اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے روکو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری خانہ جنگی سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھائیں گے اور حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ سعید کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اس نے مروان کے اس خط کو عباس بن ولید کے پاس بھیج دیا کہ وہ اپنے بھائی یزید بن ولید کو سمجھائے" عباس نے یزید کو بلا کر اسے نشیب و فراز سمجھایا اور خانہ جنگی سے باز آنے کا مشورہ دیا۔ یزید کو اپنی کامیابی پر یقین تھا۔ عباس کے کہنے سے بظاہر تو اس نے اس ارادہ باز آنے کا وعدہ کر لیا، مگر اندرونی طور پر کام میں مصروف رہا۔

قتل ولید جب یزید کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے دارالخلافہ دمشق

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۹۔

پر قبضہ کرلیا۔ ولید اس وقت اغدف مضافاتِ عمان میں مقیم تھا۔ یزید نے عبد العزیز بن حجاج بن عبد الملک کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ ولید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ولید کے پاس کوئی بڑی طاقت نہ تھی۔ مقابلہ کیا مگر جب مایوسی ہو گئی تو میدان کو چھوڑ کر اپنے محل میں آیا اور قرآن کھول کر بیٹھ گیا۔ اسی حالت میں قتل ہوا۔ ولید کا سر کاٹ کر یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ ۱۲۶ھ کا ہے۔ ولید کی خلافت کی مدت صرف ایک سال تین مہینے ہوئی۔

یزید بن ولید بن عبد الملک

اور

ابراہیم بن ولید بن عبد الملک

۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ

یزید بن ولید بن عبد الملک بن مروان، اس کی ماں شاہ آفرید، فیروز بن یزدگرد (شہنشاہ ایران) کی بیٹی تھی۔ ولید کے قتل کے بعد آخر جمادی الآخر ۱۲۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ ولید نے اپنے عہد میں فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ یزید نے اس اضافہ کو منسوخ کر دیا۔ اس لیے "ناقص" کہلایا۔

یزید اگرچہ عابد و زاہد خلیفہ تھا مگر چونکہ اس نے ولید کو قتل کر کے خلافت حاصل کی تھی اور یمنیوں کی فوجی امداد سے حاصل کی تھی اس لیے ولید کے رشتہ داروں کے علاوہ مصری بھی جو یمنیوں کے حریف تھے اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اس طرح یزید کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد ایک طرف قصر شاہی میں مخالفت کے شرارے بھڑک اٹھے اور دوسری طرف ملک میں قبائلی عصبیت کا فتنۂ خوابیدہ بیدار ہو گیا۔

شام کی شورش سب سے پہلے اہل حمص نے مخالفت کا اظہار کیا۔ انہوں نے یزید کی خلافت کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ امیر حمص مروان

بن عبداللہ بن عبدالملک نے ان کی ہمنوائی کی۔

اہل حمص نے معاویہ بن یزید بن حصین کو اپنا سردار بنایا اور یزید کے مقابلہ کے لیئے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے یعقوب بن ہانی اور دوسرے لوگوں کو اہل حمص کی فہمائش کے لیئے بھیجا۔ اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ "مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے، اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو کسی اور کو شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ منتخب کر لو" لیکن اہل حمص نے یزید کی اس پیشکش کو بھی رد کر دیا۔ اور مقابلہ کے لیئے آگے بڑھے۔

یزید نے ان کے مقابلہ کے لیئے سلیمان بن ہشام کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ سلیمان دمشق سے چل کر حوارین میں مقیم ہوا۔ مروان بن عبداللہ نے اہل حمص سے کہا کہ دمشق جانے کی بجائے حوارین پہنچ کر سلیمان کا مقابلہ کرنا چاہیئے اہل حمص نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور مروان کو یزید سے سازباز رکھنے کا الزام لگا کر قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابو محمد سفیانی کو اپنا والی بنایا

اہل حمص دمشق کی طرف بڑھے تو سلیمان بھی ان کے روکنے کے لیئے نکلا۔ مقام سلیمانیہ میں اس نے ان کو جا لیا۔ ادھر یزید نے عبدالعزیز بن حجاج کی سرکردگی میں ایک دوسرا لشکر روانہ کیا۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر اہل حمص کو شکست دیدی اور ان کی بہت بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی۔ اہل حمص نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی۔

کچھ ہی عرصہ بعد اہل فلسطین نے بھی یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انہوں نے سعید بن عبدالملک عامل فلسطین کو نکال کر یزید بن سلیمان

بن عبدالملک کو اپنا عامل مقرر کر لیا۔

اہل اردن کو اہل فلسطین کی بغاوت کی خبر پہنچی تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

یزید نے پہلے تو اہل فلسطین کے لیڈروں کو انعام و اکرام دے کر توڑ لیا جب اہل اردن تنہا رہ گئے تو سلیمان بن ہشام کو ایک لشکر گراں دے کر ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا سلیمان کے مقابلہ کی اہل اردن تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر اپنے گھروں کی راہ لی۔

عراق و خراسان کی شورش یہ تو ملک شام کے حالات تھے۔ عراق و خراسان کی فضا میں بھی فتنہ و فساد کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔

یزید نے یوسف بن عمر کو معزول کر کے منصور بن جمہور کو عراق کی ولایت پر مامور کیا۔ منصور نے عراق میں پہنچ کر یوسف کے زمانہ کے انتظامات کو بدلا اور اپنے بھائی کو خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا۔ نصر بن سیار حاکم خراسان نے جو وہاں بہت ذی اثر تھا اپنے منصب سے دست برداری سے انکار کر دیا۔

ابھی یہ قضیہ چل ہی رہا تھا کہ یزید نے منصور کو حکومت عراق سے معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو بھیجا۔ عبداللہ بن عمر نے نصر کو حکومت خراسان پر بحال کر دیا۔

اسی دوران میں خراسان میں پھر قبائلی عصبیت کا فتنہ خوابیدہ جاگ اٹھا۔ جدیع بن علی ازدی کرمانی جو ایک یمنی سردار اور نصر بن سیار کا پرانا

دوست تھا کسی بات پر نصر سے بگڑ بیٹھا، یمنی قبائل اس کی حمایت کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے اس پر مضری قبائل نصر کی مدد کے لیئے تیار ہو گئے۔ نصر نے کسی بہانہ سے کرمانی کو قید کر دیا۔ کرمانی کے حامی اُسے قید خانہ سے نکال لائے۔ کرمانی کے فرار کے بعد نصر نے اسے منانے کی کوشش کی، مگر اس نے نصر پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا اور نصر کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں کرمانی نے ربیعہ اور یمن کے عہد جاہلیت کے پرانے معاہدہ کی تجدید کر کے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

نصر اور کرمانی کے ان اختلافات نے عباسی داعیوں کے لیئے خراسان میں مناسب فضا پیدا کر دی۔ اسی سال ابراہیم بن محمد نے جو اپنے والد کے انتقال کے بعد سلسلہ عباسیہ کے امام مقرر ہوئے تھے ابوہاشم بکیر بن ماہان کو وصیتوں اور ہدایتوں کے ساتھ خراسان بھیجا اس نے مرو پہنچ کر نقباء اور دعاۃ کو جمع کیا۔ محمد بن علی کے بعد ان کے صاحبزادے کی بیعت لی اور فرمانِ امامت انہیں سنایا۔ وابستگان تحریک نے جدید امام سے عقیدت کا اظہار کیا اور ایک معقول رقم ان کی خدمت میں بطور نذر پیش کرنے کے لیئے بکیر کو دی۔[1]

وفات یزید بن ولید

صرف پانچ مہینے بائیس دن تختِ حکومت پر متمکن رہنے کے بعد یزید بن ولید نے مرض طاعون میں ۲۰۔ ذی الحجہ ۱۲۶ھ کو وفات پائی۔

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۱۴

ابراہیم کی جانشینی اور دستبرداری

یزید نے اپنے بعد اپنے بھائی ابراہیم بن ولید کو اور اس کے بعد عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ چنانچہ یزید کے انتقال کے بعد ابراہیم خلیفہ ہوا۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ مروان بن محمد بن مروان والی آرمینیہ ولید کے قتل کے سلسلہ میں یزید سے ناراض تھا۔ چنانچہ یزید کے آخری عہد میں اس نے موقع دیکھ کر جزیرہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ یزید نے مصلحتاً جزیرہ کو اس کی حکومت میں دے کر اس کی مخالفت کو دبا دیا تھا۔

یزید کے انتقال کے بعد مروان بن محمد بن مروان نے ابراہیم کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور اہل جزیرہ کی جمعیت کثیرہ ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ قنسرین اور حمص پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا تو عین الجر پر ابراہیم کے لشکر سے اس کا مقابلہ ہوا۔ مروان نے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ ولید کے دونوں لڑکوں حکم اور عثمان کو جو اس کی قید میں ہیں رہا کر دے تو وہ مقابلہ سے دست بردار ہو جائیگا۔ ابراہیم نے انکار کیا۔ دونوں فریقوں میں خونریز جنگ ہوئی آخر ابراہیم کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور مروان فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا۔ یہ واقعہ ۱۲۷ھ کا ہے۔

مروان ولید کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے دمشق میں داخلہ سے پہلے ہی انہیں قتل کیا جا چکا تھا۔ اس لیے وہ خود تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ ابراہیم بن ولید مروان کی آمد کی خبر سن کر دمشق سے

بھاگ گیا تھا مگر مروان نے اُسے امان دے کر واپس بلا لیا۔

چونکہ ابراہیم کا دورِ حکومت نہایت مختصر رہا اور پھر اس مختصر زمانہ میں بھی اس کی خلافت کو متفقہ طور پر تسلیم نہ کیا گیا، اس لئے مورخین نے اسے مستقل خلیفہ تسلیم نہیں کیا ہے۔

مروان بن محمد بن مروان

سنہ ۱۲۷ھ تا سنہ ۱۳۲ھ

مروان بن محمد بن مروان بن حکم اس کی ماں ایک کردی ام ولد تھی سنہ ... میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ کے بعد جزیرہ آرمینیہ کا والی مقرر ہوا۔ ابراہیم کی شکست اور فرار کے بعد صفر ۱۲۷ھ میں دمشق میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

مروان بہادر، جفاکش، معمر اور تجربہ کار بادشاہ تھا مگر اس نے زمانہ ایسا پایا کہ حکومت امویہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور اس کی تمام صلاحیتیں اس کے منتشر اجزا کو مجتمع کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔

عبداللہ بن معاویہ کا خروج

اس کا تمام عہد حوادث و اضطرابات سے لبریز ہے سب سے پہلے کوفہ میں عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ایک ہاشمی بزرگ نے خروج کیا۔ کوفیوں کی بڑی تعداد ان کے ساتھ ہو گئی، اس زمانہ میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز والی عراق تھے ان کے والد کی بزرگی کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے تھے انہوں نے اپنے اثر و اقتدار سے کام لے کر عبداللہ بن معاویہ کی طاقت کو توڑ دیا۔ کوفی منتشر ہو گئے۔ عبداللہ بن معاویہ اپنی جان بخشی کرا کر عراق عجم کی طرف نکل گئے۔

شام کی بغاوتیں

ملک شام میں جو حکومت کا گہوارہ تھا، جابجا بغاوتیں رونما ہوئیں پہلے حمص میں بغاوت ہوئی۔ مروان بنفس

نفیس وہاں پہنچا۔ خونریز جنگ کے بعد اہل حمص کو مطیع کیا۔ باغیوں میں سے پانچ سو آدمیوں کو شہر کے اطراف میں سولی پر لٹکایا اور شہر کی فصیل کا کچھ حصہ مسمار کر دیا۔ مروان کو حمص ہی میں خبر پہنچی کہ اہل غوطہ نے مجتمع ہو کر دمشق پر حملہ کر دیا ہے۔ اس نے فوراً ابوالورد کی سرکردگی میں دس ہزار کی جمعیت اہل غوطہ کے مقابلہ کے لیے روانہ کی۔ اہل دمشق شہر بند ہو بیٹھے تھے۔ شاہی فوج کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ بھی دروازے کھول کر اندر سے نکل آئے۔ اہل غوطہ شکست کھا کر بھاگے اور ان کا سردار یزید بن خالد بن عبداللہ قسری گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اسی دوران میں اہل فلسطین نے بغاوت کر دی اور ثابت بن نعیم کو اپنا سردار بنا کر طبریہ پر حملہ آور ہوئے۔ مروان نے دمشق سے ابوالورد کو طبریہ جانے کا حکم دیا۔ ابوالورد کے طبریہ پہنچنے سے پہلے ہی اہل طبریہ دشمنوں کو شکست دے کر بھگا چکے تھے۔ ابوالورد نے ان کا تعاقب کر کے ان کے منتشر جتھوں کو شکست دی

سلیمان بن ہشام کی مخالفت

ابھی یہ بغاوتیں فرو ہوئی تھیں کہ دشمنوں نے ایک نیا فتنہ اٹھا کھڑا کیا۔ کچھ مفسد بن سلیمان بن ہشام کے پاس گئے اور اسے اہل شام کی حمایت کا یقین دلا کر دعوائے خلافت پر ابھارا۔ سلیمان تیار ہو گیا اور ستر ہزار کی جمعیت اپنے گرد قنسرین میں جمع کر لی۔ مروان اس وقت قرقیسیا میں تھا۔ مقابلہ کی تیاری کر کے قنسرین کی طرف روانہ ہوا۔ مقام صاف میں دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی۔ سلیمان نے شکست کھائی اور اس کی فوج کے تیس ہزار

آدمی قتل ہوئے سلیمان بھاگ کر حمص پہنچا، یہاں اس کے بقیۃ السیف ساتھی اس سے آملے۔ مروان اس کے تعاقب میں حمص کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی مروان راستہ ہی میں تھا کہ سلیمان کے کچھ سرداروں نے اس پر شبخون مارا۔ مگر مروان نے انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔ سلیمان کو اس شکست کا علم ہوا تو حمص سے تدمر چلا گیا۔ مروان نے آگے بڑھ کر حمص پر قبضہ کر لیا۔

خوارجِ عراق

بنو امیہ کو اس طرح دست و گریبان دیکھ کر ان کے پرانے حریفوں نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور وہ بھی میدان میں نمودار ہو گئے۔ خوارج ضحاک بن قیس شیبانی کے زیرِ علم منظم ہوئے اور کوفہ پر حملہ کر دیا امیر کوفہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ان کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور کوفہ چھوڑ کر واسط چلے گئے۔ ضحاک بن قیس نے عبداللہ بن عمر کا تعاقب کیا اور واسط پہنچا۔ کئی مہینے کی جنگ کے بعد عبداللہ نے ضحاک سے مصالحت کر لی اور واسط پر بھی ضحاک کا قبضہ ہو گیا۔ اسی دوران میں سلیمان بن ہشام بھی مروان کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر ضحاک سے آملا۔

اب ضحاک کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے موصل کو بھی فتح کر لیا مروان اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا اسے ضحاک کی ان کامیابیوں کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن مروان کو جو والیِ جزیرہ تھا حکم بھیجا کہ وہ جزیرہ میں ضحاک کو داخل ہونے سے روکے۔ عبداللہ بن مروان سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ ضحاک کو روکنے کے لئے نصیبین میں مقیم ہوا۔ ضحاک نے مروان کی آمد کی خبر سن کر نصیبین کا محاصرہ اٹھا لیا اور مروان کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا

کفرتوثا کے نواحی میں فریقین میں ہولناک جنگ ہوئی جس میں ضحاک مقتول ہوا۔ خوارج نے سعید بن بہدل خیبری کو امیر منتخب کرکے پھر جنگ شروع کردی۔ خیبری نے مروان کی فوج کے قلب پر حملہ کرکے اسے شکست دے دی مروان قلب کے دستہ کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا مگر جب خیبری مروان کی خیمہ گاہ کی طرف بڑھا تو مروان کے خدمتگاروں نے اس کے ساتھیوں کی قلتِ تعداد دیکھ کر اسے گھیر لیا اور قتل کردیا۔ مروان کو لڑائی کا نقشہ بدل جانے کی خبر پہنچی تو وہ لوٹ آیا اور پھر نئے سرے سے صفیں درست کیں۔

خوارج نے خیبری کے قتل کے بعد شیبان بن عبدالعزیز لشکری کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے تو لڑائی ملتوی کرکے موصل چلا گیا۔ مروان بھی اس کے تعاقب میں موصل پہنچا اور چھ مہینے تک اس سے جنگ کرتا رہا۔

اسی اثنا میں مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق سے خارجیوں کا اثر زائل کرنے کے لیئے کوفہ بھیجا۔ ابن ہبیرہ نے پہلے کوفہ اور پھر بصرہ سے خارجیوں کو نکالا۔ عراق سے مطمئن ہو کر ابن ہبیرہ نے عامر بن ضبارہ کو سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ مروان کی مدد کے لیئے جو شیبان کے مقابلہ میں صف آرا تھا موصل بھیجا۔

شیبان کو عامر بن ضبارہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے خود کو دو دشمنوں کے درمیان گھروانا مناسب نہ سمجھا اور موصل سے روانہ ہوگیا مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مقام جیرفت میں عامر نے

شیبان کو جالیا۔ دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی شیبان کو شکست فاش ہوئی وہ سجستان کی طرف نکل گیا اور وہاں ۱۳۰ھ میں مر گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان تمام مراحل میں سلیمان بن ہشام برابر خوارج کے ساتھ رہا اور ان کی ہر قسم کی مدد کرتا رہا خوارج کی قوت ٹوٹ جانے کے بعد وہ معہ اہل وعیال کے بحری راستہ سے سندھ چلا آیا۔ انقلاب حکومت کے بعد اس نے بڑی آرزوؤں کے ساتھ سفاح کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی دست بوسی کی۔ سفاح نے بھی اس کے ساتھ عزت واکرام کا برتاؤ کیا، مگر عین اس موقع پر جب سفاح کی نظر عنایت اس پر مبذول تھی سفاح کے غلام سدیف نے چند اشتعال انگیز شعر پڑھے۔ سفاح کے سینہ میں انتقام کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں اور اس نے سلیمان کا سر قلم کرا دیا۔[1]

خوارج یمن وحجاز جس زمانہ میں ضحاک اور اس کے ساتھیوں نے عراق اور جزیرہ میں شورش برپا کر رکھی تھی اس زمانہ میں ایک دوسرے خارجی سردار ابوحمزہ مختار بن عوف ازدی نے حجاز کو اپنی فتنہ انگیز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ابوحمزہ نے ۱۲۹ھ میں اپنے سات سو رفقاء کے ساتھ عین حج کے موقع پر میدان عرفات میں خروج کیا۔ حجاج ان کے سیاہ جھنڈے اور نیزوں پر سیاہ عمامے بلند دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ عبدالواحد بن سلیمان والی مکہ نے ابوحمزہ سے مراسلت کر کے یہ طے کر لیا کہ ایام حج میں

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۱

شورش برپا نہ ہوگی اور حجاج کو مناسک حج کی ادائیگی کا اطمینان سے موقع دیا جائیگا۔

حج سے فراغت کے بعد عبدالواحد بن سلیمان خاموشی کے ساتھ مکہ سے مدینہ چلا گیا اور ابوحمزہ نے بلا مزاحمت مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر عبدالواحد نے اہل مدینہ کو خوارج کے فتنہ سے آگاہ کیا اور انہیں ان کے مقابلہ میں نکلنے کے لیئے ابھارا، چنانچہ اہل مدینہ عبدالعزیز بن عبداللہ کی سرکردگی میں خوارج کے مقابلہ کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ پر قابض ہونے کے بعد ابوحمزہ بھی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیئے روانہ ہوا۔ مقام قدید میں دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ خوارج نے اہل مدینہ کو پیام بھیجا تھا کہ "انہیں اہل مدینہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے وہ صرف بنوامیہ کے مقابلہ کے لیئے نکلے ہیں لہذا وہ درمیان سے ہٹ جائیں"۔ مگر اہل مدینہ نے مقابلہ پر اصرار کیا۔ اہل مدینہ عرصہ سے عافیت پسندانہ زندگی کے عادی ہوگئے تھے اور خوارج مرد میدان تھے۔ اہل مدینہ نے بری طرح شکست کھائی، اور ہزاروں کی تعداد میں مقتول ہوئے۔ مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند نہ ہو رہی ہوں۔ اب ابوحمزہ مدینہ پہنچا اور ایک طویل خطبہ میں بنوامیہ کے معائب اور اپنی جماعت کے نیک عزائم بیان کیئے۔ عبدالواحد مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر پہلے ہی شام کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ مدینہ پر قابض ہونے کے بعد ابوحمزہ بھی مروان کے مقابلہ کے لیئے شام کی طرف روانہ ہوا۔ مروان کو خبر ہوئی تو اس نے چار ہزار منتخب سواروں کو عبدالملک بن محمد بن عطیہ کی

ماتحتی میں ابو حمزہ کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔ وادی القریٰ میں دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ شامیوں نے خارجیوں کو شکست فاش دی خود ابو حمزہ بھی مارا گیا۔ بقیۃ السیف خوارج نے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لی، مگر عبد الملک نے مدینہ پہنچ کر انہیں بھی قتل کیا۔

خوارج کے اس گروہ کا امیر عبد اللہ بن یحییٰ (طالب حق) تھا جو صنعا (یمن) میں مقیم تھا۔ ابو حمزہ اسی کا داعی تھا۔ مدینہ میں ایک ماہ قیام کر کے عبد الملک نے صنعا کی راہ لی۔ عبد اللہ بن یحییٰ کو عبد الملک کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ ابن یحییٰ قتل ہوا۔ اور عبد الملک نے اس کا سر مروان کے پاس بھیج دیا۔[۱]

خراسان میں فتنۂ عصبیت

حکومت امویہ کے مختلف صوبوں میں جس وقت یہ شورشیں برپا ہو رہی تھیں خراسان کی حالت سب سے زیادہ خطرناک تھی۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ یہاں قبائلی عصبیت کا فتنۂ خوابیدہ بیدار ہو چکا تھا۔ امیر نصر بن سیار والی خراسان مضری قبائل کا قائد تھا اور جدیع بن شبیب کرمانی یمنی قبائل کا رہنما۔ ان دونوں سرداروں کے زیر علم مضری اور یمانی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں تھے۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت کے قدیم معاہدۂ صلح کی تجدید ہو گئی تھی اس لیے قبائل ربیعہ بھی یمنی قبائل کے ساتھ تھے ان کا سردار شیبان بن سلمہ حروری تھا۔

---

[۱] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۶۔

ابو مسلم خراسانی

عین اس موقعہ پر ابو مسلم خراسانی ایک عجمی النسل اور پارسی نژاد نوجوان خراسان کی سیاسیات میں داخل ہوا۔ اس نے حالات کا رُخ ہی بدل دیا۔ ابو مسلم قائم کوفہ بکیر بن ماہان کا غلام تھا۔ بکیر نے اسے جوہر قابل دیکھ کر عباسی تحریک کے اصول کی تلقین کی پھر اُسے حمیمہ میں امام ابراہیم کی خدمت میں نذر گزرانا۔ ۱۲۰ھ میں ابراہیم نے ابو مسلم کو امیر جماعت خراسان بنا کر بھیجا اور اُسے یہ وصیت کی۔

"تم ہمارے گھر کے آدمی ہو میری وصیت کو اچھی طرح یاد رکھو۔ یمن کے قبیلہ کا خیال رکھنا اور انہیں اپنے ساتھ ملائے رکھنا اور انہی کے ساتھ رہنا سہنا، تم اپنے مقصد میں ان کو ساتھ ملا کر ہی کامیاب ہو سکتے ہو۔ ربیعہ پر اعتماد نہ کرنا، اور مضر کو تو قریبی دشمن سمجھنا۔ پھر تم جس کسی کو شکوک میں پاؤ اس کو قتل کر دینا اور جب موقع آئے تو کسی عربی بولنے والے کو (خواہ مضری ہو، یا یمنی یا ربعی) زندہ نہ چھوڑنا[1]"

ابو مسلم نے خراسان آکر ایک سال تک حالات کا جائزہ لیا اور اس دوران میں اپنا حلقۂ اثر بڑھایا۔ ۱۲۹ھ میں اسے امام ابراہیم کی طرف سے دو جھنڈے "ظل" اور "سحاب" موصول ہوئے اور دعوت عباسیہ کے اظہار و اعلان کا حکم ملا۔

ظہور دعوتِ عباسیہ

۲۵ شعبان ۱۲۹ھ کو جمعرات کے دن معینہ لائحہ عمل کے مطابق ابو مسلم نے "یوم آزادی" منایا۔ سفیدنج میں

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۰

تمام وابستگانِ تحریک سیاہ لباس پہن کر مجتمع ہوئے۔ تمام رات آگ روشن کی جاتی رہی اور ابو مسلم نے ظل اور سحاب کو یہ آیۂ مبارک تلاوت کرتے ہوئے مجمع میں بلند کیا:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الحج) — ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں جنگ کا حکم دیا گیا کیونکہ ان پر ظلم توڑا گیا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

مختلف قبائل و بلاد کے عباسی جو اس تقریب میں شرکت کے لیئے گروہ در گروہ جمع ہوئے تھے ساری رات نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ ظل اور سحاب سے یہ فال لی گئی کہ جدید التاسیس حکومت عباسیہ بادل کی طرح ساری زمین کو محیط ہو جائیگی اور سایہ کی طرح ہر زمانہ میں اس کا وجود باقی رہیگا۔ پھر اسی قریۂ سفیدنج کو حکومتِ عباسیہ کا عارضی مرکز مقرر کیا گیا۔ اس کے قلعہ اور فصیل کی مرمت کرا کر اسے مضبوط کر لیا گیا۔[1]

ان تیاریوں کے بعد ابو مسلم نے نصر بن سیار کو ایک خط لکھا جس میں اسے صرف نصر کہہ کر مخاطب کیا اور قرآن کی چند آیات اس میں درج کیں جن میں منکرین رسول کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا تھا۔

نصر نے اب ابو مسلم کی اہمیت محسوس کی اور ایک دستہ اس کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا مگر ابو مسلم نے اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ اس کامیابی کے بعد ابو مسلم کی طرف رجوعات بڑھ گئی اور لوگ جوق در جوق اس کی

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۳ و ۱۳۴۔

جماعت میں شریک ہونے لگے۔

اسی زمانہ میں مرو کے قریب نصر اور کرمانی میں جنگ چھڑ گئی۔ ابومسلم بھی اپنی جمعیت کو لے کر فریقین کے درمیان مقیم ہوا۔ پھر اس نے کرمانی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

نصر نے کرمانی کے پاس پیغام بھیجا کہ ابومسلم کے دھوکہ میں نہ آؤ وہ سب عربوں کا دشمن ہے۔ بہتر ہے کہ ہم آپس میں صلح کر لیں۔ کرمانی نے اس پیغام کو قبول کر لیا۔ مگر جب کرمانی نصر سے صلح کرنے کے لیے اپنے لشکر سے نکلا تو نصر نے اسے دھوکہ سے قتل کرا دیا۔

کرمانی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا علی نصر کے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گیا۔

قبائل عربیہ کا اتحاد اور افتراق

اس دوران میں ابومسلم کی دعوت زور شور سے جاری تھی مختلف بلاد خراسان سے لوگ آتے تھے اور عباسی تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔ اتفاقاً مرو سے ایک وفد اس کے پاس آیا اور اس نے مسائل فقہیہ کے متعلق ابومسلم سے کچھ سوالات کیے۔ ابومسلم نے کہا ان باتوں میں کیا رکھا ہے، میرے ساتھ تحریک میں شریک ہو کر کرنے کا کام یہی ہے۔ وفد نے کہا تمہارے ساتھ شریک ہونے سے کیا نتیجہ؟ یہ دونوں امیر جب تک برسرپیکار ہیں تمہارا کام چل رہا ہے، ان دونوں میں اتحاد ہوتے ہی تمہارا خاتمہ ہے۔ ابومسلم کی زبان سے نکل گیا "میں ان دونوں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔"

اہل وفد نے اس گفتگو کا ذکر نصر سے بھی کیا اور شیبان بن مسلمہ سردار ربیعہ سے بھی، جو اب تک کرمانی کا معاون تھا۔ ابو مسلم کے ان عزائم پر مطلع ہو کر یحییٰ بن نعیم شیبانی کی کوشش سے نصر، شیبان اور علی بن کرمانی نے آپس میں عارضی مصالحت کر لی۔

ابو مسلم کا مرو پر قبضہ

ابو مسلم کو عربی قبائل کے اتحاد کی خبر ملی تو اس کو اپنا بنا بنایا کھیل بگڑتا ہوا نظر آیا۔ اس نے علی بن کرمانی کو نصر سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے پر اکسایا۔ علی ابو مسلم کے جال میں پھنس گیا اور عربی اقوام کے اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا۔[1]

ابو مسلم علی بن کرمانی کو ساتھ لے کر نصر بن سیار کے مقابلہ کے لیے اپنے جدید مرکز ماخوان سے مرو کی طرف بڑھا۔ نصر کو شکست ہوئی اور ابو مسلم مرو پر قابض ہو گیا۔ نصر نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔

مرو پر قبضہ کے بعد ابو مسلم کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اب اسے نہ ربیعہ کی مدد کی ضرورت رہ گئی تھی اور نہ یمن کی۔ چنانچہ جلد ہی اس نے پہلے شیبان بن سلمہ حروری کو قتل کرا دیا اور پھر علی بن کرمانی سے درخواست کی کہ وہ اپنے خاص خاص سرداروں کے نام بتلائے تاکہ انہیں حسن خدمات کی صلہ میں انعام و اکرام سے سرفراز کرے۔ علی نے نام بتا دیے تو ابو مسلم نے علی کو اس کے تمام معاونین کے ساتھ تہ تیغ کر دیا۔[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۷-۱۳۸

[2] ایضاً 〃 ص ۱۴۴

خراسان و عراق عجم کی تسخیر

ابومسلم کے مرو پر قبضہ ہوتے ہی تمام خراسان جلد ہی اس کے جھنڈے تلے آگیا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں کا انتظام کیا اور قحطبہ بن شبیب طائی کو عراق عجم کی تسخیر کے لیے روانہ کیا قحطبہ نے معمولی مزاحمتوں کے بعد رے، اصفہان اور نہاوند پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قحطبہ نے ابوعون عبدالملک کو شہرروز کی طرف بھیجا۔ مروان کی طرف سے وہاں عثمان بن سفیان متعین تھا۔ ابوعون نے عثمان کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور بلادِ موصل میں قیام کیا۔ قحطبہ نے ابوعون کی مدد کے لیے مزید فوج بھیج دی اور اب اس کے پاس تیس ہزار کی جمعیت ہو گی۔

مروان کی مجبوری

مروان ان واقعات سے بے خبر نہ تھا جس زمانہ میں نصر اور کرمانی کے درمیان جنگ چھڑی اور ابومسلم اپنی جمعیت کو لے کر دونوں لشکروں کے درمیان مقیم ہوا تو نصر نے ابومسلم کے حالات سے مروان کو ان اشعار کے ذریعہ اطلاع دی:۔

ادی بین الرماد ومیض نار — واخشی ان یکون لها ضرام
مجھے راکھ میں چنگاریاں چمکتی نظر آتی ہیں — اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بھڑک نہ اٹھیں
فان النار بالعودین یذکی — وان الحرب مبداٴہ کلام
آگ دو لکڑیوں سے سلگائی جاتی ہے — اور لڑائی کی ابتدا گفتگو سے ہو جاتی ہے
فقلت من التعجب لیت شعری — أایقاظ امیة ام نیام
میں نے تعجب سے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا — کہ بنو امیہ جاگ رہے یا سو رہے ہیں

لیکن مروان بری طرح خوارج کی کشمکش میں مبتلا تھا وہ کوئی مدد نہ کر سکا۔

اسی دوران میں ایک قاصد جو حمیمہ سے امام ابراہیم کا خط ابو مسلم کے پاس لے کر خراسان جا رہا تھا پکڑا گیا۔ اس خط میں لکھا تھا۔

"ابو مسلم نصر اور کرمانی کی آویزش سے فوراً فائدہ اٹھائے اور خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑے" [1]

مروان کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے امام ابراہیم کو قید کر دیا اور وہ اسی حالت قید میں انتقال کر گئے۔ امام ابراہیم نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کو اپنا قائم مقام بنایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے تمام خاندان کو لے کر کوفہ چلے جائیں۔ ابوالعباس سفاح نے اس ہدایت کی تعمیل کی اور کوفہ میں مخفی طور پر اپنے داعی ابو سلمہ خلال کے ہاں آکر مقیم ہوئے۔

عراق پر قبضہ

عراقِ عجم پر قبضہ کرنے کے بعد قحطبہ ابو مسلم کے حکم سے عراق عرب کی طرف بڑھا۔ مروان کی طرف سے یزید بن عمرو بن ہبیرہ وہاں کا والی تھا۔ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ قحطبہ کو روکنے کے لیے نکلا۔ دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ابن ہبیرہ کو شکست ہوئی اور وہ واسط کی طرف چلا گیا۔ خود قحطبہ بھی اس لڑائی میں گم ہو گیا، اور اس کا بیٹا حسن بن قحطبہ اس کا جانشین تجویز کیا گیا۔

خلیفۂ عباسی کی تخت نشینی

اب کوفہ پر عباسی علم لہرا رہا تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ابوالعباس عبداللہ بن علی سفاح

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۳۶۔ والاخبار الطوال ص ۳۴۴

ہاتھ پر بیعت خلافت لی گئی اور اس نے جامع کوفہ میں خلافتِ عباسیہ کے پہلے تخت نشین کی حیثیت سے خطبہ دیا۔

فیصلہ کن جنگ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قحطبہ نے ابو عون کو بلاد موصل میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ مروان بن محمد نے جب دیکھا کہ مصیبت سر پر آ ہی پہنچی ہے تو وہ بھی ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت عظیم کے ساتھ حلوان سے چل کر نہر زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔

بیعت خلافت سے فراغت کے بعد ابو العباس سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو ایک لشکر گراں دے کر مروان بن محمد کے استیصال کے لیے روانہ کیا۔ ابو عون پہلے ہی مروان کے مقابلہ — میں صف آرا ہو چکا تھا۔ ۲۔ جمادی الآخرہ ۱۳۲ھ کو فریقین میں جنگ شروع ہوئی مروان بن محمد کو شکست فاش ہوئی۔ اموی بری طرح عباسیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جتنے قتل ہوئے اُن سے زیادہ دریا میں ڈوب مرے۔

مروان کا فرار اور قتل

اس لڑائی کے نتیجہ نے اموی حکومت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ مروان بھاگ کر موصل آیا موصل سے حران، قنسرین، حمص، دمشق، اردن اور فلسطین ہوتا ہوا حدودِ مصر میں داخل ہوا۔ مروان جہاں جاتا تھا عباسی فوج اس کے تعاقب میں وہاں پہنچ جاتی تھی اور اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیتی تھی، آخر مصر کے قریہ بوصیر کے ایک کنیسہ میں اُسے گھیر لیا گیا۔ مروان مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ یہ واقعہ ۲۸۔ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کا ہے[1]

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۰۔

مروان کی عمر باسٹھ سال ہوئی اور مدت خلافت پانچ سال دس مہینے
مروان کے قتل سے حکومت امویہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

تاریخِ ملّت

جلد سوم

خلافتِ بنی اُمیّہ

مرتبہ

قاضی زین العابدین میرٹھی

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی